دائرۂ اسلام سے خارج کر دینے والے امور پر شہرہ آفاق کتاب

نواقضِ اسلام

تالیف

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ

شرح

علامہ ڈاکٹر صالح بن فوزان بن عبد اللہ الفوزان حفظہ اللہ

(ممبر کبار علماء بورڈ ورکن دائمی کمیٹی برائے افتاء سعودی عرب)

ترجمہ

منتخب علماء کرام

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

نام کتاب : دروس فی شرح نواقض الاسلام

تالیف : شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب تمیمی رحمہ اللہ

شرح : ڈاکٹر صالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان رحفظہ اللہ

ترجمہ : منتخب علماء کرام

سنہ اشاعت : محرم ۱۴۴۱ھ مطابق ستمبر ۲۰۱۹ء

طباعت : A1رگرافکس اسٹوڈیو

تعداد : دوہزار

ایڈیشن : اول

صفحات : 294

ناشر : شعبۂ نشرواشاعت، صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

ملنے کے پتے:

- دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی: ۱۴-۱۵، چوناوالا کمپاؤنڈ، مقابل بیسٹ بس ڈپو، ایل بی ایس مارگ، کرلا (ویسٹ) ممبئی-۷۰ ٹیلیفون: 022-26520077

ویب سائٹ: www.ahlehadeesmumbai.org

- جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، بھیونڈی: فون: 226526 / 225071

- مرکز الدعوۃ الاسلامیہ والخیریہ، بیت السلام کمپلیکس، نزدالمدینہ اسکول، مہاڈ ناکہ کھیڈ، ضلع رتنا گری-415709، فون نمبر: 02356-264455

فہرست مضامین

عرضِ ناشر

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين ، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وبعد:

ایک مسلمان کے لئے جس قدر توحید خالص، ایمان کامل اور سنت مطہرہ کی معرفت اور علم و بصیرت کا حصول واجب وضروری ہے اسی قدر ان کی ضد، ان کے منافی ومخالف امور اور ان کے نواقض یعنی ضائع و برباد کرنے والی باتوں کی معرفت بھی ضروری ہے، اور یہ دراصل انہی کی مطلوبہ معرفت کے حصول کا حصہ ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ اگر ان نواقض ومنافی امور کی صحیح اور ٹھوس معرفت نہ ہوگی تو مسلمان غیر شعوری طور پر ان کا مرتکب ہو کر دین کے بہت کچھ اعمال کی انجام دہی کرتے ہوئے بھی اپنے اسلام کو اکارت کرنے والا ہوگا، بنابریں اسلام و ایمان کو ضائع کرکے بندے کو مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج کر دینے والے امور کی معرفت حد درجہ اہم اور ضروری ہے۔

چنانچہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے اس پہلو کی طرف خوب اشارہ ملتا ہے، فرماتے ہیں:

" قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم: لَتُنْقَضَنَّ عُرَى الإِسْلَامِ عُروةً عُروةً فكُلَّما انْتَقَضَتْ عُرْوَةٌ تَشبَّثَ النَّاسُ بِالَّتِي تَلِيها فَأَوَّلُهُنَّ نَقْضاً: الحُكْمُ وآخِرُهُنَّ: الصَّلاةُ"[1]

---

[1] التعليقات الحسان على صحيح ابن حبان، 9/ 390، حديث (6680)، نیز دیکھئے: صحیح الجامع از علامہ البانی، حدیث (5075)۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اسلام کی کڑیاں ضرور بالضرور ایک ایک کرکے توڑ دی جائیں گی، جب بھی کوئی کڑی ٹوٹے گی لوگ اس کے بعد والی کڑی کو پکڑ لیں گے، چنانچہ سب سے پہلے حکم (اللہ کے واجب کردہ ٹھوس شرعی احکام) ٹوٹے گا اور سب سے اخیر میں نماز۔

اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد نبوی ہے:

”لَيُنْقَضَنَّ الْإِسْلَامُ عُرْوَةً، عُرْوَةً كَمَا يُنْقَضُ الْحَبْلُ قُوَّةً، قُوَّةً“[1]

اسلام کی کڑیاں ایک ایک کرکے ایسے ہی توڑ دی جائیں گی جیسے رسی کے مضبوط بندھنوں کو ایک ایک کرکے توڑ دیا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی وضاحت خلیفۂ راشد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اس فرمان ہوتی ہے، جس میں انہوں نے فرمایا تھا:

”إِنَّمَا تُنْقَضُ عُرَى الْإِسْلَامِ عُرْوَةً عُرْوَةً. إِذَا نَشَأَ فِي الْإِسْلَامِ مَنْ لَا يَعْرِفُ الْجَاهِلِيَّةَ“[2]

اسلام کے کڑے یکے بعد دیگرے اس وقت ٹوٹ جائیں گے جب اسلام میں پرورش پانے والا جاہلیت سے ناواقف ہوگا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

” مَنْ لَمْ يَعْرِفْ إِلَّا الْخَيْرَ فَقَدْ يَأْتِيهِ الشَّرُّ فَلَا يَعْرِفُ أَنَّهُ شَرٌّ فَإِمَّا أَنْ يَقَعَ فِيهِ وَإِمَّا أَنْ لَا يُنْكِرَهُ كَمَا أَنْكَرَهُ الَّذِي عَرَفَهُ. وَلِهَذَا قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِنَّمَا تُنْقَضُ عُرَى الْإِسْلَامِ عُرْوَةً عُرْوَةً إِذَا

---

① مسند أحمد، 29/573، حدیث (18039)، دیکھئے: صحیح الجامع از علامہ البانی، حدیث (5478)۔

② دیکھئے: مدارج السالکین، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، 1/351، والفوائد از ابن القیم، ص: 109۔

نَشَأَ فِي الْإِسْلَامِ مَنْ لَمْ يَعْرِفْ الْجَاهِلِيَّةَ." ①

جو صرف خیر و بھلائی جانے گا، اگر اس کے پاس شر و برائی آئے گی تو نہیں جان سکے گا کہ وہ شر و برائی ہے، اب یا تو وہ اس میں جا گرے گا، یا صاحب علم کے انکار کرنے کی طرح انکار کر دے گا، اسی لئے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: اسلام کے کڑے یکے بعد دیگرے ٹوٹ جائیں گے، جب اسلام میں پرورش پانے والا جاہلیت سے ناواقف ہو گا۔

اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول پر نفیس گفتگو کرتے ہوئے امام ابن القیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"وَهَذَا لِأَنَّهُ إِذَا لَمْ يَعْرِفِ الْجَاهِلِيَّةَ وَالشِّرْكَ، وَمَا عَابَهُ الْقُرْآنُ وَذَمَّهُ وَقَعَ فِيهِ وَأَقَرَّهُ، وَدَعَا إِلَيْهِ وَصَوَّبَهُ وَحَسَّنَهُ، وَهُوَ لَا يَعْرِفُ أَنَّهُ هُوَ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ، أَوْ نَظِيرُهُ، أَوْ شَرٌّ مِنْهُ، أَوْ دُونَهُ، فَيَنْقُضُ بِذَلِكَ عُرَى الْإِسْلَامِ عَنْ قَلْبِهِ، وَيَعُودُ الْمَعْرُوفُ مُنْكَرًا، وَالْمُنْكَرُ مَعْرُوفًا، وَالْبِدْعَةُ سُنَّةً، وَالسُّنَّةُ بِدْعَةً، وَيَكْفُرُ الرَّجُلُ بِمَحْضِ الْإِيمَانِ وَتَجْرِيدِ التَّوْحِيدِ، وَيُبَدَّعُ بِتَجْرِيدِ مُتَابَعَةِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُفَارَقَةِ الْأَهْوَاءِ وَالْبِدَعِ، وَمَنْ لَهُ بَصِيرَةٌ وَقَلْبٌ حَيٌّ يَرَى ذَلِكَ عِيَانًا، وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ" ②

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر انسان جاہلیت، شرک اور شریعت میں معیوب و مذموم باتوں کو نہیں جانے گا تو اس میں جا گرے گا، اسے مان لے گا، اس کی دعوت دے گا، اور اسے درست اور اچھا قرار دے گا، کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ انہی باطل عقائد، یا ان جیسے یا ان سے بدتر

① مجموع الفتاوی (10/301) والفتاوی الکبری لابن تیمیۃ (5/264)۔

② مدارج السالکین، 1/351۔

یا کمتر پر اہل جاہلیت بھی قائم تھے، چنانچہ اسی بنا پر اسلام کی کڑیاں اس کے دل سے ٹوٹ جائیں گی، معروف منکر اور منکر معروف ہو جائے گا، بدعت سنت اور سنت بدعت ہو جائے گی، اور آدمی خالص ایمان اور کھری توحید کا کفر کرے گا، اور خالص اتباع رسول اور بدعات وخواہشات نفسانی سے دوری کے سبب بدعتی ٹھہرایا جائے گا، اور ہر صاحب بصیرت اور زندہ دل شخص اس کا عینی مشاہدہ کر سکتا ہے، مدد طلبی کے لائق اللہ ہی کی ذات ہے۔

زیر نظر کتاب اس موضوع پر امام مجدد شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب تمیمی نجدی رحمہ اللہ کے مشہور زمانہ رسالہ ''نواقض الاسلام'' کی شرح ہے جسے عالم اسلام کی موقر علمی شخصیت بقیۃ السلف معالی الشیخ ڈاکٹر صالح بن فوزان بن عبد اللہ الفوزان حفظہ اللہ نے اپنے دروس میں ہے، اس شرح کی اہمیت وافادیت جاننے کے لئے معالی الشیخ ڈاکٹر صالح فوزان حفظہ اللہ کی بلند پایہ علمی شخصیت ہی کافی ہے۔

کتاب کا مضمون اس کے نام سے واضح ہے، اور اس موضوع کی اہمیت وافادیت اور اس کا تقاضہ دور حاضر میں کس قدر ہے اہل علم و دعاۃ إلی اللہ سے ہر گز مخفی نہیں۔

رسالہ اور اس کی نفیس شرح کی اہمیت وافادیت اور فی زمانہ اس کے شدید تقاضہ کے پیش نظر فضیلۃ الشیخ عبد السلام سلفی حفظہ اللہ (امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی) نے جمعیت کے شعبۂ نشر واشاعت سے اس کی طباعت واشاعت کا فیصلہ کیا، فجزاہ اللہ خیراً۔

کتاب کا ترجمہ حافظ مصلح الدین محمدی صاحب نے کیا ہے، جبکہ ترجمہ کی تصحیح وتدقیق کا کام بڑی عرق ریزی سے برادر م گرامی شیخ الطاف الرحمن ابو الکلام سلفی مدنی سلمہ اللہ نے انجام دیا ہے، فجزاہما اللہ خیراً۔

بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اصل رسالہ کی طرح اس کی اس نفیس شرح کو بھی اردو داں طبقہ کے لئے مفید سے مفید تر بنائے، اس سے امت کو خوب فائدہ پہنچائے اور دعوتی

کتابوں کی نشر و اشاعت میں ذمہ داران جمعیت کی کوششوں کو شرف قبولیت بخشے، اور مولف، شارح، مترجم، مصحح اور جملہ معاونین کو دنیا و آخرت میں نیک صلہ عطا فرمائے، آمین۔

اخوکم فی اللہ

ابو عبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی

(شعبۂ نشر و اشاعت صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

ممبئی: ۳۱/ اگست ۲۰۱۹ء

اجازت نامہ

الحمدلله رب العالمين والصلاةوالسلام على نبينا محمد، خاتم النبيين وعلى آله وأصحابه والتابعين لهم بإحسان الى يوم الدين امابعد!

تمام قسم کی حمد وثناء صرف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے، اور درود وسلام ہو ہمارے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کے اہل وعیال واصحاب پر اور بحسن وخوبی قیامت تک ان کی اتباع کرنے والوں پر، امابعد!

اللہ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾ [البقرة:208]

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو، کیوں کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے''۔

یہ کتاب مجدد ملت، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے رسالہ "نواقض الإسلام العشرة " (اسلام کو ڈھانے والے دس امور) کی شرح ہے، میں نے ایک مسجد میں اس کو دروس کی شکل میں پیش کیا تھا، اس ریکارڈنگ کو بعض بھائیوں نے تفریغ کر کے کتابی شکل میں چھپوانے کی اجازت طلب کی تو میں نے اجازت دے دی، ممکن ہے اس کی طباعت سے کچھ فائدہ ہو (ان شاء اللہ)۔

اس کام کو فضیلۃ الشیخ محترم محمد بن فہد الحصین نے سرانجام دیا ہے، اللہ ان کو بہترین بدلہ

دے اوران کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہونچائے، میری طرف سے اس شرح کی طباعت، نشرو اشاعت کی اجازت ہے۔

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله وصحبه

كتبه صالح بن فوزان بن عبدالله الفوزان

بتاریخ: ۵/۱۱/ ۱۴۲۴ھ

****

پیش لفظ

تمام قسم کی تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہر رسول کے بعد کے فترہ میں اہل علم کا سلسلہ جاری کیا، جو گمراہی سے ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، لوگوں کی تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں، مردہ دلوں کو اللہ کی کتاب سے زندہ کرتے ہیں اور اندھوں کو اللہ کے نور کے ذریعہ حق کی راہ دکھاتے ہیں۔

ابلیس کے شکار کتنے مردہ دلوں کو انہوں نے زندہ کیا، اور کتنے گمراہیوں میں ڈوبے ہوئے کو سیدھا رستہ دکھایا، اسی وجہ سے لوگوں پر ان کا بہترین اثر ہے، جبکہ لوگوں کا برتاؤ ان کے ساتھ براہی ہے، حالانکہ علماء حق تحریف کرنے والے کی تحریف سے کتاب اللہ کو پاک کرتے ہیں، جھوٹ وباطل کا پردہ فاش کرتے ہیں، اور ایسے جاہلوں کی باطل تاویل کا بھرپور رد کرتے ہیں جو بدعت کے ٹھیکیدار اور فتنوں کے پروردہ ہیں، یہ بدعتی ایسے ہیں جو کتاب اللہ کے بارے میں بھی مختلف ہیں، ہاں! کتاب اللہ کو بانٹنے اور اس کی مخالفت کرنے میں متفق ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں، اور اس کی کتاب کے بارے میں بغیر دلیل وبرہان کے۔خواہش نفس کی اتباع کرتے ہوئے۔بولتے ہیں، اور ان کی عقل جس چیز سے راضی ہوجائے اس کو دین کی حیثیت دے لیتے ہیں، اور پھر اسی کو کامیابی اور جنت کا راستہ سمجھ بیٹھتے ہیں، حتی کہ بکثرت شکوک وشبہات سے لوگوں کو دھوکہ بھی دیتے ہیں، گویا ان کا یہ عمل رات کی تاریکی کا ایک حصہ ہے، ہم اللہ سے گمراہ فرقوں کے فتنوں سے پناہ چاہتے ہیں[1]۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلي آله وصحبه والتابعين لهم بإحسان الي يوم الدين -

---

[1] مقدمة الامام أحمد لكتابه (الرد على الجهمية)۔

امابعد! عقیدہ کے باب میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی اہم تصنیفات میں سے "**نواقض الاسلام العشرة**" بھی ہے۔

اس کتاب کو مصنف رحمہ اللہ نے اس وقت لکھا جب انہوں نے اپنے زمانہ میں شرک وبدعت کی ایسی ایسی چیزیں دیکھیں، جس سے ان کی پیشانی جھک گئی، دل چھلنی وتارتار ہوگیا، تو انہوں نے لوگوں کو غیروں کی عبادت چھوڑ کر صرف اسی ایک کی عبادت کی دعوت دی، دعوتِ توحید کی آواز بلند کی، شرک میں لت پت ہونے سے ڈرایا، لوگوں کو شرک وبدعت کی تاریکیوں سے نکال کر توحید وسنت کی طرف لانے کے لئے جہاد قائم کیا، اوراس معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کیا، اوراسی وقت انہوں نے لوگوں کو شرک وبدعت میں ملوث ہونے سے ڈراتے ہوئے یہ کتاب: ''نواقض الاسلام'' تالیف فرمائی، اللہ تعالی امت محمدیہ کی طرف سے ان کو بہترین بدلہ دے۔آمین

علماء وطلباء نے اس ''نواقض اِسلام'' نامی کتاب پر توجہ دیتے ہوئے اس کے حفظ کا اہتمام کیا، اس کی شرحیں لکھیں، تعلیقات چڑھائیں، نیز تکفیری اورتحریکی نظریات واعتقاد سے پاک اوراہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق مساجد ومدارس میں اس کے درس وتدریس کا اہتمام کیا، جبکہ تکفیریوں نے اس کی شرحیں اپنی نفس پرستی اورلوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے کیں، جس سے عوام وخواص کی ایک بڑی تعداد نے دھوکہ بھی کھائی۔

اس کے بعد اہل بدعت، منافقین اور بدبختوں کے ذریعہ بھی ہمیں آزمایا گیا؛ وہ اس طور پر کہ یہ لوگ محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ کی دعوت میں بیجا عیب نکالتے، ان کی کتابوں کے ساتھ ساتھ سلفی دعوت کی کتابوں پر جھوٹا الزام لگاتے ہوئے کہتے کہ یہ خارجیوں اوردہشت گردوں کی کتابیں ہیں، جس طرح سے آج بھی روافض محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ اوران کی دعوت سے عوام کو دور کرتے ہیں، اورساتھ ہی ساتھ وہابی لابی (غیر مقلد لا مذہب یہودی ایجنٹ)

وغیرہ وغیرہ القاب سے ملقب کرتے ہیں۔

احمد بن سنان القطان رحمہ اللہ نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ: ’’دنیا کا ہر بدعتی اہل الحدیث سے (کسی نہ کسی طرح) دشمنی رکھتا ہے‘‘[1]۔

اور **ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ** نے فرمایا: ’’اہل بدعت کی نشانی یہ ہے کہ وہ اہل الاثر (اہل الحدیث) کو برے القاب سے متصف کرتے ہیں، اور زنادقہ کی یہ علامت ہے کہ وہ اہل حدیث کو حشویہ (ظاہر پرست فرقہ) کہتے ہیں، اور اس سے ان کا مقصد حدیث کا انکار کرنا ہوتا ہے، اور قدریہ کی یہ علامت ہے کہ وہ اہل سنت کو مجبرہ کہتے ہیں، یعنی؛ ہر شخص اپنے عمل کو کرنے میں مجبور و بے اختیار ہے۔ اور جہمیہ کی یہ علامت ہے کہ وہ اہل سنت کو مشبہ کہتے ہیں اور رافضہ کی علامت ہے کہ وہ اہل سنت کو نابتہ و ناصبہ (علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والا) کہتے ہیں۔

میں (ابو حاتم الرازی) کہتا ہوں کہ ان تمام برے ناموں سے متصف کرنے کی وجہ تعصب ہے، کیونکہ اہل سنت کا تو بس ایک ہی نام ہے اور وہ ہے ’’اہل حدیث‘‘[2]۔

ہمارے شیخ محترم فقیہ امت علامہ صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ نے مسجد الامیر ؛شعیب بن عبدالعزیز آل سعود میں اپنے سلسلۂ دروس میں نواقض اسلام کی کافی وشافی شرح کی، تا کہ اس کتاب میں موجود فوائد ومقاصد کو عام کیا جائے۔

کتاب کے شرح کا سلسلہ ختم ہونے پر میری تو بڑی خواہش تھی کہ اس شرح کی تفریغ کر کے کتابی شکل میں پیش کروں، اس لیے میں نے شیخ سے اس مفید شرح کے سلسلہ میں اجازت طلب کی، تو آپ نے مجھے اس کی مستقل اجازت دے دی، بعد ازاں میں نے افادۂ عام کی غرض سے دورانِ درس شیخ محترم سے کئے گئے بعض اہم سوالات وجوابات کا اضافہ

---

① عقیدۃ اھل الحدیث للصابونی: ص30۔

② عقیدۃ اھل الحدیث للصابونی: ص304۔305۔

کر کے شیخ محترم کو دکھایا تو انہوں نے مناسب حذف و اضافہ کے بعد کچھ باقی رکھا اور پھر دوبارہ مجھے اپنے ہاتھ سے اجازت نامہ لکھ کر اس کی نشر و اشاعت کی اجازت دی۔ جسے کتابی شکل میں آپ اپنے ہاتھ میں دیکھ رہے ہیں۔فلله الحمد والمنة

اخیر میں ہم اللہ عزوجل سے دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! اس کوشش میں برکت دے، اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر چلاتے ہوئے اس کو خالص اپنی رضامندی کے لیے قبول فرما، اور اس کو پڑھنے والوں کے لیے باطل سے نجات کا ذریعہ، نورِ ہدایت اور حق کو پہچاننے کی دلیل بنا، اور ہمارے شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ کو ہر اس چیز کی توفیق دے جو تجھے محبوب ہے، اور جس سے تو راضی ہے۔ اور امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی مغفرت فرماتے ہوئے ان کو وسیع جنت میں جگہ دے، نیز ان کو اور ہم سب کو انبیاء، صدیقین، شہداء و صالحین کے ساتھ (جنت میں) جمع فرما۔ کیونکہ یہی لوگ بہترین دوست و ساتھی ہیں۔۔

وصلى الله على محمد سيد الأنام وعلي آله وأصحابه الكرام تسليما كثيرا.

كتبه

محمد بن فهد الحصين

بتاریخ: ۲۸/ ۱۲/ ۱۴۲۴ھ

✶✶✶✶

مؤلف رحمہ اللہ کی سوانح حیات

✷ **نام ونسب:** محمد بن عبدالوھاب بن سلیمان بن علی بن محمد بن احمد بن راشد بن برید بن محمد بن مشرف بن عمر۔

✷ **پیدائش:** آپ شہر عیینہ میں سن ۱۱۱۵ھ کو دینی وعلمی، ایک شریف گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد بڑے عالم دین تھے اور دادا سلیمان بھی اپنے زمانہ میں شہر نجد کے بڑے عالم دین تھے۔

✷ **پرورش و پرداخت:** آپ رحمہ اللہ نے دینی، علمی، اور باعزت، شریف گھرانے میں پرورش پائی، اور بلوغت سے قبل دس سال کی عمر میں ہی مکمل قرآن حفظ کرلیا، اور پھر فقہ میں اچھی خاصی علم حاصل کی، مضبوط قوت حافظہ کی وجہ سے آپ کے والد آپ سے بڑی محبت کرتے تھے، آپ رحمہ اللہ کتب تفسیر وکتب حدیث کا برابر مطالعہ کرتے تھے، طالب علمی کے زمانہ میں دن رات میں جو بھی وقت پاتے مختلف فنون کے متون کو حفظ کرتے، حصول علم کے لیے آپ رحمہ اللہ نے احساء، مکہ، مدینہ کا سفر کیسا اور وہاں پڑھائی کی۔

مدینہ کے علماء میں علامہ شیخ عبداللہ بن ابراہیم شمری نجدی مدنی ہیں، اور ان کے ہی بیٹے شیخ ابراہیم شمری نجدی صاحب کتاب "العذب الفائض فی شرح ألفیۃ الفرائض" سے بھی استفادہ کیا، جب آپ کے مذکورہ دونوں مشائخ نے مشہور محدث محمد حیاۃ السندھی کے بارے میں بتایا تو ان کے پاس پہونچ کر علم حدیث اور علم رجال کو پڑھا، انہوں نے ہی آپ رحمہ اللہ کو امہاتِ کتب کے پڑھنے پڑھانے اور اس کو روایت کرنے کی اجازت دی، پھر عراق پہونچے اور بصرہ کے علماء سے تعلیم حاصل کی۔

امام محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ کو اللہ نے روشن ذہن اور تیز وطرار عقل سے نوازا تھا،

وہ مطالعہ، بحث ومباحثہ اور تصنیف وتالیف کے بڑے حریص تھے، اثناء قرات و بحث کوئی بھی فائدہ ملتا اس کو جمع کر لیتے، اور لکھنے سے اکتاتے نہ تھے، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہما اللہ کی بہت ساری کتابوں کے مخطوطات لکھے، یہاں تک کہ قلم کی روشنائی سے لکھی گئی بعض مخطوطات ابھی بھی ویسے موجود ہیں۔

✷ **تالیفات:** شیخ رحمہ اللہ نے بہت ساری مفید کتابیں لکھیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

①كتاب التوحيد

②كشف الشبهات

③الأصول الثلاثة

④نواقض الإسلام

⑤مسائل الجاهلية

⑥ مختصر زاد المعاد

⑦القواعد الاربع

⑧ مختصر الإنصاف والشرح الكبير

⑨ الكبائر وغیرہ ہیں۔

✷ **وفات:** تقریباً ۹۱ رسال کی عمر پا کر سن ۱۲۰۶ھ میں آپ نے وفات پائی، آپ کی مکمل عمر دعوت الی اللہ، جہاد فی سبیل اللہ اور تعلیم وتعلم ہی میں گزری، اللہ کی ان پر رحمتیں ہوں، اللہ ان سے راضی وخوش ہو، اور جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

۞۞۞

پہلا درس: مقدمۃ الشرح

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين۔ أمابعد!

"النواقض": ناقض کی جمع نواقض ہے اور ناقض اسم فاعل ہے، **"نقض الشيء"** سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے کسی چیز کو توڑ دینا یا گرا دینا، یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب انسان کسی چیز کو گرا دے، یا تباہ کردے، یا خراب وفاسد کردے۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا﴾ [النحل:91] اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو۔

اور دوسری جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا﴾ [النحل:92] اور اس عورت کی طرح نہ ہوجاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا۔

● **اسلام کی تعریف**: **"هو الاستسلام لله بالتوحيد، والانقياد له بالطاعة، والبراءة من الشرك وأهله"**۔ اللہ کو ایک مانتے ہوئے اپنے کو اس کے سپرد کردینا، اطاعت وفر برداری کرتے ہوئے اس کے لئے جھک جانا، نیز شرک اور اہلِ شرک سے براءت وبے زاری کا اظہار کرنا۔

اور **"أَسْلَمَ" کا معنی ہے**: قبول کرنا، تو جو اللہ کے لئے اسلام نہ لائے وہ تکبر کرنے والا ہے، اور جو اللہ اور دوسروں کے لئے بھی استسلام اختیار کرے وہ مشرک ہے، اور جو اللہ کو واحد مانے وہ موحد ہے۔

● **توحید کی تعریف**: عبادت میں اللہ کو اکیلا وتنہا ماننا، اس طور پر کہ کئی خداؤں کی پوجا کے

بجائے صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے؛ یعنی ایک ہی معبود مانا جائے اور وہ اللہ ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [التوبۃ:31] انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

اور ایک جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾ [البینۃ:5] انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں۔ ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں یہی سچا اور سیدھا دین ہے۔

اسی کو اسلام کہتے ہیں اور یہی سیدھا دین ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [یوسف:40] اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور ان کا یہ قول: **"الانقياد له بالطاعة"** (اطاعت وفر برداری کرتے ہوئے اس کے لئے جھک جانا)، اس کا معنی یہ ہے کہ توحید کے ساتھ اللہ عزوجل کے أوامر کو بجالایا جائے، لہذا تم وہ سارے کام بجالاؤ جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور ان کاموں سے باز آجاؤ جس سے اس نے روکا اور منع کیا ہے۔

اطاعت؛ اوامر کو بجالانے اور منہیات کو چھوڑ دینے دونوں کو شامل ہے، لہذا بغیر عمل کے صرف وحدانیت کا اعتقاد کافی نہ ہوگا۔

"والبراءة من الشرك و أهله": اور شرک واہل شرک سے براءت کا اظہار کرنا، لہذا یہ کافی نہیں کہ انسان صرف اللہ کی عبادت کرے بلکہ ضروری ہے کہ وہ شرک اور مشرک

دونوں سے براءت کا اعلان کرے، اوران کے باطل ہونے کا عقیدہ رکھے اور مشرکوں کو کافر مانتے ہوئے اللہ کے لئے ان سے بغض اور دشمنی رکھے۔

آپ پر یہ واجب ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھیں اور اللہ کے ولیوں سے محبت رکھیں، لہذا جو چیز اللہ کو پسند ہو اور جو شخص اللہ کو پسند کرتا ہو اس سے محبت کریں، اور جو چیز اللہ کو ناپسند ہو، اور جو شخص اللہ کو ناپسند کرتا ہو اور اللہ بھی اس کو ناپسند کرتا ہو اس سے بغض رکھیں، یہی ”والبراءة من الشرك و أهله“ کا معنی ہے، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام اوران کے متبعین نے مشرکین سے برأت کا اعلان کیا، اللہ کا فرمان ہے: ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ﴾[الممتحنة : 4] مسلمانو! تمہارے لئے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔

لہذا مسلمانوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ مشرکوں سے اوران کے معبودانِ باطلہ سے بیزاری کا اظہار کریں، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ نے فرمایا: ﴿كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ﴾ [الممتحنة : 4] ہم تمہارے (عقائد ونظریات) کے منکر ہیں اور ہم میں اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے بغض و دشمنی رہے گی یہاں تک کہ تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ۔

اور ایک دوسری جگہ فرمایا: ﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ﴾[المجادلة: 22] اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت کرتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے گو وہ ان کے باپ یا ان کے

بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے) کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔

اور ایک جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾[التوبة:23] اے ایمان والو! اپنے باپوں بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان سے زیادہ عزیز رکھیں، تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے گا وہ پورا گنہگار ظالم ہے۔

اور ایک جگہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾[الممتحنة:1] اے ایمان والو! میرے اور خود اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

یہی وہ توحید ہے جسے اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے؛ اہل توحید سے دوستی اور شرک اور اہل شرک سے بیزاری کا حکم دیا ہے، کیونکہ شرک اور مشرکین سے دوستی کرنا توحید کے مخالف ہے۔

✷ **معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام کے کچھ نواقض بھی ہیں؛** انسان اسلام میں تو داخل ہوجاتا ہے لیکن وہ جانے انجانے میں کچھ ایسے امور کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے جو اس کو اسلام سے خارج کر دیتے ہیں، لہذا انسان پر واجب ہے کہ اسلام سے خارج کر دینے والے نواقضِ اسلام کی معرفت حاصل کرے۔

ذرا دیکھئے! یہ اِبراہیم علیہ السلام ہیں جو اپنے آپ پر شرک سے خوف کھا رہے ہیں، جبکہ انہوں نے ہی بتوں کو توڑ کر پاش پاش کیا اور اللہ کی راہ میں طرح طرح کی تکلیفیں جھیلیں، پھر بھی وہ اپنے نفس پر شرک سے مطمئن نہیں، بلکہ ڈرتے ہوئے اللہ سے دعا کرتے ہیں:

﴿وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ﴾[اِبراھیم:35] (اے میرے رب) تو مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچا (بے شک) بتوں کی پرستش نے اکثر لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔

آپ علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت کی جب انہوں نے لوگوں کی اکثریت کو شرک کی غلاظت اور اس کے علاوہ کئی فتنوں میں مبتلا دیکھا، تو اپنے نفس پر ڈرتے ہوئے اللہ سے فریاد کی، کیونکہ انسان بہر حال بشر ہی ہے اور جو لوگ شرک میں پڑتے ہیں وہ بھی بشر ہی ہوتے ہیں۔ لہذا انسان اپنے نفس کی پاکیزگی نہ بیان کرے اور نہ ہی مکمل اپنے دین کو مامون سمجھے، بلکہ اپنی عزت و مال اور جان سے کہیں زیادہ اپنے دین کے سلسلے میں خوف کھائے، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے خوف کھاتے ہوئے دعا کی۔

نواقض اسلام کے موضوع کا اہتمام:

نواقض اسلام کے موضوع کا قدیم وجدید علماء نے خوب اہتمام کیا ہے۔ اور یہ اہتمام اچھا بھی ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر ہی علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھیں، اور کتب فقہ میں "**باب حکم المرتد**" کے نام سے ایک مستقل باب بھی قائم کیا، جس میں نواقض اسلام اور اس میں واقع ہو جانے والوں کا ذکر کیا۔

علماء نے نواقض اسلام کی بہت ساری ایسی قسمیں بھی بیان کی ہیں، جسے انسان خاطر میں نہیں لاتا، ہر چند کہ انہوں نے نواقض اسلام کو جمع کیا اور اس کی وضاحت فرمائی، نیز اس کے مرتکب کا حکم بھی بیان فرمایا۔

[ضروریاتِ خمسہ؛ جن کی حفاظت واجب ہے وہ درج ذیل ہیں؛]

1 دین کی حفاظت: علمائے اسلام نے اس باب میں اس قدر اہتمام اس لئے کیا کیونکہ دین ان پانچ انسانی ضروریات میں سے **پہلی ضرورت** ہے جس کی حفاظت شرعاً واجب ہے، لہذا ان امور سے بچ کر دین کی حفاظت کی جائے اور اسلام سے خارج ہو جانے والے مرتدوں پر شرعی حکم کی تنفیذ کی جائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "**مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ**

فَاقْتُلُوهُ"[1] . جو اپنے دین؛ اسلام کو بدل کر کسی بھی دوسرے دین کو اختیار کرلے اس کو قتل کردو۔

اور ایک جگہ فرمایا: "لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ : النَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالْمَارِقُ مِنَ الدِّينِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ"[2]۔ کسی مسلمان کا خون جو کلمہ لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ماننے والا ہو حلال نہیں ہے البتہ تین صورتوں میں جائز ہے؛ جان کے بدلہ جان لینے والا، شادی شدہ ہو کر زنا کرنے والا، اور اسلام سے نکل جانے والا (مرتد)، جماعت کو چھوڑ دینے والا۔

۲ **دوسری ضرورت نفس کی حفاظت ہے:** اسی لئے اللہ نے قصاص کو مشروع کیا ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾ [البقرة:178] اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے۔

اور ایک جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة:179] عقلمندو! قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے اس کے باعث تم (قتل ناحق سے) رکو گے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں مومنوں کے جان کی حفاظت کا حکم دیا ہے؛ اسی لئے ظلم وزیادتی سے جانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے قصاص کو مشروع قرار دیا، اگرچہ قصاص میں بظاہر ایک جان کو قتل کیا جاتا ہے، مگر یہ انسانی زندگی کے بقاء کا سبب ہے، کیونکہ اس کے ذریعے ناحق قتل پر پابندی عائد ہوتی ہے، اور یوں لوگوں کے خون محفوظ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اگر قاتل کو یا قتل کا ارادہ رکھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ وہ بھی قصاصاً قتل کر دیا جائے گا تو وہ قتل کے اقدام سے

---

[1] صحیح البخاری: ۳۰۱۷۔

[2] صحیح البخاری: ۶۸۷۸، صحیح مسلم: ۱۶۷۶۔

باز آجائے گا اور اس طرح وہ اپنے آپ کو بچانے کے ساتھ اس کو بھی بچالے گا جس کو وہ قتل کرنا چاہتا تھا، اور یوں جان محفوظ ہوگئی۔

۳ **تیسری ضرورت عقل کی حفاظت ہے:** اللہ عزوجل نے انسان کو پیدا کیا، اور دوسری مخلوقات کے بہ نسبت اس کو عقل دے کر ممتاز کر دیا، تا کہ وہ فائدہ ونقصان، پاک وناپاک اور کفر وایمان کے درمیان فرق کر سکے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾[الاسراء: 70] یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی اور انھیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں۔

نیز فرمایا: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾[التین: 4] یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔

معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل نے انسان کو اسی عقل کی وجہ سے ممتاز کیا ہے، لہذا عقل کو خراب کر دینے والی نشہ آور چیزوں کا استعمال کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کوڑے مارنے کا حکم دیتا ہے، تا کہ اس کا عقل محفوظ رہے اس سے کھلواڑ نہ ہو۔

۴ **چوتھی ضرورت مال کی حفاظت ہے:** کیونکہ انسانی زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے مال کی بہت ضرورت ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مال زندگی کا حصہ ہے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾[النساء: 5] اور بے عقلوں کو اپنا مال نہ دے دو جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لیے سبب معیشت بنایا ہے۔

چنانچہ جو لوگوں کا مال چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، تا کہ لوگوں کا مال محفوظ رہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾[المائدۃ: 38] چوری کرنے والا مرد اور عورت

کے ہاتھ کو کاٹ دیا کرو یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا، اور اللہ کی طرف سے عذاب ہے، اللہ تعالیٰ قوت اور حکمت والا ہے۔

چوروں پر شرعی حد نافذ کرتے ہوئے اگر ان کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو وہ لوگوں کا مال ہتھیانے سے ڈریں گے، اور یوں لوگوں کا مال محفوظ ہوجائے گا، اسی لئے جن ملکوں میں حدود قائم کیے جاتے ہیں وہاں لوگ اپنی عزت، جان و مال کے سلسلے میں مطمئن ہیں، بنسبت اُن ملکوں کے جہاں حدود قائم نہیں کیے جاتے؛ تو وہاں اضطراب، خوف، درندگی وحیوانگی پنپتی رہتی ہے اور یہ معلوم شدہ چیز ہے۔

۵ **پانچویں ضرورت عزت ونسب کی حفاظت ہے:** نسب اور اَعراض کی حفاظت زنا کو حرام قرار دے کر، نیز زانی پر حدود قائم کر کے کیا گیا ہے، چنانچہ زانی اگر غیر شادی شدہ ہے تو سو (۱۰۰) کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر شادی شدہ ہو تو پتھروں سے مار کر سنگسار کر دیا جائے گا، ایسا اس لئے تاکہ نسب اختلاط سے محفوظ رہے، سو اقامتِ حدود سے یوں نسب کی حفاظت ہوتی ہے، اگر زانیوں پر حدود قائم نہ ہوں تو نسب مختلط ہو کر رہ جائے گا؛ یہ بھی معلوم نہ ہوسکے گا کہ کون کس کا لڑکا ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی عورت کئی مردوں سے جماع کرا چکی ہو جس کی وجہ سے معلوم ہی نہیں ہو کہ وہ کس مرد (کے نطفے) سے حاملہ ہوئی ہے۔ سو اس طرح وہ نسب ضائع ہوجائے گا جس کے ذریعہ انسان کی پہچان ہوتی ہے؛ کہ فلاں کس کی اولاد ہے اور اسی کی بنیاد پر احکام شرعیہ مرتب ہوتے ہیں، مثلاً محرمات (جن سے نکاح کرنا حرام ہے) اور میراث (کہ فلاں فلاں کا وارث ہے)، نیز اسی نسب کے ذریعہ ہی جانا جاتا کہ فلاں کا والد فلاں ہے، اور فلاں لوگ اس کے بھائی ہیں، فلاں اس کے چچا و ماموں ہیں یہ ان کے خالہ خالو ہیں، اور اس طرح آپسی رشتے لوگوں کے درمیان باقی رہیں۔

اور رہی بات حفظ الأعراض (عزت کی حفاظت) کی تو وہ حدِ قذف (تہمت کی حد) قائم کر کے حاصل ہوتا ہے، چنانچہ اگر کوئی کسی پر زنا کی تہمت لگاتے ہوئے کہے کہ 'فلاں زانی و زانیہ ہے، فلاں نے لواطت کا عمل کیا ہے' تو اس سے اس کے بات کی تصدیق کے لئے چار لوگوں کی گواہی طلب کی جائے گی، اگر وہ چار گواہ نہ لا سکے تو اس پر اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے اور اس کی عدالت بھی ساقط قرار پائے گی؛ وہ فاسق مانا جائے گا، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[النور: ۴، ۵] جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انھیں اسی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، یہ فاسق لوگ ہیں، ہاں جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔

یہ وہ پانچ ضروریاتِ زندگی ہیں جن کی حفاظت کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور اس پر سزا بھی مرتب کی ہے، **اور ان ضروریات خمسہ میں پہلا دین کی حفاظت ہے۔**

اور دین کی حفاظت تبھی ممکن ہے جب اپنے دامن ایمان کو اُن نواقضِ اسلام سے بچا لیا جائے جن کے ارتکاب سے انسان مرتد ہو کر دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا، اور نوبت یہاں تک پہونچ جاتی ہے کہ اسے جرمِ ارتداد میں قتل کر دیا جاتا ہے۔

اور "**الردة**": کسی چیز سے پلٹنے اور رجوع کرنے کو کہتے ہیں، سو مرتد وہ ہے جو اپنے دین سے کسی قول و فعل یا عقیدہ یا شک کی وجہ سے پھر جائے۔

انواع الردة کے اصول یہ ہیں: "قول، اعتقاد، فعل اور شک"۔ اور ان سے نواقضِ اسلام کی کئی قسمیں بنتی ہیں۔

بعض جاہل اور فتنہ پرور لوگ اسبابِ ارتداد کے متعلق گفتگو کو عجیب نگاہ سے دیکھتے ہیں، نیز اسبابِ ارتداد کی وضاحت کرنے والے کو تکفیری کہتے ہیں اور ان سے لوگوں کو دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

"**الردة بالقول**": سے مراد یہ ہے کہ کوئی غیر مُکرَہ مسلمان جان بوجھ کر یا ہنسی مذاق میں کفریہ یا شرکیہ کلمات کہہ بیٹھے، تو اس پر ارتداد (اسلام سے پھر جانے) کا حکم لگے گا، البتہ اگر کسی سے زبردستی کہلوایا گیا ہو تو اس پر یہ حکم نہیں لگے گا۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ﴾[التوبۃ: 74]
اور انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے بارے میں یہ کہا کہ: 'ہم نے ان قاریوں جیسا جھوٹا، پیٹو اور بزدل کسی کو نہیں دیکھا': ﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾[التوبۃ: 65.66] اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے، کہہ دیجئے کہ اللہ اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں، تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔

وہ لوگ مذکورہ قول کہہ کر جب فارغ ہو گئے، اور انہیں معلوم ہوا کہ اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں کی خبر وحی کے ذریعہ کر دی ہے، تو آئے بڑے معذرت خوانی کرنے اور کہنے لگے (اے اللہ کے رسول ﷺ!) ہم نے بس ہنسی مذاق، کھیل کود کے ذریعہ راہِ سفر کاٹنے کے لئے اس طرح کی باتیں کر دیں، مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی، ان کے سامنے تکرار کے ساتھ صرف ان آیات کی تلاوت فرماتے رہے: (قُلْ آبِاللّٰهِ

وَاٰیٰتِہٖ...)الآیۃ[1] ۔

یہ واقعہ اس بات پر دلیل ہے کہ غیر مُکرَہ شخص کفریہ کلمہ کہنے کی وجہ سے کافر ہوجاتا ہے، اگرچہ اس کا گمان ہو کہ وہ تو بس بطور ہنسی، مذاق کے کہا ہے۔

اس واقعہ میں اِس زمانے کے مرجئہ کا بھی رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: کفریہ کلمہ کے کہنے سے کوئی مرتد نہیں ہوتا ہے جب تک کہ وہ زبان سے کہی بات کو دل میں اعتقاد نہ بنالے۔

اوراسی طرح وہ لوگ جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں ان سے مدد مانگتے ہیں اور کسی مردے سے یہ کہتے ہیں کہ اے فلاں! میری مدد کر، اے فلاں! مجھے (فلاں فلاں مصیبت سے) بچالے، یا شیاطین وجن کو مدد کے لیے پکارتے ہیں یا کسی غائب اور دور رہنے والے (جو حاضر نہ ہو) کو پکارتے ہیں تاکہ وہ انہیں کسی مصیبت سے نجات دلادیں، سو جو بھی اللہ کے علاوہ کو مدد کے لیے پکارے، اس سے مدد طلب کرے (مردوں یا غائب سے) تو اس کی بھی تکفیر کی جائے گی، اسی طرح جو کفریہ کلمہ کہے وہ کافر ہے الا یہ کہ اسے کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا گیا ہو، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ [النحل: 106-107] جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو، مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لئے بہت بڑا عذاب ہے، یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل کے لئے دیکھیں: تفسیر ابن جریر الطبری: ۱۰/ ۱۹۵، ۱۹۶، تفسیر ابن أبی حاتم: ۱۰۵۴۰، اس روایت کو علامہ الوادعی نے حسن قرار دیا ہے، دیکھیں: الصحیح المسند من أسباب النزول: ۷۲۔

ایک اور جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ [آل عمران:28] مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حمایت میں نہیں، سوائے یہ کہ ان کے شر سے کس طرح بچاؤ مقصود ہو۔

یہ مُکرہ اور مجبور شخص کا معاملہ ہے، یعنی اگر اسے کفریہ کلمہ کہنے پر مجبور کیا جائے، اس پر زور زبردستی کی جائے، اور نہ کہنے پر قتل کی یا سخت سزا کی دھمکی دی جائے تو ایسی صورت میں مجرد زبان سے کفریہ کلمہ کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَن كَفَرَ بِاللَّهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [النحل:106] جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

یہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، مشرکین مکہ انہیں مختلف سزاؤں سے دوچار کرتے اور مجبور کرتے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کچھ غلط جملے کہیں، چنانچہ عمار رضی اللہ عنہ نے ان کی سزا سے چھٹکارا پانے کے لئے کچھ باتیں کہہ دیں جبکہ دل میں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی بغض تھا نہ ہی اسلام سے کوئی کراہیت، بلکہ ان کا دل ایمان پر مطمئن تھا، جب حالتِ مجبوری میں ان سے ایسا کہلوایا گیا، تو بھاگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہونچے، ندامت بھرے لہجہ میں سارا ماجرا کہہ سنایا، ان کی بات سن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: آپ اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟ فرمایا: اس کو ایمان کے ساتھ مطمئن پاتا ہوں، تو آپ نے فرمایا: ''اگر کفار تمہارے ساتھ دوبارہ ایسا کچھ کرنا چاہیں تو تم بھی

دوبارہ ایسا ہی کرو"[1]۔

● **اعتقادی کفر:** یہ ہے کہ انسان دل سے ایسا عقیدہ رکھے جو اسلام کے خلاف ہو، جیسے یہ عقیدہ رکھے کہ نماز واجب نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اہمیت ہے، یہ بس ایک چلن ہے۔

ہو بہو یہی سوچ منافقین کی تھی، لہذا جو ظاہری اعمال تو بجا لائے، زبان سے شہادتین کا اقرار بھی کرے، لیکن دل سے اس پر ایمان نہ رکھے، تو ایسا شخص کافر ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۝ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ﴾ [المنافقون:۱، ۲] تیرے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں، انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پس ان کے ذریعے سے (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روک رہے ہیں۔

اور ایک جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ﴾ [الفتح:11] یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

لہذا جو شخص دل سے کفریہ عقیدہ رکھے تو وہ کافر ہو جائے گا گرچہ کہ وہ کفریہ بات نہ کہے اور نہ کرے، اور اگرچہ بظاہر اس کے اقوال واعمال اچھے ہی کیوں نہ ہوں؛ کلمۂ شہادت کا اقرار کرنے والا، نماز قائم کرنے والا، صدقہ وخیرات اور جہاد کرنے والا ہی کیوں نہ ہو،

---

[1] مستدرک الحاکم: 3362، والسنن الکبریٰ للبیہقی: 17350، اس کی سند مرسلاً صحیح ہے: فتح الباری لابن حجر: 12/ 327۔ تنبیہ: مرسل ضعیف کی قسم ہے، لہذا اس روایت سے حجت پکڑنا درست نہیں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "فی ثبوت ھذا السیاق نظر وعلته الارسال" ((فقه السیرة: ۱۰۳))۔ البتہ یہ مفہوم قرآنی آیت کی روشنی میں درست ہے کہ: مُکرہ ومجبور شخص اگر اپنی جان بچانے کے لئے صرف زبان سے کفریہ کلمہ کہہ دے تو جائز ہے۔

اگراس کے دل میں شرعی احکام کی تکذیب پائی جاتی ہوتو ایسا شخص کافر ہے، اور یہی منافقین کا دین ودھرم رہا ہے، اور واضح رہے کہ منافقین اپنے اس دورُخی عقیدہ کی بنا پر جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور وہاں وہ اپنا کوئی مددگار نہ پائیں گے، حالانکہ منافقین نماز، روزہ کے پابند تھے، جہاد میں بھی شریک ہوتے، لیکن ان کے دلوں میں کفر کا بسیرا تھا، زبان سے جو کچھ کہتے، یا جوارح سے جو اعمال کرتے دل میں اس کا عقیدہ نہ رکھتے، اسی سبب وہ جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے۔

● **عملی کفر:** جیسے غیر اللہ کے لئے ذبیحہ پیش کرنا، لہٰذا جس نے بھی غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کیا وہ گویا دینِ اسلام سے نکل گیا اور مرتد ہوگیا، کیونکہ اس نے غیر اللہ کی عبادت کی، اور بلاشبہ ذبیحہ پیش کرنا ایک عبادت ہے، چنانچہ جب اس نے موجودہ زمانہ کے معبودانِ مشرکین؛ بت، قبر وغیرہ کی تعظیم میں جانور ذبح کیا، اگرچہ زبانی طور پر تعظیم کا دعویٰ نہ ہو، پھر بھی وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے مشرک ہوجائے گا، اگرچہ وہ نماز پڑھے، روزہ رکھے، حج کرے اور تلاوتِ قرآن کرے، کیونکہ اس نے اِس مشرکانہ عمل سے اپنے دین کو ڈھا دیا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

● **شکی کفر:** یہاں شک سے مراد ثابت شدہ کسی شرعی معاملہ میں تردد کرنا ہے، جس کے دل میں یہ شک گھر کر لے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو چیز لائے ہیں (یعنی قرآن و حدیث) کیا معلوم وہ صحیح ہے یا نہیں؟ یا موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا یا نہیں؟ جنت و جہنم ہے یا نہیں؟ تو اِس جیسے شک کی وجہ سے بھی انسان کافر ہوجائے گا، اگرچہ وہ نماز، روزہ اور دیگر دینی اعمال کا پابند ہو۔

جس کے پاس پختہ ایمان نہ ہو اور اس کے یہاں رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لائی ہوئی شریعت میں شک ہو، وہ کہتا ہو کہ: 'ممکن ہے یہ شریعت صحیح بھی ہو یا غیر صحیح بھی'، چنانچہ وہ اس شک کی

وجہ سے اسلام سے پھر جاتا ہے، مرتد ہو جاتا ہے، اگر چہ وہ کلمۂ شہادت کی گواہی دینے والا ہو۔ کیونکہ درحقیقت وہ کلمۂ شہادت کے معانی ومفاہیم سے نہ تو واقف ہے اور نہ ہی اس کا اعتقاد اس کے دل میں جاگزیں ہے۔

لیکن یہ بات واضح رہے کہ ہم لوگوں کے صرف ظاہری اعمال کا اعتبار کرتے ہیں، اور اسی کے مطابق حکم لگاتے ہیں، بندوں کے دلوں میں جو کچھ ہے اسے اللہ کے سپرد کرتے ہیں، کیونکہ دلوں میں جو یقین وشک، ایمان وکفر ہے اس کی حقیقت سے تو صرف اللہ واقف ہے۔

● اصول الردۃ مندرجہ ذیل ہیں:

① زور وزبردستی کے بغیر کفریہ اور شرکیہ کلمات کہنا۔

② کفریہ اور شرکیہ عقیدہ رکھنا۔

③ کفریہ وشرکیہ کام کرنا۔

④ دینِ اسلام اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں اس میں شک کرنا۔

لہذا مسلمانوں پر عموماً اور طالب علموں پر خصوصاً ان امور کا جاننا اور اہتمام کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ زمانہ شر وفتن اور شک وشبہات کی کثرت کا زمانہ ہے، علماء سوء کی کثرت کا زمانہ ہے، لہذا مسلمان پر واجب ہے کہ ان امور کے متعلق حصولِ علم کا اہتمام کریں، تا کہ وہ اپنے کو نواقضِ اسلام (دین سے خارج کرنے والے اعمال) سے بچا سکیں۔

● نواقض اسلام کو بنیاد بنا کر تکفیر کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں:

وہ لوگ جو افراط وتفریط کے شکار ہیں اور وہ جنہوں نے اس باب میں توسط کی راہ اختیار کی ہے۔

[ا] افراط کے شکار لوگ: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو کافر قرار دینے میں حد سے

بڑھے ہوئے ہیں، یہ لوگ بنا دیکھے، سمجھے اور صورت حال سے واقف ہوئے لوگوں کی تکفیر کرتے پھرتے ہیں۔فرقۂ خوارج کا طریقہ رہا ہے کہ وہ اسی کے سہارے خروج کی شروعات کرتے ہیں؛ عہدِ نبوی اور خلفاء راشدین نیز بعد کے زمانوں میں خوارج نے مسلمانوں کی عمومی تکفیر کر کے ہی خروج وبغاوت کی بلا عام کی۔

ہر چند خوارج مسلمانوں کی تکفیر میں حد درجہ غلو سے کام لیتے ہیں، ان کی جو بھی مخالفت کرے وہ اسے کافر قرار دینے اور اس کا خون حلال قرار دینے میں ذرا بھی تأمل نہیں کرتے۔

● **خوارج کے یہاں تین بنیادی اصول ہیں:**

① لوگوں کو ان کبیرہ گناہ کی بنیاد پر بھی کافر قرار دینا جو شرک کے علاوہ ہیں۔

② مسلم حکمران کے خلاف خروج کرنا اور ان کی اطاعت سے روگردانی کرنا۔

③ مسلمانوں کے خون کو جائز سمجھنا۔

اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان خوارج نے ظاہر پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے صرف اُن نصوص کو لیا ہوا ہے جن سے بظاہر کفر وشرک کا حکم لگتا ہے، اور ان نصوص کو چھوڑ دیا ہے جن کو جمع کرنے سے ظاہری نصوص کی تفسیر وتوضیح ہوتی ہے۔

حالانکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ کفر کی دو قسمیں ہیں: کفر اکبر، کفر اصغر۔اور اسی طرح شرک کی بھی دو قسمیں ہیں: شرک اکبر اور شرک اصغر۔

شرک اکبر اور کفر اکبر کی وجہ سے انسان دین سے نکل جاتا ہے اور اپنے اسلام کو ڈھا دیتا ہے۔

شرک اصغر و کفر اصغر کی وجہ سے انسان دین اسلام سے تو نہیں نکلتا لیکن اسکے اسلام و ایمان میں کمی ضرور واقع ہو جاتی ہے۔

لیکن خوارج دونوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے؛ ان کے نزدیک کفر اصغر اور

شرک اصغر جیسی کوئی تقسیم نہیں، ان کے یہاں کفر اور شرک دونوں بلا کسی تفریق و تقسیم کے ایک ہی چیز ہے، یعنی دونوں کا مرتکب دین سے خارج ہے۔

یہ کھلی گمراہی ان کے یہاں اس لئے پیدا ہوئی کیونکہ انہوں نے ان امور میں تفصیلی نصوص کو چھوڑ کر ظاہری نصوص پر اکتفا کرلیا، اور یہ سب کچھ ان کے یہاں کج فہمی، دین کی عدم معرفت، پختہ علم نہ ہونے کے سبب پیدا ہوا۔

چنانچہ وہ لوگوں کی تکفیر کرنے لگے اور بغیر کچھ سوچے سمجھے کفر کا حکم لگانے میں مبالغہ سے کام لینے لگے، نصوص شرعیہ کو من مانی ان جگہوں پر فٹ کرنا شروع کردیا جہاں فٹ کیا جانا درست نہیں، کیونکہ ان کے یہاں دین کا صحیح فقہ نہیں، وہ تو بس الفاظ کے پیچھے بھاگنے والے لکیر کے فقیر ہیں، نصوص کا صحیح معنی ومفہوم کہاں سمجھتے، اس کے باوجود بڑی جرأت کے ساتھ لوگوں پر ان ظاہری نصوص کے احکام کو جڑتے رہتے ہیں۔

انہیں کو خوارج کہتے ہیں اور افسوس کی اب تک ان کے ورثاء موجود ہیں۔

ان کا معاملہ مسلمانوں کی تکفیر تک نہیں رکتا بلکہ ان کے نزدیک ان علاوہ تمام مسلمانوں کا خون حلال ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آج کے موجودہ مسلمان سب کے سب - نعوذ باللہ- کافر ہیں، اس لئے ان کا خون حلال ہے۔

یاد رکھئے کہ! خوارج کے ورثاء و متبعین آج بھی ہمارے درمیان جہلاء، متعالمین اور جذباتی نوجوانوں کے لباس میں موجود ہیں۔

۲ **تفریط کے شکار لوگ:** یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں مرجئہ کہا جاتا ہے، ان کا کہنا ہے کہ: ایمان صرف دل میں ہوتا ہے، ایمان کی تعریف میں عمل داخل نہیں ہے۔

اور بعض مرجئہ کہتے ہیں: ایمان تو قلبی ہوتا ہے اس میں نہ تو عمل داخل ہے اور نہ ہی قول، لہذا کلمہ گو شخص جو چاہے عمل کرے وہ کافر نہیں ہوگا۔ نیز ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ: ایمان کی

موجودگی میں معصیت و برائی کچھ نقصان دہ نہیں اور کفر کی موجودگی میں اطاعت وفرمانبرداری کچھ فائدہ مند نہیں۔ یہی ان کے عقیدہ کی بنیاد ہے، انہوں نے صرف ان نصوص کو لیا ہوا ہے جن میں مغفرت ورحمت کا وعدہ کیا گیا ہے اور ان نصوص کو چھوڑ دیا جن میں کفر وشرک، گناہ اور برائیوں سے ڈرایا گیا ہے، گویا انہوں نے صرف وعدوں والے نصوص کو لے کر تمناؤں اور آرزوں کی زندگی جینا شروع کردی۔

خوارج نے وعید کے نصوص کو لے لیا اور وعدہ اور رحمت وامید کے نصوص کو ترک کردیا، چنانچہ وہ خوف کے پہلو کو اختیار کر کے لوگوں کو ڈرانے میں شدت سے کام لینے لگے، اور یوں ان کے یہاں فاسد مذہب کی وجہ سے لوگوں کی تکفیر، اور استحلالِ دم ومال کا پہلو غالب ہوگیا۔

۳ **متوسط حضرات:** یہ اہل سنت والجماعت ہیں، جو مذہب خوارج اور مذہب مرجئہ کے درمیان ہیں، اہلِ سنت تمام نصوصِ شرعیہ کو جمع کرنے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ: قرآن وسنت میں کفر کی دو قسمیں ہیں؛ کفر اکبر، کفر اصغر، اور شرک اکبر وشرک اصغر۔

چنانچہ اہل سنت شرک اکبر اور کفر اکبر کے علاوہ کسی اور گناہ کی وجہ سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔

واضح رہے کہ شرک اکبر وکفر اکبر ہی ملت اسلامیہ سے نکالنے والے گناہ ہیں، جبکہ شرک اصغر وکفر اصغر دونوں ملت سے خارج نہیں کرتے، حالانکہ خوارج کہتے ہیں کہ یہ دونوں بھی ملت سے خارج کردیتے ہیں۔

ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مذکورہ دونوں قسم کے گناہ (کفر اصغر، شرکِ اصغر) ایمان کو کم کردیتے ہیں، حالانکہ مرجئہ کا کہنا ہے کہ ایمان کم وزیادہ نہیں ہوتا ہے۔

سو یہ دونوں فرقے غلط راہ پر ہیں، صرف اہل سنت والجماعت وسط اور حق پر ہیں، کیونکہ

انہوں نے وعد و وعید اور خوف و رجاء دونوں طرح کے نصوص کو جمع کیا، صرف رجاء و امید پر مبنی نصوص کو نہیں لیا جیسا کہ مرجئہ نے کیا اور نہ ہی صرف خوف وعید پر مبنی نصوص کو لیا جیسا کہ خوارج نے کیا۔

چنانچہ جو کوئی اللہ کی عبادت صرف خوف کی وجہ سے کرے وہ خارجی ہے، اور جو اللہ کی عبادت صرف امید و رجاء کی وجہ سے کرے وہ مرجئ ہے، اور جو اللہ کی عبادت صرف محبت کی وجہ سے کرے وہ صوفی ہے، اور جو اللہ کی عبادت خوف، رجاء، محبت اور رغبت و رھبت کی وجہ سے کرے وہ توحید پرست سنی ہے۔

اس عظیم مسئلہ میں مذکورہ تفصیل کو سامنے رکھنا ازحد ضروری ہے۔

چنانچہ نواقضِ اسلام کے متعلق علم رکھنا بڑا اہم ہے، تاکہ انسان صاحبِ بصیرت ہو سکے، اور خوارج و مرجئہ کے منہج و عقیدہ سے بچ کر اہل سنت والجماعت کا ساتھ اختیار کرے جو تمام نصوص کو جمع کر کے کتاب و سنت کی صحیح راہ اختیار کرتے ہیں، ان کا عمل اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے عین مطابق ہوتا ہے: ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ [آل عمران: 7] وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں، پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لئے، حالانکہ ان کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

جن کے دلوں میں کجی ہے ان میں سے خوارج اور مرجئہ بھی ہیں، انہوں نے متشابہ آیتوں

کو لے لیا اور اس کو محکم آیتوں کی طرف نہیں لوٹایا (جبکہ متشابہ کو محکم کی طرف لوٹانا ضروری ہے)، کیونکہ قرآنِ کریم کی بعض آیتیں بعض آیتوں کی تفسیر وتوضیح کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اہل سنت جو علم میں مضبوط ہیں انہوں نے دونوں طرح کی باتوں کو تسلیم کیا اور پھر متشابہ کو محکم کی طرف لوٹا دیا، اور متشابہ آیتوں کی تفسیر محکم آیات سے کی، سو یہی ہدایت یافتہ جماعت ہے ،اس کو لازم پکڑ لیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ [آل عمران: 7] جو علم میں راسخ ومضبوط ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ: ہم تو ان پر ایمان لاچکے ہیں یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔

ہمارے رب کی طرف سے ہیں؛ یہاں اس سے مراد محکم ومتشابہ دونوں طرح کی آیات ہیں، چنانچہ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔

اور چونکہ اللہ کا کلام آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام، اسی لئے اہلِ سنت نے دونوں طرح کے نصوص کے مابین جمع وتطبیق کی صورت نکالی، ایک کی دوسرے کے ساتھ تفسیر وتوضیح کی، نیز ایک کو دوسرے کے ساتھ مقید کیا، یہی راسخین فی العلم کا طریقہ رہا ہے۔

جبکہ گمراہ فرقوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بس متشابہ آیتوں کو لے اڑتے ہیں، محکم کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے، یہی وجہ ہے خوارج نے متشابہات میں صرف وہی آیتیں لیں جو وعید پر مبنی تھیں، اور مرجئہ نے صرف امید ورجا اور وعدوں کے آتیں اختیار کی، اور اس طرح سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔

لہذا مسلمانوں پر دو طرح سے فتنے کا ڈر ہے:

① نواقض اسلام سے متعلق مذکورہ تفصیلی امور سے جہالت، اور عدم تعلم، نیز حق وباطل

میں تمیز نہ کرنے کی وجہ سے لاحق ہونے والا فتنہ۔

② دینی امور میں بغیر علم کے فتویٰ بازی، اور اس کی وجہ سے لاحق ہونے والا فتنہ۔

یہی وجہ ہے آج کے کم علم حضرات عقائد کے بڑے بڑے مسائل میں پوری جرأت سے کلام کرتے دیکھائی دیتے ہیں، اور فتوی بازی کرتے ہوئے لوگوں پر جہالت وضلالت کا حکم بھی لگاتے پھرتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

لہذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اہلِ حق کے راستے پر چلیں، لیکن یاد رہے کہ اس راستہ پر چلنا تفقہ فی الدین اور دینی تعلیم کے بغیر ممکن نہیں۔ سو انہیں چاہئے کہ وہ صرف قرآن و حدیث کے نصوص حفظ کرنے پر اکتفا نہ کریں؛ دیکھا جاتا ہے کہ بعض حضرات صحیح بخاری و مسلم کے ساتھ ساتھ کتب سنن کو بھی حفظ کر لیتے ہیں، حالانکہ اس کے معنی ومفہوم کو نہیں سمجھتے اور نہ ہی وہ اس کی صحیح تفسیر وتوضیح جانتے ہیں، بلکہ بعض دفعہ خود سے اس کی تفسیر کرنے لگتے ہیں یا خوارج ومرجئہ جیسے گمراہ فرقوں سے اس کی تفسیر لیتے ہیں، اور یہ بہت خطرناک امر ہے۔

ذہن نشین رہے کہ علم مجرد حفظ کا نام نہیں ہے، بلکہ حفظ کے ساتھ اس کے معنی ومفہوم کی سمجھ ومعرفت کا نام علم ہے۔

حصولِ علم کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ حفظ استاذ کی نگرانی میں ہو، اور علم علماء کے پاس بیٹھ کر حاصل کیا جائے، اس طریقہ سے حاصل کردہ علم کو ہی صحیح علم اور صحیح فقہ کہتے ہیں، لہذا ہم پر واجب ہے کہ ان امور کا حد درجہ اہتمام کریں، تاکہ ہم اپنے کو ان گمراہ فرقوں کی طرح گمراہی میں واقع ہونے سے بچا سکیں، جن کا رات دن کا مشغلہ تبدیع، تفسیق اور تضلیل بن چکا ہے، اور وہ بھی بغیر علم وبصیرت کے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم۔

سو معلوم ہوا کہ یہ بڑا عظیم پہلو ہے جس کا اہتمام ہم پر واجب ہے، اور ہر لمحہ ان امور سے چوکنا رہنا بھی ضروری ہے، ہمیں معانی ومفاہیم سمجھے بغیر صرف کتابوں کے مطالعہ یا متن کے

حفظ پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ہمیں چاہئے کہ دینی احکام کا تفصیلی علم علماء کے پاس بیٹھ کر حاصل کریں، (اور علماء سے رہنمائی حاصل کئے بغیر کوئی بھی قدم نہ اٹھائیں) کیونکہ خوارج اسی وجہ سے گمراہ ہوئے، جب انہوں نے نصوص کے حفظ کا تو خوب اہتمام کیا لیکن علماء کی رہنمائی میں صحیح علم اور فقہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کی۔

اسی لیے امام ابن القیم رحمہ اللہ ان کے بارے میں کہتے تھے:

ولهم نصوص قصروا في فهمها

فأتوا من التقصير في العرفان

ان کے پاس کچھ نصوص ہیں جن کو وہ سمجھنے سے قاصر ہیں، پس وہ حقیقی علم وعرفان کو پانے میں کوتاہی کے شکار ہیں۔

خوارج کے پاس قرآن وحدیث کے نصوص تو ہیں اور ان کے یہاں حفظ کا اہتمام بھی ہے، لیکن وہ اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جی ہاں ان کے پاس نصوص ہیں، انہیں وہ حفظ بھی ہیں، دن ورات اسے پڑھتے بھی ہیں، راتوں کو نماز ادا کرتے ہیں، دن بھر روزے رکھتے ہیں، لیکن ان کے پاس ذرہ برابر بھی دین کی سمجھ نہیں، اسی لئے وہ گمراہ ہوگئے، لہذا دین کی سمجھ عظیم امر ہے اور یہاں فقہ فی الدین سے مراد قرآن وحدیث کے نصوص کو صحیح طریقہ سے سمجھنا ہے۔

چنانچہ کون سی دوا کس چیز سے مل کر بنی ہے اور کس کام میں آتی ہے سب سے پہلے اس کی معرفت ضروری ہے، پھر کس وجہ سے بیماری مریض کو لاحق ہوئی ہے اس کو جاننا ضروری ہے، پھر مریض کو وہ دوا دی جائے جو اس کے لیے مناسب وموزوں ہو، پس اگر دوا مرض کے موافق رہی تو اللہ کے حکم سے شفا یابی مل جائے گی اور اگر دوا مرض کے موافق نہ ٹھہری تو الٹا نقصان کردے گی، اسی طرح عالم بھی مریض کے معاملہ میں ڈاکٹر ہی کی طرح ہے، چنانچہ

اسے بھی درج ذیل دو چیزوں کی معرفت ضروری ہے؛

① کس بیماری میں کونسی دوا دینی ہے اس کی معرفت ہو۔

② اور یہ بھی معلوم ہو کہ ہر مریض کو وہی دوا دینی ہے جو اس کے لئے مناسب ہو۔

لہذا عالم کو چاہئے کہ وہ ہر مریض کو وہی دوا دے جو اس کے لئے مناسب ہو، غور کرنے پر یہ مثال صحیح معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ ذمہ داری فقہ وبصیرت کی محتاج ہے، جبکہ آج کل ہمارے بھائیوں کا حال یہ ہے کہ وہ پیش آمدہ معاملات وحوادث میں خود کو علماء سے زیادہ سمجھنے والا خیال کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ بھی خوارج کی راہ پر چل پڑے ہیں، **لاحول ولاقوة الا بالله۔**

حتی کہ خوارج صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی تکفیر سے باز نہ آئے، اورانہوں نے یہ سمجھ لیا کہ صحابہ راہِ حق پر نہ تھے، نیز یہ الزام بھی لگا ڈالا کہ صحابہ کرام۔ نعوذ باللہ۔ دین کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے تھے، اور نہ ان کے یہاں اللہ کے لئے کوئی غیرت تھی۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا:

والجهل داءٌ قاتل وشفاؤه

أمران في التركيبِ متفقانِ

نص من القرآن أ و من سنة

وطبيبٌ ذاک العالمُ الرباني

جہالت مہلک بیماری ہے اوراس کی شفایابی دو چیزوں میں ہے؛ قرآن وسنت کے دلائل سے، اور کسی عالم ربانی کی رہنمائی سے۔

یقیناً خطرہ آج کل بڑا سنگین رخ اختیار کرتا چلا جارہا ہے، البتہ جو کچھ خیر باقی ہے ہم اس پر اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں؛ الحمد للہ نوجوانوں کا ایک طبقہ دین کی طرف متوجہ ہے، اور وہ

بیدار بھی ہے، صحیح دین کی تلاش میں ہے، جیسا کہ وہ خود بھی کہتے ہیں، لیکن اگر ان کی بروقت صحیح رہنمائی نہ ہوئی تو وہ گمرہی کے راہ پر چلے جائیں گے، لہذا ضروری ہے کہ ان کی رہنمائی کی جائے اور ان کی اصلاح کی جائے اور اللہ کے دین کے ذریعے ان کو مضبوط کیا جائے ، تا کہ ان کی بیداری علم وبصیرت ، اور فقہ پر قائم رہے، ورنہ علم وبصیرت سے خالی بیداری ۔اگر اس کی خطرنا کی سے وہ آگاہ نہ ہوں، اور مسلم نوجوان جو ہمارے دینی بھائی ہیں ان کی بروقت صحیح رہنمائی نہ ہوسکی تو ۔مسلمانوں کے لئے ہی نقصان دہ بن جائے گی۔

والحمدللہ و صلى الله على نبينا محمد و آله و صحبه أجمعين.

سوالات وجوابات

سوال: کیا نواقض اسلام اور نواقض ایمان کے مابین کچھ فرق ہے؟

جواب: دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ صحیح قول کے مطابق نواقضِ اسلام ہی نواقض ایمان ہے، لیکن بسا اوقات انسان زبانی طور سے تو مسلمان ہوتا ہے مگر وہ باطنی اعتبار سے منافق ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ﴾ [التوبۃ: 74] یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے ہیں۔

اور مزید ان کے بارے میں فرمایا: ﴿لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ [التوبۃ: 66] تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم ایمان لانے کے بعد کفر کر بیٹھے ہو۔

سوال: وہ شخص جو اِن نواقضِ اسلام سے ناواقف ہو، کیا اسے کو معذور سمجھا جائے گا؟

جواب: جہل کئی طرح کا ہوتا ہے؛ اگر جاہل ایسا ہو کہ اس کے لئے علم سیکھنا محال و ناممکن ہو تو وہ اس وقت تک معذور ہوگا جب تک کہ وہ کسی ایسے شخص کو نہ پالے جو اسے دین سکھلا دے، مثلاً وہ مسلمانوں سے الگ تھلگ، غیر اسلامی ملک میں کسی ایسی جگہ زندگی گزار رہا ہو جہاں صرف کافر ہی ہوں (اور وہ مسلمانوں تک سفر نہ کر پاتا ہو نہ ہی کوئی مسلمان وہاں جاتا ہو) تو ایسے شخص کی جہالت کا عذر قبول ہے، مگر وہ شخص جو مسلم ملک میں مسلمانوں کے درمیان رہتا ہو اور قرآن وحدیث اور اہل علم کے کلام کو سنتا ہو، تو ایسے شخص کی جہالت کا عذر قابل قبول نہیں، کیونکہ اس تک حجت پہونچ گئی ہے مگر اس نے اس کی پرواہ کی نہ اس کا اہتمام کیا، بلکہ الٹا یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ یہ تو وہابیوں کا دین ہے یا نجدیوں کا دین ہے یا یہ فلاں وفلاں کا دین ہے جیسا کہ بعض لوگ عقیدۂ توحید سے متعلق کہتے ہیں کہ یہ **ابن عبد**

الوھاب کا دین ہے، جبکہ **ابن عبدالوھاب رحمہ اللہ** نے اپنی طرف سے کوئی نئی چیز نہیں پیش کی، جو کچھ امت کے سامنے پیش کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی دین تھا، ان کی وہی دعوت تھی جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت تھی، اس کے باوجود لوگ ان کی طرف دین کی نسبت کرکے کہتے ہیں کہ یہ وہابیوں کا دین ہے، یہ وہابی دین ہے، یا کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ خوارج کا دین ہے، نعوذ باللہ! موحدین کو خوارج کا نام دیتے ہیں۔

تو کیا اس قسم کے لوگ جہالت کی وجہ سے معذور ہیں؟ (نہیں ہرگز نہیں) یہ تو تکبر و گھمنڈ کرنے والے ہیں، جہالت کی وجہ سے معذور نہیں ہیں، اور نہ ہی انہیں معذور سمجھا جائے گا۔

سوال: جس کسی نے نواقضِ اسلام میں سے کسی امر کا ارتکاب کیا پھر اس نے اس سے توبہ کر لی تو کیا اس کی توبہ قبول ہوگی؟

جواب: جی ہاں، اگر وہ صدق دل سے توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا (ان شاء اللہ)، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام گنہگاروں، مرتدین وغیرہ کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ﴾ [طٰہٰ:82] ہاں بیشک میں انھیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں اور راہ راست پر بھی رہیں۔

اور ایک جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ [الزمر:53] (میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش، بڑی رحمت والا ہے۔

ایک جگہ اور فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ

تَوْبَتُهُمْ ﴾[آل عمران:90] بیشک جولوگ اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کریں پھر کفر میں بڑھ جائیں ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔

نیز فرمایا: ﴿وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾[البقرة:217] اور تم میں سے جولوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں، ان کے اعمال دنیاوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے، یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہیں گے۔

یہ مذکورہ آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ جو توبہ کرنے کے بعد مسلمان ہو کر مرا تو اللہ اسے بخش دے گا، اللہ تعالیٰ مرتد اور دیگر گنہگاروں کی توبہ کو قبول فرمانے والا ہے، بشرطیکہ وہ اللہ کے حضور صدق دل سے اپنے گناہ کی معافی مانگیں۔

سوال: کیا عقیدے میں شک داخل ہوسکتا ہے؟

جواب: شک اور اعتقاد میں فرق ہے، اعتقاد میں کسی طرح کے تردد کی گنجائش نہیں ہوتی ،جبکہ شک میں تردد پایا جاتا ہے۔

سوال: علماء کرام رحمھم اللہ نے دس سے زائد نواقضِ اسلام بیان کئے ہیں، پھر شیخ الاسلام محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ نے صرف دس ہی نواقض اسلام کیوں بیان کیا ہے؟

جواب: شیخ نے بس اہم اہم کو بیان کیا ہے، انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اس کے علاوہ نواقض اسلام نہیں ہیں، بلکہ یہ کہا ہے کہ یہ اہم نواقض ہیں ورنہ نواقض اسلام تو بہت ہیں۔

سوال: کیا کفر اور شرک میں کوئی فرق ہے؟

جواب: جی ہاں فرق ہے، کفر شرک سے عام ہے، اس لیے کہ کافر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا جان بوجھ کر انکار کرنے والا ہوتا ہے، اور رب پر ایمان نہیں رکھتا، جیسے فرعون، معطلہ اور دہریہ

(لبرل کمیونسٹ، ملحد)، اور مشرک تو رب پر ایمان رکھتا ہے لیکن رب کے ساتھ دوسروں کو بھی عبادت میں شریک کرتا ہے۔ گویا کفر اور شرک میں عموم وخصوص کی نسبت ہے۔

سوال: موانعِ تکفیر کی معرفت کی اہمیت کیا ہے اور اس باب میں افضل کتاب کون سی ہے؟

جواب: انسان پر واجب ہے کہ وہ امورِ تکفیر کی معرفت حاصل کرے، تاکہ جن امور کی بنیاد پر تکفیر نہیں کی جاتی ان کی وجہ سے کسی کی تکفیر سے باز رہے۔

رہی بات افضل ترین کتاب کی تو اس باب میں افضل کتاب یہی رسالہ ہے جس کو شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے لکھا ہے، جس کا ہم فی الحال شرح کر رہے ہیں، افضل اس لئے ہے کہ یہ مختصر اور جامع رسالہ ہے۔ ہر مذہب کی فقہی کتابوں میں بھی نواقض اسلام کا بیان مخصوص ابواب میں موجود ہے۔

سوال: تمسخر ومذاق کے طور پر کفر کو بیان کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: تمسخر ومذاق کے طور پر بھی کفر کو بیان کرنا جائز نہیں ہے، رہی بات مجرد نقل کی تو کفر کو نقل کرنے والا کافر نہیں اور نہ کفر کو بطور حکایت بیان کرنے والے کی تکفیر کی جائے گی، مگر جو شخص کفر کو ہنسی مذاق کے طور پر نقل کرے، یعنی لوگوں کو ہنسانے کے لیے تو یہ بڑا خطرناک امر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو کافر قرار دیا جنہوں نے کھیل کود، ہنسی مذاق کے طور پر کفریہ بات کر ڈالی تھی۔ جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے۔

سوال: جب کسی نے نواقض اسلام میں سے کسی ناقض کا ارتکاب کیا (اسلام کو ڈھا دینے والا کوئی کام کیا) تو کیا ہر دیکھنے والا یا اس کو جاننے والا اس پر کفر کا حکم لگائے گا یا صرف علماء ہی حکم لگائیں گے؟

جواب: جس کسی سے بھی ناقض اسلام کا ارتکاب ہوا ہو، سب سے پہلے اس کے بارے میں توثیق کریں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس کفریہ کام سے انجان اور لاعلم ہو، اور کبھی ہوسکتا ہے

وہ بہت مجبور ہوکر کفریہ کام کیا ہواور یا کبھی کچھ اور عذر ہو(تو ایسی صورت میں اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی)، البتہ جب ظاہر اور ثابت ہو جائے کہ اس کے پاس کوئی عذر نہیں ہے اور نہ ہی وہ لاعلم و جاہل ہے تو اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا (اور یہ کام علماء ہی کر سکتے ہیں)۔

سوال: مجبوری کی کیا حد ہے کہ انسان کفریہ کام کرنے کے باوجود مرتد نہیں ہوتا ہے؟ اور کیا مجبوری کی کچھ قسمیں ہیں؟

جواب: مختلف حالات کے اعتبار سے مجبوری ہوتی ہے، کبھی انسان کسی چیز میں مجبور ہوتا ہے جبکہ دوسری چیز میں مجبور نہیں ہوتا، کیونکہ مجبوری حالات ومکان کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، لیکن وہ مجبوری جس کی وجہ سے انسان (کفریہ بات کہنے پر) معذور سمجھا جاتا ہے وہ ہے جس سے اپنی جان بچانا ممکن نہ ہو یا قتل ہونے سے چھٹکارا پانا ممکن نہ ہو یا شدید مار سے بچاؤ ممکن نہ ہو تو آدمی اتنا ہی کفریہ کلمہ کہہ سکتا ہے جتنا اس سے مطالبہ کیا جائے، مثلاً کفریہ کلمہ کہے بغیر ظالم کی پکڑ سے بچنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں کہہ سکتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ﴿مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡ بَعۡدِ إِيمَانِهِۦٓ إِلَّا مَنۡ أُكۡرِهَ وَقَلۡبُهُۥ مُطۡمَئِنُّۢ بِالۡإِيمَانِ﴾[النحل:106] **جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔**

سوال: علماء بیان کرتے ہیں کہ کسی خاص شخص پر مجرد کفر میں واقع ہونے کی وجہ سے کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا الا یہ کہ تکفیر کے شروط مکمل ہو جائیں، اور موانع تکفیر ختم ہو جائیں، نیز حجت بھی اس پر پوری کر دی گئی ہو، تب اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا ورنہ نہیں، تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

جواب: جی ہاں یہ صحیح ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ حجت قائم ہو جائے، یعنی قرآن کریم کی تعلیم اس تک اس طور پہنچ گئی ہو کہ اگر وہ سمجھنا چاہے تو سمجھ لے۔

سوال: اس زمانے میں ہم لیبرل حضرات کا دعوٰی سنتے ہیں کہ دینی احکام اورحکومت وسیاست ایک دوسرے سے الگ ہے،تو کیا اس طرح کا عقیدہ رکھنے والے یہ لیبرل و کمیونسٹ حضرات مرتد ہیں؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ موجودہ زمانے کے الحادی مذاہب والے مرتد ہیں، جیسے: علمانی، حداثی، قومی، شیوعی، کیونکہ یہ سارے نظریے اسلام کے خلاف ہیں۔

سوال: کوئی شخص اگر دوسرے سے بطور مذاق یہ کہے کہ''آپ غیب کو جانتے ہو''،تو کیا یہ ارتداد؟ اور کیا اس پر مرتد کا حکم لگایا جائے گا؟

جواب: اگر اس کا مقصد صرف مذاق ہو یا اس کی مراد یہ ہو کہ'' آپ ذہین وفطین ہیں'' تو یہ کوئی نقصان دہ نہیں، اور نہ ہی وہ مرتد ہوگا، اس لیے کہ اس نے یہ عقیدہ رکھا ہی نہیں کہ فلاں عالم الغیب ہے، ہاں اگر ایسا عقیدہ رکھے تو وہ مرتد ہوجائے گا۔

سوال: جو کوئی مسلمان اللہ کے دین کو گالی دے یا غصہ کی حالت میں کفریہ عمل کرے تو کیا اس کی تکفیر کی جائے گی؟

جواب: جب انسان کا غصہ اس حد تک پہونچ جائے کہ اس کے منہ سے جو نکل رہا ہے وہ اس کے شعور سے باہر ہو تو اس کا کوئی مؤاخذہ نہیں ہے، اس لیے کہ وہ مجنون (پاگل) کے درجے میں ہے، ہاں اگر اس کا غصہ اس حد تک نہ پہونچا ہو (بلکہ وہ جو کچھ بولتا ہوا سے سمجھتا ہو) تو اس کا مؤاخذہ ہوگا، لہذا وہ اپنی بیوی کو طلاق دے، یا کفریہ وشرکیہ بات کرے، تو جو وہ کہتا ہے اس کا وہی حکم اس پر لگایا جائے گا۔

سوال: ایک مسلمان کفریہ بات کہہ کے فوراً توبہ کرلیا تو کیا اس پر غسلِ اسلام بھی ضروری ہے؟

جواب: جب وہ اللہ کی طرف لوٹ آئے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرلے اور سچی توبہ

کرلے تو اس پر غسل ضروری نہیں ہے، لیکن اصلی کافر (پہلے سے کافر شخص) توبہ کر کے اسلام قبول کرلے تو اس کے بارے میں بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ غسل کرے گا، جبکہ جمہور کا خیال ہے کہ اسے غسل کا حکم نہیں دیا جائے گا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بہتوں نے اسلام قبول کیا مگر ان کو غسل کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا۔

اور بعض کا قول ہے کہ مرتد ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس وجہ سے کہ مرتد کے (سابقہ) اعمال باطل ہوجاتے ہیں گرچہ کہ وہ مرتد ہوکر دوبارہ توبہ کر کے اسلام قبول کرلے، لہذا جب وہ توبہ کرے گا تو اب نئے سرے سے (سب اعمال) شروع کرے گا، یہ بعض علماء کا قول ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ مرتد ہونے کے بعد توبہ کرنے سے اس کے (سابقہ) اعمال برباد نہیں ہوتے ہیں بلکہ اسے نیک اعمال کا ثواب مل جاتا ہے، چنانچہ اس کا وضو بھی باقی رہے گا، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس کا وضو کرنا نیک عمل ہے اور یہ عمل اسی کی طرف لوٹتا ہے، (لہذا جب عمل صالح باقی رہے گا تو وضو بھی نیک عمل ہے سو وہ بھی باقی رہے گا) اور **یہی صحیح قول ہے**، اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿مَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾ [البقرۃ:217] اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس کی وفات حالتِ کفر میں نہ ہوئی ہو، بلکہ اس نے (موت سے قبل) توبہ کرلیا ہو تو اس کے سابقہ اعمال برباد نہ ہوں گے، واللہ اعلم بالصواب۔

❁❁❁

دوسرا درس؛ ناقضِ اول کی شرح

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے فرمایا:

’’جان لیں کہ نواقض اسلام دس ہیں (یعنی اسلام کو ڈھا دینے والے امور دس ہیں)؛

پہلا: اللہ کی عبادت میں شرک کرنا۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [النساء: 48] یقیناً اللہ تعالی اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔

اور فرمایا: ﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ [المائدۃ:72] یقین مانو! کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

اور اِسی شرک ہی کے قبیل سے غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا بھی ہے۔ جیسے: کوئی کسی جن یا صاحبِ قبر کے لیے ذبح کرے، واضح رہے کہ سب سے مشہور ترین شرک اللہ کی عبادت میں شرک کرنا ہے‘‘۔

شرح:

الحمدلله رب العالمين وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين أمابعد!

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس، اور مال و دولت سے کہیں زیادہ اپنے دین کے متعلق ڈرے۔

مگر اپنے دین کے بارے میں کس چیز سے ڈرے؟

جواب: انسان پر ان شکوک وشبہات اور فتنوں سے ڈرنا واجب ہے جو اس کے ایمان پر لاحق ہونے والے ہیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "**بادِرُوا بالأعْمالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ المُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كافِرًا، أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيا**"۔ نیک عمل کرنے میں جلدی کرو، کیونکہ عنقریب ایسے فتنے رونما ہوں گے جو تاریک رات کے حصوں کی طرح (چھا جانے والے) ہوں گے، ان فتنوں بھرے ماحول میں صبح کو آدمی مومن ہوگا تو شام کو کافر، یا شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر، اپنا دین وایمان دنیا کے چند کوڑیوں کے عوض بیچتا پھرے گا"[1]۔

مسلمان جب تک بقید حیات ہے اس کا فتنوں سے سامنا ہوتا رہے گا، اور دین سے پھیر دینے والے امور بھی پیش آتے رہیں گے، اسی لیے مؤحدوں کے امام ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ [ابراہیم: ۳۵،۳۶] **اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اسے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا، اے میرے پالنے والے معبود! انہوں نے بہت سے لوگوں کو راہ (حق) سے بھٹکا دیا ہے۔**

یہ خلیل اللہ ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے بتوں کو توڑا، اور اللہ کے راستے میں بہت تکلیفیں جھیلیں، یہاں تک کہ آگ میں ڈال دیے گئے، پھر بھی آپ توحید سے پلٹ جانے اور بت پرستی میں پڑ جانے سے خوف کھا رہے ہیں، کیونکہ جو بتوں کی پرستش میں مبتلا ہوئے تھے وہ بھی انسان ہی تھے، ان کے پاس بھی عقل ودانش مندی اور احساس تھا مگر یہ چیزیں

---

[1] صحیح مسلم: ۱۸۶۔

ان کو کچھ فائدہ نہیں پہونچا سکیں اور نہ ہی ان کو بتوں کی پوجا کرنے سے روک سکیں۔ لہذا جب ابراہیم علیہ السلام نے ان کو بتوں کی پوجا میں ملوث پایا تو اپنے نفس پر بھی خوف کھانے لگے اور اسی حالت میں اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے رب! تو مجھے توحید پر ثابت قدم رکھ۔

اسی طرح ہمارے نبی محمد ﷺ جو لوگوں میں سب سے زیادہ ایمان والے اور کامل توحید والے تھے اپنے آپ پر (فتنوں سے) خوف کھاتے تھے، اور یہ دعا کرتے: "يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلىٰ دِيْنِكَ"۔ اے دلوں کو پھیرنے والے! تو میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر پوچھتی ہیں: آپ کو میں بکثرت یہ دعا پڑھتے سنتی ہوں، کیا آپ بھی اپنے نفس پر ڈرتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: میں کیوں نہ ڈروں جبکہ آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، اگر وہ چاہے تو ٹیڑھا کردے اور چاہے تو سیدھا رکھے [1]۔

اسی وجہ سے دونوں خلیل -ابراہیم ومحمد صلی اللہ علیہما وسلم- اپنے دین کے سلسلے میں ڈرتے ہوئے اللہ کی پناہ طلب کئے تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں راہِ ہدایت نصیب فرما کر اُن فتنوں سے بچالے جس میں اکثریت مبتلا ہے۔ لہذا جو ان انبیاء کرام کے مقام سے بہت گیا گذرا ہے انہیں تو بدرجۂ اولیٰ اپنے آپ پر ڈرنا چاہئے۔

چنانچہ مسلمان کو اپنے دین کے متعلق ڈرتے رہنا چاہئے؛ گمراہ دعاۃ ومبلغین، دین کے نام پر پھیلائے گئے شکوک وشبہات، شر وفساد، اور فتن وشہوات جیسے ہر خطرے سے ڈرتا رہے، کیونکہ وہ جب ڈرے گا تبھی سلامتی کے اسباب اختیار کرے گا، نیز تبھی ہلاکت کی راہوں سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

---

[1] كتاب السنة لابن أبي عاصم: ۲۳۳، وهذا لفظه، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ سنن الترمذی: ۳۵۲۲، مسند أحمد: ۲۶۱۳۳۔

یاد رہے کہ جو ڈرے تو لیکن سلامتی کے اسباب اختیار نہ کرے، اور نہ ہی ہلاکت کے اسباب سے بچے تو ایسے کو مجرد خوف کوئی فائدہ نہ دے گا، کیونکہ خوف کے ساتھ فتنوں سے بچنے کی عملی کوشش بھی ضروری ہے۔

ذہن نشین رہے کہ آپ نواقض اسلام کی خطرناکی، نیز شکوک وشبہات اور منحرف افکار کو اسی وقت پہچان سکیں گے جب آپ کے پاس علمِ نافع ہو، کیونکہ جاہل حضرات ان امور میں واقع بھی ہوجاتے ہیں مگر انہیں اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔

عوام الناس کی بڑی مصیبت یہ ہے کہ وہ جس کسی کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے ہیں اس کی تقلید شروع کردیتے ہیں، اور یوں اس کے کئی فتنوں کے شکار ہوجاتے ہیں۔ جبکہ عالم ربانی کا معاملہ اس کے برعکس ہے، اللہ کے حکم سے اس کا علم اسے فائدہ پہونچاتا ہے، اور یوں وہ اِن (نواقض اسلام وغیرہ) فتنوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

اور یہ بات یاد رکھیں کہ جو اپنے رب کو جتنا زیادہ جاننے والا ہوگا اتنا ہی زیادہ اللہ سے ڈرنے والا بھی ہوگا، لہٰذا علمِ نافع: خاص کر عقیدے کا علم سیکھیں، تاکہ صحیح عقیدہ کو جان کر اس پر قائم رہ سکیں اور نواقض اسلام کو بھی جانیں تاکہ اس سے بچ سکیں، جیسا کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **”كَانَ النّاسُ يَسْأَلُونَ رَسولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الخَيْرِ، وكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي“**۔ دوسرے لوگ تو رسول اللہ ﷺ سے خیر کے متعلق سوال کیا کرتے تھے لیکن میں شر کے متعلق سوال کرتا تھا اس خوف سے کہ کہیں میں اس میں پھنس نہ جاؤں[1]۔

اسی کو فقہ وبصیرت کہتے ہیں، کیونکہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کی پاکیزگی نہیں بیان کی بلکہ کہا: ”میں شر کے متعلق سوال اس لیے پوچھ رہا ہوں کیونکہ مجھے انجانے میں اس میں پڑ

---

[1] صحیح البخاری: ۳۶۰۶، صحیح مسلم: ۱۸۴۷۔

جانے کا ڈر ہے"۔

آج ہمارے چاروں طرف فتنوں کا ماحول گرم ہے، نیز یہ بھی کسی پر مخفی نہیں کہ ہماری زندگی گمراہ کر دینے والے شبہات اور گمراہ دعاۃ و مبلغین وغیرہ کے مابین گھری ہوئی ہے، ایسے حالات میں تو بدرجہ اولیٰ انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے دین کے معاملات میں مکمل توجہ و دھیان دے اوراس پر خوف کھائے۔

اور آج کل ایسے لوگوں کو بھی پایا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ:' آپ لوگ توحید کیوں سیکھتے سکھاتے ہو، اور کیوں شرک سے ڈراتے ہو، جبکہ آپ عقیدۂ توحید اور فطری دین پر قائم؛ توحید کے ملک میں رہتے ہو؟؟ آپ لوگوں کو توحید سیکھنے سکھانے ،شرک کی اقسام معلوم کرنے وکرانے کی کوئی ضرورت نہیں!! بلکہ درسی کتابوں میں مادۂ عقیدہ کو شامل کر کے اس میں مشغول ہی نہ رہو اور نہ ہی اسے اپنی اولاد کو سکھاؤ، آپ کو گمراہ مذاہب وفرقوں کے حالات وشبہات جاننے کی چنداں ضرورت نہیں'!۔ یاد رہے کہ اس طرح کی باتیں سراپا غرور وجہالت، اور گمراہ کن باتیں ہیں۔

سچ کہیں تو انسان پر ان امور کو جاننا نہایت ضروری ہے تا کہ وہ شرور وفتن سے بچ سکے، اور یہ قطعاً ممکن نہیں کہ آپ کسی چیز کی خطرناکی کو جانتے بھی نہ ہوں اور اس سے بچ بھی جائیں، اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ آپ حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کا دعوی کریں اور حق کو جانتے ہی نہ ہوں، کیونکہ ایسی صورت میں تم حق کو باطل اور باطل کو سراپا حق سمجھ بیٹھو گے، اس لیے یہ امر بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔

عقیدۂ صحیحہ سے لوگوں کو دور کرنے والے لوگ یہ بھی کہتے ہیں: تم لوگوں کی تکفیر کرتے ہو! آخر تمہیں اسلام سے خارج کر دینے والے امور کو عام کرنے کی کیا ضرورت؟!

ہم ایسے الزام کے جواب میں بصراحت یہ کہتے ہیں کہ: ہم کسی کی تکفیر نہیں کرتے سوائے

اس کے جس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافر کہا ہو، لیکن ہم اپنے آپ کی پاکی بھی بیان نہیں کرتے بلکہ ہم اپنے آپ پر خوف کھاتے ہیں اور اسی لیے ہم حصول نجات کے مشروع اسباب اختیار کرتے ہیں، لوگوں کو شرک و کفر سے ڈرا کر اور ان کو توحید و ایمان کی نصیحت کرتے ہیں۔

اور ہم اس عقیدۂ توحید کو اس لئے بھی سیکھتے ہیں تاکہ لوگوں کے سامنے اس کے احکام کو بیان کریں، علم و بصیرت کے ساتھ ان کو اللہ کی طرف دعوت دیں، اور یوں سب سے پہلے ہم خود اپنے کو (نواقض اسلام سے) محفوظ رکھ سکیں، اور ہمارے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جسے چاہے اس سے بچالے۔

✷ **نواقض اِسلام** ان امور کو کہتے ہیں جو اسلام کو خراب اور باطل کر دے۔ لہذا جو شخص کلمۂ شہادت کی گواہی دے اور اسلام لے آئے اور پھر نواقض اسلام میں سے کسی ناقض کا ارتکاب کر لے تو وہ مرتد اور کافر کے زمرے میں شمار ہوگا۔

نواقضِ اسلام بہت سارے ہیں، بعض علماء نے چار سو (۴۰۰) تک بتایا ہے، لیکن سب سے اہم اور سب سے زیادہ خطرناک یہی دس ہیں جن کو شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے امت کی خیر خواہی کے طور پر اس ڈر سے ذکر فرمایا ہے تاکہ امت اس میں واقع نہ ہو جائے، اس رسالہ کے لکھنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ آپ رحمہ اللہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی تکفیر کرنا چاہتے تھے، جیسا کہ دشمنانِ توحید پروپیگنڈہ کرتے پھر رہے ہیں، آپ تو مسلمانوں کے خیر خواہ تھے، انہیں وعظ و نصیحت کرنے والے تھے تاکہ لوگ اسلام کو خراب کرنے والے امور سے بچ جائیں۔

پہلا ناقض: اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا، یہ اسلام کو ڈھانے والے امور میں سب سے خطرناک اور شدید تر ہے۔

✷ **عبادت کی تعریف:** عبادت تعبد سے ماخوذ ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ تذلل، خشوع ،خضوع اور تقرب الٰہی کو ایسے ہی بجالایا جائے جیسا کہ شریعت نے بتلایا ہے۔

اور بعض علماء نے یہ تعریف کی ہے: ''اللہ کے لیے غایت درجہ محبت کے ساتھ تواضع و انکساری رکھنا''①، یہ مجمل تعریف ہے۔

اور مفصل تعریف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یوں کی ہے: ''عبادت ایک جامع نام ہے جس میں ہر وہ ظاہری و باطنی اقوال و اعمال شامل ہے جسے اللہ تعالی پسند فرمائے اور اس سے راضی ہو''②۔

ظاہری اعمال سے مراد وہ اعمال ہیں جو انسان کے زبان و اعضاء پر ظاہر ہوتے ہیں، اور باطنی اعمال سے مراد دل کے اعمال ہیں۔

اور ہمارے قول: ''عبادت وہ ہے جس میں تذلل اور اختیاری خضوع پایا جائے'' کے قید سے وہ عبادت خارج ہو جاتی ہے جس میں اضطرار و مجبوری کی تذلل و خضوع ہو③۔

ہر انسان خواہ مومن ہو یا کافر وہ بہرحال اللہ کا بندہ ہے، اس کا معنی یہ ہوا کہ وہ سب اللہ کے سامنے عاجز ہیں اللہ کی قدرت ان میں نافذ ہے، اللہ ان کے ساتھ جیسا چاہتا ہے تصرف کرتا ہے کوئی بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں ، اللہ کا فرمان ہے : ﴿اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا﴾ [مریم: ۹۳] آسمان و زمین میں جو بھی ہیں

① دیکھئے: مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة: ۱۰/ ۱۵۳۔

② مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة: ۱۰/ ۱۴۹۔

③ حالت اضطرار میں کی گئی عاجزی و انکساری کی مثال: انسان کی پیدائش کی طرح ہے، لہذا کوئی اپنے من چاہا گھرانے و خاندان میں پیدا ہونا چاہے تو اس میں اس کو کوئی اختیار نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اور اختیاری عاجزی و انکساری کی مثال: یہ ہے کہ انسان اللہ کی عبادت کرتے ہوئے ادب و احترام کو بذات خود ملحوظ رکھے۔ [مترجم]۔

سب کے سب اللہ کے غلام بن کر آنے والے ہیں۔

اور یہ عبودیتِ عامہ ہے، اس میں انسان کو کوئی اختیار نہیں بلکہ یہ عبودیت اضطراری ہے۔ جیسا کی ایک اور جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ﴾[آل عمران ۸۳] تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار ہیں، سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے، خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے۔

اور ہمارے اس قول یعنی: ''تقرب الٰہی کو ایسے ہی بجالایا جائے جیسا کہ شریعت نے بتلایا ہے'' اس سے ان چیزوں کے ذریعہ اللہ کے یہاں تقرب حاصل کرنا خارج ہوجاتا ہے جسے شریعتِ اسلامیہ نے مشروع نہیں کیا ہے؛ مثلا: بدعات ومحدثات کے طریقے۔

لہذا ضروری ہے کہ انسان اللہ کا تقرب ویسے ہی حاصل کرے جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے۔ اگر انسان اللہ کی عبادت اپنی مرضی یا اپنے شیخ کے طریقے یا کسی اور کے طریقے سے کرے جس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ بتلائے ہوں تو یہ عبادت بدعت اور باطل ہوگی۔ جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَن عَمِلَ عَمَلًا ليسَ عليه أمْرُنا فَهو رَدٌّ''۔ جو کوئی ایسا عمل کرے جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ عمل مردود ہے[1]۔

اور ایک جگہ فرمایا: ''مَن أَحْدَثَ في أَمْرِنا هذا ما ليسَ فِيهِ، فَهو رَدٌّ''۔ جو دین اسلام میں ایسی چیز ایجاد کرے جو اس میں نہ ہو تو وہ مردود ہے[2]۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وإياكم ومحدثاتِ الأمورِ، فإنَّ كلَّ مُحدثةٍ بدعةٌ، وكلَّ بدعةٍ ضلالةٌ''۔ دین میں بدعات ومحدثات سے بچتے رہنا اس لیے کہ

① صحیح مسلم: ۱۷۱۸۔

② صحیح البخاری: ۲۶۹۷، صحیح مسلم: ۱۷۱۸۔

دین میں ہرنئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے [1] ۔ **اور یہی بدعت کی تعریف ہے۔**

● **شرک کی تعریف:** عبادت کی کسی بھی قسم کو اللہ کے علاوہ کے لیے انجام دینا شرک ہے۔

عبادت کی بہت ساری قسمیں ہیں جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں ان میں سے کسی ایک قسم کو بھی غیر اللہ کی طرف پھیر دینے والا مشرک ہے، اور یہ عمل اسے دائرہ اسلام سے خارج کر دینے والا ہے۔

لہذا جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے، یا نذر مانے، یا سجدہ کرے، یا مردوں اور غائب لوگوں سے دعا کرے، یا مردوں سے مدد طلب کرے، یا اس طرح کا کوئی بھی عمل کرے تو وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا ہے۔ کیونکہ ہر طرح کی عبادت صرف اللہ کے لیے ہی روا ہے ۔اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾[الذاریات:٥٦] **میں نے جنات اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔**

اور ایک جگہ فرمایا: ﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾[النساء:٣٦] **اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔**

● **اور عبادت کے صحیح ہونے کی دو شرطیں ہیں:**

[١] **اخلاص:** جو عبادت کی جارہی ہو وہ خالص اللہ کے لیے ہو، اس میں شرک کا شائبہ نہ ہو، چنانچہ وہ عمل جس میں اخلاص تو ہو مگر اس میں شرک کا شائبہ بھی ہو تو وہ مقبول نہیں۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾[الزمر:٦٥] **یقیناً آپ کی بھی اور آپ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی**

---

[1] سنن اَبی داود: ٤٦٠٧، سنن الترمذی: ٢٦٧٦، سنن ابن ماجہ: ٤٢۔

طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو بلاشبہ آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین آپ زیاں کاروں میں سے ہو جاؤ گے۔

اور ایک جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [الأنعام:۸۸] اور اگر یہ (انبیاء بھی) شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے۔

۲ **متابعتِ رسول ﷺ:** یعنی جو عبادت کی جا رہی ہے وہ سنتِ رسول ﷺ کے موافق ہو، یعنی کوئی نئے طرز وطریقے کی عبادت ایجاد نہ کی گئی ہو۔ کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے: ''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ مردود ہے''۔ یعنی اس پر یہ عمل لوٹا دیا جائے۔

سو جس نے عبادت کی کسی بھی قسم کو اللہ کے علاوہ -وہ چاہے جو کوئی ہو- کے لیے کیا تو وہ مشرک ہے، اللہ کے علاوہ؛ وہ چاہے بت ہو یا پتھر، کوئی درخت ہو یا جن، زندہ انسان ہو یا کوئی مردہ ہو، جس کسی نے بھی کسی عبادت کو اللہ کے علاوہ کے لیے کیا تو وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا ہے، اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے، اسی وجہ سے اللہ نے سب سے پہلے محرمات میں اس کا ذکر کیا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ [الانعام:۱۵۱] آپ کہیے کہ آؤ تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرما دیا ہے، وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ۔

اور فرمایا: ﴿لَّا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُولًا﴾ [الاسراء:۲۲] تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرا، ورنہ تیرا ایسا برا حال ہو گا کہ بیکس ہو کر بیٹھ رہے گا۔

اور ایک جگہ فرمایا: ﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا﴾ [الاسراء:۳۹] تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنانا کہ ملامت خوردہ اور راندہ درگاہ ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائے۔

اورفرمایا: ﴿لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ﴾[الشعراء:۲۱۳] **پس تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکار، ورنہ تو بھی سزا پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔**

لہذا عبادت میں اللہ کے سوا کسی اور کو معبود بنا لینا ہرگز جائز نہیں، کیونکہ عبادت خالص اللہ رب العالمین کا حق ہے، اللہ کے علاوہ کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں۔

❁ **بعض حضرات شرک کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ** شرک صرف بتوں کی پوجا کو کہتے ہیں، اور رہی بات اولیاء، صالحین اور مزاروں کی عبادت کی تو یہ ان کے نزدیک شرک نہیں ہے، بلکہ یہ ان کے نزدیک وسیلہ اور طلبِ شفاعت وغیرہ کے قبیل سے ہے، گویا ان کے یہاں شرک کا دائرہ صرف بتوں کی عبادت میں منحصر ہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ شرک کی کئی انواع اقسام ہیں، ان میں سے ایک قسم بتوں کی پوجا ہے۔ اور شرک کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارا جائے؛ وہ چاہے بت ہو یا بت کے علاوہ کوئی اور، چنانچہ مشرکین کے معبودان بھی مختلف ہوا کرتے تھے، انہوں نے صرف بتوں کی عبادت پر اکتفا نہیں کیا ہوا تھا، بلکہ ان میں سے بعض بتوں کی پوجا کرتے، اور بعض سورج و چاند کی، اور بعض شیاطین کی، اور بعض درختوں کی، اور بعض پتھروں کی، اور بعض فرشتوں کی، تو بعض مسیح بن مریم اور عزیر علیہما السلام کی اور بعض حضرات بزرگوں و نیکوکاروں کی عبادت کرتے تھے، گویا مشرکین میں کا ہر گروہ الگ الگ معبود کی عبادت کر رہا تھا، وہ سب کے سب صرف بتوں کی ہی پوجا نہیں کرتے تھے، بلکہ بتوں کی عبادت کئی معبودانِ باطلہ کی عبادتوں میں سے ایک تھی۔

❁ **اور اسی طرح بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ:** شرک یہ ہے کہ آپ اعتقاد رکھیں کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی خالق و رازق اور مدبر ہے، لہذا اگر آپ یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ اللہ کے علاوہ نہ کوئی خالق و رازق ہے، نہ نفع و نقصان کا مالک تو آپ موحد ہیں۔

اس شخص کے جواب میں ہم کہیں گے کہ شرک کا یہ معیار پہلے کے مشرکوں نے بھی نہیں بیان کیا، کیونکہ یہ توحید ربوبیت کا مسئلہ ہے، اور یہ معلوم ہے کہ پہلے کے مشرکین کا شرک توحید ربوبیت میں نہیں تھا؛ وہ اپنے بتوں کے بارے میں ہرگز یہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ وہ خالق ورازق اور مدبر ہیں، یا زندگی اور موت دیتے ہیں، انہوں نے تو ان معبودانِ باطلہ کو اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ بنایا ہوا تھا اور بس۔

اللہ کا ارشاد ہے: ﴿**وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ**﴾ [یونس:۱۸] **اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔**

ان مشرکوں نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے مصنوعی معبود: خالق ورازق ہیں، بلکہ یہ کہا کہ وہ اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں، اور وہ ہمارے واسطہ ہیں۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ شرک کو توحید ربوبیت تک محدود کرنے والوں کا قول باطل ومردود ہے، کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ شرک صرف توحید ربوبیت میں ہی واقع ہوتا ہے، جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، قبیح ترین شرک تو توحید الوہیت میں واقع ہوتا ہے۔

توحید الوہیت میں شرک سے مراد: عبادت کی کسی قسم کو غیر اللہ کے لئے پھیر دینا ہے۔

اور یہی وہ شرک ہے جس سے اللہ نے ڈرایا ہے، اور اسی کی تردید کے لئے رسولوں کو بھیجا، نیز دنیا سے اسے زائل کرنے کے لئے جہاد مشروع کیا۔

رہی بات ربوبیت میں شرک کی، تو انسانوں میں ایسا کوئی نظر نہیں آتا جو یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ بت خالق ورازق اور مدبر ہیں، وہ تو بس اتنا کہتے ہیں کہ: 'یہ بت اللہ کے نزدیک واسطہ ہیں، ہمارے سفارشی ہیں'۔

لہذا شرک کی تفسیر صرف ''شرک فی الربوبیۃ'' سے کرنا ایک باطل تفسیر ہے۔

● شرک حاکمیت:

۞ **اور بعض حضرات شرک کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: شرک سے مراد حاکمیت کا** شرک ہے، یہ لوگ اس کے علاوہ شرک سے تجاہل برتتے ہوئے آنکھ موند لیتے ہیں، اور کہتے ہیں: توحید دراصل توحیدِ حاکمیت ہے، اور شرک دراصل حاکمیت کا شرک ہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں یہ اقسامِ شرک کی ایک قسم ہے، کیونکہ شریعت سازی کا حق صرف اللہ کو ہے اور اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کرنا عبادت ہے، لیکن شرک صرف اسی قسم میں محصور نہیں، بلکہ شرک؛ دعا، قربانی، ذبح ونذر اور مدد طلبی وغیرہ میں بھی واقع ہوتا ہے۔ لہذا شرک کو کسی ایک قسم میں محصور کرکے یہ کہنا کہ یہی شرک ہے (بقیہ نہیں) یہ غلط اور گمراہ کن نظریہ ہے، لہذا یہ بات کسی سچے طالب علم کے ذہن میں کبھی نہیں کھٹکنی چاہئے۔ اس طرح کی بات وہی لوگ کرتے ہیں جن کا اس کے پیچھے کچھ (دنیاوی) مقصد ہو۔

سو شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے والا بھی اگر غیر اللہ کو پکارتا ہو تو وہ بھی مشرک ہے۔

✴ **خلاصۂ کلام:** ہمارے لئے یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ شرک کیا ہے؟ کیونکہ بعض حضرات شرک کی ایسی تفسیر عام کرتے پھر رہے ہیں جو اس کی صحیح تفسیر نہیں۔ آپ جب قرآن میں غور کریں گے تو پائیں گے کہ شرک غیر اللہ کی عبادت کو کہتے ہیں، اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ﴾ [یونس:١٨] اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔

اور فرمایا: ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي

السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾[سبأ:٢٢] کہہ دیجئے! کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمہیں گمان ہے (سب) کو پکارلو، ان میں سے کسی کو آسمانوں و زمینوں میں سے ایک ذرہ کا بھی اختیار نہیں ہے۔

اسے **"شرک فی الدعاء"** کہتے ہیں، یعنی دعا میں شرک۔

اوراسی طرح غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا بھی شرک ہے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [الکوثر:٢] پس تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔

نیز فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ﴾ [الأنعام: ١٦٢، ١٦٣] آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا اور نماز پڑھنا بھی شرک ہے اور یہ بھی معلوم ہوا شرک کی بہت ساری قسمیں ہیں۔

شرک پہچاننے کا ضابطہ یہ ہے کہ: جس کسی نے عبادت کی کسی بھی قسم کو غیر اللہ کے لئے پھیر دیا تو وہ مشرک ہے۔

اور واضح رہے کہ شرک کی دو قسمیں ہیں:

① **پہلی قسم:** شرک اکبر ② **دوسری قسم:** شرک اصغر

أ **شرک اکبر:** عبادت کی کسی بھی قسم کو غیر اللہ کے لیے انجام دینا شرک اکبر کہلاتا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

شرک اکبر کا مرتکب ملت سے خارج ہو جاتا ہے اور اس پر جنت حرام کر دی جاتی ہے، نیز اس کا ٹھکانہ ہمیشگی والی جہنم ہے، اسی طرح اس کے تمام اعمال صالحہ اکارت ہو جاتے ہیں اور

اس کا جان و مال بھی حلال ہو جاتا ہے، اور یہ **قسم کئی وجوہات کی بنا پر قبیح ہے:**

① شرک کا ارتکاب انسان کو کافر و مشرک بنا دیتا ہے۔

② مشرک پر اللہ نے جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے نیز ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا: ﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ [المائدة:۷۲]

مشرک پر جنت حرام ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کو جنت میں داخل ہونے کی قطعی طور پر اجازت نہیں ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ: ﴿وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ﴾ اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، یعنی جب جنت سے اسے محروم کر دیا گیا تو ہمیشہ ہمیش کے لیے اس کا ٹھکانہ جہنم ٹھہرا، اب وہ کبھی بھی وہاں سے نہیں نکالا جائے گا، والعیاذ باللہ۔

③ اللہ تعالیٰ نے مشرک کو مغفرت سے محروم کر دیا ہے، (وہ اگر شرک کرتے ہوئے مرجائے تو اس کی بخشش نہیں ہوگی) اللہ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ [النساء:۴۸] یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔

پس جو مشرک شرک پر ہی مرجائے تو اس کے لیے مغفرت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ہاں اگر موت سے قبل اپنے شرک سے سچے دل سے توبہ کر لے تو اور بات ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جس گناہ کو چاہے گا معاف فرما دے گا؛ اس سے مراد وہ گناہ ہیں جو شرک کے علاوہ ہیں۔ جیسے: زنا کاری، چوری اور شراب نوشی وغیرہ کبائر گناہ، یعنی جو شرک تک نہیں پہونچتے، ایسے گناہ اللہ کی مشیئت کے تحت ہیں، اگر اللہ چاہے تو اس کے مرتکب کو معاف کر دے اور چاہے تو اس کے گناہوں کے بقدر عذاب دے، پھر توحید و ایمان کی وجہ سے اسے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرے۔ ایسے حضرات کو "عصاة الموحدين"

(توحید پرست گنہگار) کہتے ہیں، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اگر پہلے مرحلہ میں معاف نہ کرے تو بھی یہ جہنم میں کفار ومشرکین کی طرح ہمیشہ ہمیش نہ رہیں گے۔

④ شرک اکبر تمام نیک اعمال کو ضائع وبرباد کر دیتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ﴾ [الزمر: ٦٥، ٦٦] یقیناً آپ کی بھی اور آپ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو بلاشبہ آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین آپ زیاں کاروں میں سے ہو جاؤ گے، بلکہ اللہ ہی کی عبادت کر اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا۔

اس آیت کی روشنی میں علماء کہتے ہیں کہ: ’’شرک نیک اعمال کو ایسے ہی باطل کر دیتا ہے جیسے حدث وضو کو؛ انسان وضو کرے، پھر اسے حدث لاحق ہو جائے تو اس کی طہات باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی ’’کلمۂ شہادت‘‘ کی گواہی دے پھر شرک اکبر کا ارتکاب کر بیٹھے تو یہ اس کے توحید اور بقیہ نیک اعمال کو باطل کر دے گا‘‘۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام میں جب بعض انبیاء کا ذکر کیا: ﴿وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ۖ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ [الأنعام: ٨٤] پہلے زمانے میں ہم نے نوح کو ہدایت کی اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

تو وہیں آگے یہ بھی فرمایا کہ: ﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [الأنعام: ٨٨] اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے۔

جب کہ وہ انبیاء ہیں مگر بفرض محال اگر وہ شرک کرتے تو ان کے بھی تمام اعمال برباد

ہو جاتے، جیسا کہ خود اللہ نے اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا: ﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ﴾ [الزمر: ۶۵،۶۶] یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا، بلکہ اللہ ہی کی عبادت کر اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا۔

لہذا جان لیں! کہ انسان کو شرک اکبر کی موجودگی میں۔ پہلے اور بعد کا۔ کوئی بھی نیک عمل نفع نہ دے گا، اگر وہ شرک کے تمام امور سے توبہ نہ کرلے، کیونکہ شرک تمام اعمال کو برباد کر دیتا ہے، لہذا جو اسی حالت میں مر گیا تو جہنمیوں میں سے ہوگا، اور وہ اس کا دائمی ٹھکانہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: **"مَن ماتَ وهْوَ يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ نِدًّا دَخَلَ النّارَ" وقُلتُ أنا: "مَن ماتَ وهْوَ لا يَدْعُو لِلَّهِ نِدًّا دَخَلَ الجَنَّةَ"**۔ جو اللہ کے علاوہ کسی اور کو شریک بنا کر پکارتے ہوئے مر گیا، وہ آگ میں داخل ہوگا''۔ اور راوی حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں کہتا ہوں اور جو اس حالت میں وفات پائے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک بنا کر نہ پکارتا رہا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ [1]

⑤ شرک مشرک کے جان و مال کو مباح کر دیتا ہے اور اس کے خلاف جہاد کو واجب کر دیتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **" أُمِرْتُ أنْ أُقاتِلَ النّاسَ حتّى يقولوا: لا إلَهَ إلّا اللَّهُ، فاذا قالُوها، عَصَمَوا مِنِّي دمائهم وأموالهم ، إلّا بحَقِّها، وحِسابُهُم على اللهِ"** [2]۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں

① صحیح البخاری: ۴۴۹۷، صحیح مسلم: ۹۲۔

② صحیح مسلم: ۲۱۔

جب تک کہ وہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور جب وہ اس کلمۂ توحید کو صدق دل سے کہہ دیں تو انہوں نے مجھ سے اپنے جان و مال کو محفوظ کرلیا سوائے دینی حق کے اوران کا حساب اللہ کے حوالے ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ انسان کا جان ومال توحید ہی کے ذریعہ محفوظ ہے۔ کیونکہ شرک کی وجہ سے تو لوگوں کا جان ومال مباح ہوجاتا ہے۔

محترم قارئین! اوپر جو حقیقت ذکر کی گئی ہے اسی کو شرک کہتے ہیں اور شرک کی وجہ سے دنیا وآخرت میں لاحق ہونے والی یہ وہ سزائیں ہیں، جو مختصر طور پر بیان کی گئیں۔

یاد رہے کہ شرک اکبر کی بہت ساری نوعیت ہے، جیسے: غیر اللہ سے دعا کرنا، غیر اللہ سے ایسے کاموں میں مدد طلب کرنا جس پر صرف اللہ قادر ہے، غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا، اور غیر اللہ کے لئے رکوع، سجدہ، نذرونیاز وغیرہ کرنا۔ سو جس نے انواعِ عبادت میں سے ذرا برابر کسی غیر کے لئے انجام دیا اس نے شرک اکبر کا ارتکاب کیا۔

٢ شرک کی دوسری قسم: شرک اصغر ہے۔

شرک اصغر: سے مراد وہ شرک ہے جسے کتاب وسنت میں شرک سے موسوم کیا گیا ہو، لیکن دلائل کی روشنی میں اس کا مرتکب ملت سے خارج نہ ہو۔

● شرکِ اصغر کی دو قسمیں ہیں:

① **پہلی قسم:** الفاظ میں شرک، جیسے غیر اللہ کی قسم کھانا: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”**مَن حَلَفَ بغيرِ اللهِ، فقد كَفَرَ أو أَشْرَكَ**“[1]۔ جس نے اللہ کے علاوہ کی قسم کھائی اس نے کفر یا شرک کیا۔

اسی طرح یہ کہنا کہ: ”اگر اللہ اور آپ نہ ہوتے“، ”جو اللہ اور آپ چاہیں“۔ اس طرح

① مسند أحمد: ٢/ ٦٩، سنن أبي داود: ٣٢٥١، سنن الترمذي: ١٥٣٥، علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

کے جملے کہنا ''شرک فی الألفاظ'' کہلاتا ہے۔

② **دوسری قسم:** دل میں پوشیدہ شرک؛ اور اس کی کئی قسمیں ہیں، سب سے زیادہ مشہور ریا کاری ہے، اور ریا کاری اس وقت پیش آتا ہے جب کوئی عمل کرنے جائیں۔

● ریا کاری کی دو قسمیں ہیں:

① **ان منافقین کی ریا کاری؛** جو جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے۔ ایسے لوگ: لوگوں کو دکھانے کے لئے اچھے اعمال تو کرتے ہیں، جبکہ دل میں کفریہ اعتقاد رچا بسا ہوتا ہے، سو اس ریا کاری کو **کفریہ ریا کاری** کہتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔، کیونکہ ایسا شخص اصلاً اللہ عزوجل پر ایمان ہی نہیں رکھتا، وہ بعض اعمالِ صالحہ کا مظاہرہ کرتا بھی ہے تو فقط دنیاوی لالچ کے لیے۔

② **وہ ریا کاری جو کسی مسلم سے ہوتی ہے:** نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس سے گزرے، وہ اس وقت دجال کے متعلق گفتگو کر رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں اس چیز کے بارے میں نہ بتاؤں جو میرے نزدیک مسیح الدجال سے زیادہ خوف ناک ہے؟'' صحابہ نے فرمایا: ہاں ضرور بتائیں، آپ نے فرمایا: ''وہ ریا کاری ہے؛ ایک آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، اور اپنی نماز کو خوب مزین کرتا ہے کیونکہ اسے کوئی دیکھ رہا ہوتا ہے''[1]۔

سو معلوم ہوا کہ اس قسم کا شرک یعنی شرک اصغر مومن و مسلم سے بھی واقع ہوتا ہے، البتہ مسلمان جب ریا کاری کا کچھ حصہ اپنے دل میں پائے اور اس کو جھڑک کر اخلاص کی طرف پلٹ جائے، تو ایسی صورت میں ریا اس کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکے گا، ہاں اگر ابتداءِ عمل سے ہی اس کے ساتھ ریا موجود ہو اور برابر (عمل ختم ہونے تک) موجود رہے تو ریا اس کے

---

① مسند أحمد: ۳/۳۰، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۴۔

اُس عمل کو باطل کردے گا، اور راجح قول کے مطابق اگر درمیانِ عمل میں ریا کاری آجائے اور وہ ریا کاری (اخیر تک) باقی رہے تو بھی اُس کا وہ عمل باطل ہو جائے گا۔

✷ اسی طرح ''**سُمعَة**'' ہے، سمعہ: سنے جانے والے اقوال کو کہتے ہیں، جیسے: ذکر و اذکار اور تلاوتِ قرآن وغیرہ کوئی اس لئے کرے تاکہ لوگ سنیں اور اس کی تعریف کریں، اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کسی شرعی امور کو انجام دینے والے کی خواہش ہو کہ لوگ جب سنیں تو اس کی تعریف کریں، یا بظاہر نہ بھی چاہے مگر دل میں یہ بات ہو تو بھی یہ شرک اصغر ہے۔

✷ اسی طرح یہ بھی شرک اصغر میں سے ہے کہ انسان اپنے دینی عمل سے دنیا چاہے، اگر کوئی نیک عمل دنیاوی لالچ کی چاہت میں کرے تو یہ شرک اصغر میں شمار ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَن كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ﴾ [ھود:۱۵،۱۶] جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفتہ ہوا چاہتا ہو ہم ایسوں کو ان کے کل اعمال (کا بدلہ) یہیں بھرپور پہنچا دیتے ہیں اور یہاں انھیں کوئی کمی نہیں کی جاتی، ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں۔

✷ اسی طرح سے شرعی علم؛ دنیا کے لیے حاصل کرنا بھی شرک اصغر ہے، البتہ جو غیر شرعی علوم حاصل کرتے ہیں تو کچھ حرج نہیں کہ وہ دنیاوی کمائی وترقی کے لیے سیکھیں تاکہ اچھی زندگی گزر بسر کرسکیں۔ مثلاً ریاضی، انجینئرنگ، کمپیوٹرز وغیرہ کی تعلیم سیکھنا تاکہ روزگار مل سکے تو اس میں کچھ حرج نہیں، بلکہ یہ مباح اسباب میں سے ہے کوئی عبادت نہیں ہے۔

رہی بات عبادت کی؛ جیسے نماز، جہاد فی سبیل اللہ، شرعی علم، اور حج وغیرہ دنیاوی لالچ کی وجہ سے کرنا، تو یہ اس آیت میں شامل ہے: ﴿مَن كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ﴾ [ھود:۱۵]

معلوم ہوا کہ اس پر سخت وعید ہے اور یہ شرک کی ایک قسم ہے(جسے شرک اصغر کہتے ہے)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا :"**تَعِسَ عبدُ الدِّينارِ، والدِّرْهَمِ، والقَطِيفَةِ، والخَمِيصَةِ، إنْ أُعْطِيَ رَضِيَ، وإنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ**"[1]۔ درہم ودیناراور چادر وکمبل کا غلام (لباس کا پرستار) ہلاک ہوجائے، اگر اسے دیا جائے تو خوش ہوجائے، نہ دیا جائے تو ناراض ہوجائے۔

لہذا انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے اعمال کو اللہ کے لیے خالص کرے، ہاں (اخلاص کے ساتھ کی گئی عبادت سے) کچھ دنیا مل جائے تو یہ اللہ کی دی گئی رزق ہے،(اس کو لینے میں اور اس سے فائدہ اٹھانے میں کچھ حرج نہیں) رہی بات اخروی اعمال کوصرف دنیاوی فائدہ کے لیے کرنا تو یہ مذموم ہے۔

- **شرک اکبراور اصغر میں بہت فرق ہے۔ان میں سے چند درج ذیل ہیں:**

(۱) شرک اکبر انسان کو ملتِ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، جبکہ شرک اصغر ملت سے خارج نہیں کرتا ہے، البتہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ ہے اور شرک اکبر تک پہونچانے کا ذریعہ ہے۔

(۲) شرک اکبر تمام اعمال کو برباد کر دیتا ہے، جبکہ شرک اصغر صرف اسی عمل کو برباد کرتا ہے جس میں ریا کاری یا دکھلاوا ہوا ہو، بقیہ اعمال صالحہ جن میں ریا کاری نہیں ہوئی ہے اس کو برباد نہیں کرتا۔

(۳) شرک اکبر جان ومال کو مباح کر دیتا ہے، جبکہ شرک اصغر انسان کے جان ومال کو مباح نہیں کرتا، کیونکہ اس کا مرتکب ملت سے خارج نہیں ہوتا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری:۲۸۸۶۔

✷ **مسئلہ:** اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ شرک اکبر کے علاوہ بقیہ تمام گناہوں کو چاہے گا تو معاف کردے گا، تو کیا شرک اصغر کو بھی معاف کردیا جائے گا یا نہیں؟''۔

راجح بات یہ ہے کہ اللہ نے اپنے اس فرمان میں عام حکم بیان کیا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ﴾ اللہ اپنے ساتھ شرک کرنے کو معاف نہیں کرے گا۔

یہاں شرک عام ہے یہ شرک اکبر اور شرک اصغر دونوں کو شامل ہے، لیکن فرق صرف یہ ہے کہ شرک اکبر کرنے والا ہمیشہ ہمیش آگ میں رہے گا، جبکہ شرک اصغر کا مرتکب آگ میں ہمیشہ نہیں رہے گا، اس کو عذاب دیا جائے گا اور پہلے مرحلہ میں معافی قبول نہیں کی جائے گی لیکن وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔

شرک اصغر اور شرک اکبر کے مابین یہ چند فرق تھے جو بیان کردئے گئے، اور یہ سب کے سب بہت خطرناک ہیں، اللہ ہمیں ان سب سے محفوظ رکھے۔

✷ **تنبیہ:** شرک اصغر کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ چھوٹا شرک ہے، اس اعتبار سے کہ انسان اس سے بچنے میں تساہل برتے۔ شرک اصغر کی خطرناکی بیان کرتے ہوئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''**لأن أحلِفَ باللهِ كاذبًا أحبُّ إليَّ من أن أحلِفَ بغيرِه وأنا صادقٌ**''[1]۔ میں اللہ کی جھوٹی قسم کھاؤں یہ بات مجھے پسند ہے اس بات سے کہ میں غیر اللہ کی سچی قسم کھاؤں۔

کیونکہ جھوٹ کا گناہ شرک اصغر کے گناہ سے کم درجہ کا ہے۔

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی: ۸۹۰۲، مصنف ابن أبی شیبۃ: ۱۲۶۶۸، حلیۃ الأولیاء: ۷/ ۲۶۷، علامہ البانی سے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ إرواء الغلیل ۲۵۶۲۔

چند شبہات کا ازالہ

یہاں ہم بعض ایسے شبہات کا جواب دینے کی کوشش کریں گے جن شبہات کے ذریعہ قبر اوراُولیاء پرستی میں مبتلا حضرات لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں:

ا **پہلا شبہہ:** ان کا کہنا ہے کہ شرک صرف بتوں کی پوجا کرنے کو کہتے ہیں، اور بتوں کے علاوہ۔ اولیا وصالحین۔ کی عبادت شرک نہیں ہے، یہ تو بس اللہ تک پہونچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾[المائدة:٣٥] اور اس کا قرب تلاش کرو۔

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن لوگوں سے قتال کیا ان میں بعض وہ لوگ تھے جو بتوں کی پوجا کرتے تھے اور بعض وہ جو پتھروں اور درختوں کو پوجتے تھے، جب کہ بعض فرشتوں اور اولیاء و بزرگوں کی عبادت کرتے تھے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ﴾[یونس:١٨] اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔

اسی طرح عیسائیوں نے عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی عبادت کی، انہوں نے بتوں کی پوجا نہیں کی اور نہ ہی کرتے ہیں بلکہ عیسی مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں، تو کیا ان کے حق میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ مشرک نہیں ہیں، کیونکہ ان کے یہاں بت پرستی نہیں؟ کون ہے جو ایسا کہتا ہو؟

سو اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ جس کسی کی بھی عبادت کی جائے وہ شرک

ہے، پہلے کے مشرکین کا شرک بھی صرف بتوں میں محصور نہیں تھا، بلکہ وہ اپنی عبادت میں مختلف تھے، جیسا کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''کشف الشبہات'' اور ''القواعد الاربع'' میں بیان کیا ہے کہ: ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لوگوں میں مبعوث ہوئے تو لوگ اپنی عبادتوں میں مختلف تھے (ہر گروہ مختلف انداز کی شرکیہ عبادت میں مبتلا تھا)، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب سے بلاتفریق قتال کیا؛ بتوں کی پوجا کرنے والوں میں کوئی تفریق کی نہ ان میں جو کسی قبر یا درخت یا پتھر یا ولی و بزرگ کی عبادت کرتے تھے، بلکہ بلاتفریق سب سے قتال کیا، لہذا کسی بت کی پوجا کرنے والے میں اور کسی درخت و پتھر یا جن، فرشتہ اور انسان کی عبادت کرنے والے میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ بالکل واضح چیز ہے''۔

۲ **دوسرا شبہہ:** وہ کہتے ہیں ہم اولیاء و بزرگوں کی عبادت اس لیے نہیں کرتے ہیں کہ وہ بذاتِ خود نفع اور نقصان کے مالک ہیں، بلکہ ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمارے لیے اللہ کے پاس شفاعت کریں، جبکہ پہلے کے مشرکین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ کے علاوہ یہ چیزیں (درخت، پتھر وغیرہ) بھی نفع و نقصان پہنچاتی ہیں، اور ہم یہ عقیدہ نہیں رکھتے ہیں۔

جواب: یہی پہلے کے مشرکین کا بھی جواب ہوا کرتا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے سلسلے میں بیان کیا ہے: ﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ﴾ [یونس: ۱۸] اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔

لہذا معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے شرک میں اور پہلے کے مشرکین کے شرک میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ سبھی نے ان معبودانِ باطلہ کی عبادت محض اس لئے کی تاکہ وہ ان کے حق

میں اللہ کے پاس سفارش کریں۔

✷ **تنبیہ:** شفاعت تو برحق ہے، لیکن اس کو طلب کرنے کا یہ طریقہ نہیں، اس کو طلب کرنے کا طریقہ وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشروع قرار دیا ہے۔

شفاعت کا یہ طریقہ قطعاً درست نہیں کہ جس سے سفارش طلب جارہی ہو اسی کو اللہ کے علاوہ معبود بنالیا جائے اور اس کے لیے جانور ذبح کیا جائے، نذر و نیاز کیا جائے اور اس سے مدد طلب کی جائے، بلکہ ایسا کرنا پہلے کے مشرکوں جیسا عمل ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۳ **تیسرا شبہہ:** ان کا کہنا ہے کہ پہلے کے مشرکین: ''لا الہ الا اللہ'' کی گواہی نہیں دیتے تھے، جب کہ اولیاء وصالحین کی عبادت کرنے والے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی دیتے ہیں، تو کیسے آپ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی دینے والے کو اس جیسا قرار دے سکتے ہیں جو ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی نہ دیتا ہو؟

جواب: ہم اس شبہ کے جواب میں یہ عرض کریں گے کہ انہوں نے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی گواہی تو دی ہے، لیکن انہوں نے اس اقرار کو توڑ ڈالا ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ ''لا الہ الا اللہ'' تبھی فائدہ دے سکتا ہے جب وہ اپنے مخالف ومتضاد امور سے پاک ہو۔ اس قسم کے لوگوں نے کلمۂ شہادت زبان سے ادا تو کیا ہے لیکن شرکیہ اعمال کی بنا پر اسے توڑ ڈالا ہے، ایسی صورت میں ''لا الہ الا اللہ'' کا معنی کہاں قائم رہا؟

کلمۂ شہادت کا معنی یہ ہے کہ: اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔

درحقیقت انہوں نے کلمہ طیبہ کو اس کا معنی ومفہوم سمجھے بغیر پڑھ لیا ہے، اور مجرد تلفظ ِشہادتین کو نجات کے لئے کافی سمجھ لیا ہے، اسی لئے وہ کلمۂ شہادت کے اقرار کے باوجود قبر پرستی اور اولیاء وصالحین کی پرستش میں مبتلا دکھائی دے رہے ہیں۔ حالانکہ پہلے کے مشرکین

آج کے ان مشرکوں سے بہتر طور پر ''لا الہ الا اللہ'' کا معنی ومفہوم سمجھتے تھے، اسی لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ''لا الہ الا اللہ'' کے اقرار کا حکم دیا تو انہوں نے جواباً عرض کیا: ﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ [ص:۵] اس نے تو اتنے سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک معبود کی دعوت دی ہے یہ بڑی تعجب خیز بات ہے۔

انہوں ''لا الہ الا اللہ'' کے اقرار کے مطالبہ پر ایسا اس لئے کہا کیونکہ وہ اس کا معنی بخوبی جانتے تھے، وہ سمجھ گئے تھے کہ جو بھی اس کلمہ کا اقرار کر لے گا اس کے لئے اللہ کے علاوہ جو معبود ہیں ان کی عبادت چھوڑنا لازم ہو جائے گا۔

مگر افسوس کہ آج کے لوگ اپنی جہالت وغباوت (کج فہمی) کے سبب (''لا الہ الا اللہ'' کے اقرار اور غیر اللہ کی عبادت) دونوں نقیض کو جمع کر لیا ہے، کیونکہ وہ اس کلمہ کا وہ معنی ومفہوم بھی نہیں سمجھ پا رہے ہیں جو پہلے کے مشرکوں نے سمجھا تھا، یہ ان کی حد درجہ کج فہمی اور جہالت کی دلیل ہے، **لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم**۔ سچ ہے کہ ہوائے نفس کی پیروی؛ بندوں کو ضلالت وگمراہی کے دلدل میں ڈال دیتی ہے، العیاذ باللہ۔

۴ **چوتھا شبہہ:** وہ کہتے ہیں کہ پہلے کے مشرکین شجر وحجر اور جمادات کو پوجتے تھے، جبکہ ہم ان اولیاء اور صالحین کو پکارتے ہیں، اور ان سے وسیلہ طلب کرتے ہیں، جن کا اللہ کے یہاں خاص مقام ومرتبہ ہے، لہذا ہم انہیں اللہ کے پاس اپنی مراد پوری کرانے کے لئے وسیلہ بناتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی وسیلہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ [المائدۃ:۳۵] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب تلاش کرو۔

سو اس بنا پر ہم نے ان صالحین کو وسیلہ بنایا ہوا ہے۔

جواب: ان کے اس شبہ کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ اللہ کی کتاب میں یہاں

وسیلہ سے مراد: عبادت واطاعت کے وہ کام ہیں جن پر عمل کرکے اللہ کی قربت حاصل ہوتی ہے؛ یعنی اوامر کی بجا آوری اور منہیات سے اجتناب۔ یہاں وسیلہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ تم اپنے اور اللہ کے درمیان کوئی واسطہ بنالو، اس معنی کی تائید نہ تو قرآن کریم سے ہوتی ہے نہ سنت نبویہ سے، اور نہ ہی معتبر اہل علم میں سے کسی نے یہ معنی مراد لیا ہے، بلکہ کتاب وسنت میں وسیلہ سے مراد یہ ہے کہ اطاعت کے کاموں کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے۔

لہذا جس نے وسیلہ کی تفسیر واسطہ کے ذریعہ کی ہے وہ تفسیر باطل ومحدث ہے، کسی ائمہ تفسیر نے ''وسیلہ'' کی یہ تفسیر نہیں بیان کی ہے، وللہ الحمد۔

علی کل حال یہ ایسے باطل شبہات ہیں جن کا علم کی دنیا میں کوئی وزن نہیں، اس کے باوجود یہ لوگ اس پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں۔

۵ **پانچواں شبہہ:** بعض حضرات ان قبر پرستوں کے حق میں عذر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''مزاروں اور قبروں کی عبادت کرنے والے جہالت کے سبب معذور ہیں''۔ یہ مقولہ آج کل بکثرت سننے اور پڑھنے میں آرہا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس طرح کے اعمال جائز نہیں ہیں، لیکن دراصل ان شرکیہ اعمال میں مبتلا حضرات جاہل ہیں، اس لئے ہم انہیں معذور سمجھتے ہیں۔

جواب: اس شبہ کے جواب میں ہم کہیں گے کہ: آخر وہ کس اعتبار سے جاہل ہیں؟ جبکہ وہ قرآن پڑھتے اور سنتے بھی ہیں، اور قرآن میں تو بار بار شرک سے روکا گیا ہے، اللہ کے علاوہ کو واسطہ بنانے سے منع کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ قرآن کریم جس تک پہونچ گیا ہو۔ اور وہ عربی ہو، قرآن کا معنی سمجھتا ہو۔ تو گویا اس پر حجت قائم ہوگئی، اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن

بَلَغَ ﴾[الانعام:١٩] اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تا کہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہونچے ان سب کو ڈراؤں۔

لہذا جس کسی عربی کے پاس یہ قرآن پہونچ جائے اس پر گویا حجت قائم ہوگئی ، البتہ کوئی غیر عربی (عجمی) ہو تو اس کے سامنے قرآن کا ترجمہ پیش کیا جائے تا کہ وہ اپنی زبان میں قرآن کریم کی مراد سمجھ سکے۔

حیرت تو یہ ہے کہ بلاد عرب میں فصیح وبلیغ عربی بولنے والے بھی قبر اور مزاروں کی عبادت میں گرفتار ہیں، ان میں سے کچھ تو ''سیبویہ نحوی'' کی کتاب کے حافظ بھی ہوتے ہیں، عربی زبان اور بلاغت پر عبور رکھتے ہیں، اس کے باوجود قبر پرستی میں مبتلا ہیں۔تو کیا ایسے لوگ بھی جہالت کے سبب معذور قرار دئے جائیں گے؟؟

عرب مما لک میں قبر پرستی اور مزارں کی عبادت میں مبتلا لوگوں کی اکثریت قرآن کو سمجھتی ہے کیونکہ قرآن انہیں کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ پھر کیسے آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ جاہل ہیں؟ اور آخر یہ جہالت کب تک قابل عذر ہوگی؟

یہ سوال اس لئے ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن کے بعد ہی جاہلیت کا خاتمہ ہوگیا، علم وحجت کا دور آگیا، بھلا بتائیے کہ اسلامی ملک کا شہری ہونے کے باوجود کیا اب بھی وہ جہالت کے سبب معذور قرار دیا جائے گا؟ حالانکہ وہ قرآن حفظ کرتا ہو، پڑھنا اور سنتا ہو، اہل علم کے کلام سنتا ہو، بالخصوص میڈیا کے اس دور میں تو با آسانی اہل علم کے کلام لوگوں تک پہونچ جاتے ہیں، صبح وشام قرآن کی تلاوت ہو رہی ہے اور میڈیا کے ذریعہ مشرق ومغرب کے لوگ سنتے ہیں، اس کے باوجود یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں تک حجت نہیں پہونچی؟ کیسے انہیں جاہل کہا جاتا ہے؟ باوجود کہ ان کی اکثریت کے پاس عربی زبان، علوم شرعیہ، قراءت نیز فقہ واصول فقہ میں حاصل کردہ ڈگریاں موجود ہیں۔

✶ **حاصل کلام** یہ ہے کہ ان قبر پرستوں کے پاس شرکیہ اعمال کے جواز کے لئے کوئی دلیل نہیں، ان کے دلائل اللہ کے یہاں باطل ہیں، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ انہیں صحیح دین کی ہدایت دے، ان کے سامنے حق کو واضح فرما دے، انہیں ہٹ دھری اور اندھی تقلید چھوڑنے کی توفیق دے، اور انہیں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کی توفیق دے، تاکہ ان کا دین صحیح ہو سکے۔

اپنے آپ کو مسلمان کہنے والوں کا ایک طبقہ اس طرح کے شرکیہ اعمال میں مبتلا ہے، یہ فی الواقع بڑا خطرناک معاملہ ہے، اور اے اللہ کے بندو! آپ اس طرح کی چیزیں سنتے رہتے ہوں گے، اور آپ میں سے جن بعض حضرات نے اس طرح کی جگہوں کا دورہ کیا ہوگا، انہیں ان کے شرکیہ اور وثنیہ اعمال کے عجائب وغرائب کا بخوبی مشائدہ ہوگا، معاملہ اس قدر سنگین ہوگیا ہے کہ یہ لوگ کسی نصیحت کرنے والے اور حق کی طرف دعوت دینے والے کی نصیحت بھی قبول کرنے کو تیار نہیں، یہ سارے حالات جانتے ہوئے کسی عالم اور طالب علم کے لئے یہ قطعاً درست نہیں کہ اس پر خاموش رہے، بلکہ اس کی یہ ذمہ ہے کہ انہیں خالص توحید کی دعوت دے، اور انہیں شرک اور اس کی خطرناکی سے آگاہ کرے، اسی طرح مسلم حکمران پر واجب ہے کہ ان سے جہاد کریں تاکہ سارا دین اللہ کے لئے ہو جائے۔

اگر ہم خاموش بیٹھے رہے تو بتایئے کہ آخر دعوت کا معنی کیا ہوا؟

دعوت کا مفہوم کیا صرف یہی رہ گیا ہے کہ ہم لوگوں کو سچائی کی دعوت دیں، لین دین میں دھوکہ دھڑی اور زنا سے تو روکیں، لیکن انہیں سب سے خطرناک گناہ شرک چھوڑنے کی دعوت نہ دیں؟

دعوت کی شروعات دعوتِ توحید سے کرنے کے بجائے فروعی امور سے کیا جائے کیا یہی دعوت کا مفہوم ہے؟

جبکہ شرک کے علاوہ بقیہ گناہ کی مغفرت مشیتِ الٰہی پر موقوف ہے، لیکن شرک کی کوئی بخشش نہیں، شرک کی بخشش اللہ کی مشیت پر موقوف نہیں، لہذا اصل کو چھوڑ کر فروعی احکام ومعاملات کے ذریعہ دعوت کی شروعات کرنا دعوت الیٰ اللہ کا طریقہ نہیں، کیونکہ انبیاء اور رسولوں نے دعوت کی شروعات عقیدہ کی درستگی سے کی، انہوں نے اصل کو چھوڑ کر جزئیات سے دعوت کی شروعات نہیں کی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب تک لوگوں کا عقیدہ صحیح نہیں ہوگا تب تک انہیں کوئی بھی نیک عمل فائدہ نہیں دے سکتا۔

فرض کیجئے کہ انسان زنا، شراب، سود وغیرہ تمام حرام کام چھوڑ دے، حتی کہ نمازیں بھی پڑھے، اور اپنا پورا مال صدقہ وخیرات کر دے، لیکن وہ مشرک ہو، تو اسے ان محرمات کا چھوڑنا اور اعمالِ صالحہ کا کرنا کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔

لیکن وہیں انسان کے پاس اگر شرک سے پاک توحید واخلاص ہو، اور وہ شرک کے علاوہ کبائر گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے، تب بھی اس کے لئے مغفرت کی امید رکھی جائے گی، اور اگر اسے عذاب سے دو چار بھی کیا گیا تو وہ عذاب ہمیشگی کا نہ ہوگا۔

لہذا اس اہم مشن کو چھوڑ کر دوسری طرف کیسے التفات کیا جا سکتا ہے؟

آپ دعاۃ اور مؤسسات ومراکز کے ذریعہ جاری بکثرت دعوتی جہود سے بخوبی واقف ہوں گے، لیکن اس کے باوجود دیکھئے مزاروں کا وہی حال ہے، بلکہ عالم اسلام میں مزاروں کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی ہے، سماج پر تصوف وبدعات کثرت سے چھائے جا رہے ہیں۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ دعوت الی اللہ کہاں ہے؟ اس کے جہود وثمرات کہاں ہیں؟ ان دعوتی سینٹروں سے کونسا دعوت الی اللہ ہو رہا ہے؟

ہم پر واجب ہے کہ اس معاملہ کے تئیں بیدار ہوں، لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف علم وبصیرت کے ساتھ بلائیں، ہم دعوت کی شروعات اسی توحید سے کریں جس کے ذریعہ انبیاء و

رسولوں نے کی، پہلے لوگوں کا عقیدہ درست کریں، پھراس پر دین کی عمارت قائم کریں، کیونکہ یہی دین کی اساس ہے، اور اگر اساس درست ہوتو عمارت بھی درست ہوگی، لیکن جب اساس ہی نادرست ہوتو عمارت ڈھے جائے گی۔

اللہ کا فرمان ہے:﴿أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾[التوبۃ:۱۰۹] آیاوہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے پر اور اس کی خوشنودی پر رکھی ہو، یاوہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارے پر رکھی ہو جوکہ گرنے والی ہو، پھر وہ اس کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے، اور یاد رکھئے اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو سمجھ ہی نہیں دیتا۔

یہ مثال اس شخص کے لئے بڑی واضح ہے جس نے اپنے دین کی بنیاد عقیدۂ صیحہ پر رکھی ہے، اوراس کے لئے بھی یہ مثال بڑی واضح ہے جس نے اپنے دین کی بنیاد شرک اور دین کے مخالف امور پر رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں راہ حق دکھائے اوراس کے اتباع کی توفیق دے، اور ہمیں باطل سے آگاہ فرمائے اوراس سے بچنے کی توفیق دے، **انہ سمیع مجیب**۔

❀❀❀

سوالات وجوابات

سوال: شیخ آپ نے درس کے دوران ذکر کیا کہ شرک اصغر کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے کہ؛ اس کا مرتکب بخشا جائے گا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں راجح کیا ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں آیت کریمہ کے عموم سے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مرتکب کو نہیں بخشا جائے گا، البتہ اس کا مرتکب شرک اکبر کے مرتکب کی طرح ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔

سوال: تبرک کا عمل کب شرک ہوتا ہے اور کب شرک نہیں ہوتا؟

جواب: شرک اس صورت میں ہوگا جب انسان یہ سمجھے کہ برکت اللہ کے علاوہ کی طرف سے حاصل ہورہی ہے، جیسے: شجر وحجر سے تبرک حاصل کرتے ہوئے یہ سمجھے کہ یہی ہمیں برکت سے نوازتے ہیں تو یہ شرک اکبر ہے، اور اگر یہ عقیدہ رکھے کہ یہ چیزیں حصول برکت کا سبب ہیں، برکت اللہ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے تو یہ شرکِ اصغر ہے۔

سوال: اگر کوئی آدمی اپنا ذبیحہ فلاں قبر کے پاس اس امید کے ساتھ ذبح کرے کہ اس کے ذبیحہ پر برکت نازل ہوگی، تو اس ذبح کو شرک اکبر شمار کیا جائے گا، یا شرک اصغر؟

جواب: اگر ذبیحہ کو کسی میت یا قبر کے لئے ذبح کیا گیا ہو تو شرک اکبر ہے، اور اگر اسے اللہ کے لئے ذبح کیا گیا ہو، لیکن اس کا گمان ہو کہ اس جگہ ذبح کرنے سے فضیلت حاصل ہوگی تو یہ شرک اصغر ہے، یعنی شرک اکبر تو نہیں لیکن شرک اکبر تک پہونچانے کا ذریعہ ہے۔

سوال: کیا ارتداد کے ثبوت کے لئے کچھ معتبر شرائط ہیں؟

جواب: ارتداد کے ثبوت کے لئے دو شرطیں ہیں:

[۱] **پہلی شرط:** وہ شخص جہالت کے سبب معذور نہ ہو، یعنی ایسا نہ ہو کہ اسے دین کی کوئی بھی چیز نہ پہونچی ہو، اور نہ وہ مسلمانوں کی آبادی سے دور کسی ایسے علاقہ میں زندگی گذار رہا ہو کہ اسے دین کی تعلیمات سنائی دی ہو نہ پہونچی ہو، ایسے شخص پر مرتد ہونے کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جائے گا جب تک کہ اس کے سامنے شرک وکفر کی وضاحت نہ کردی جائے۔

[۲] **دوسری شرط:** اس نے اکراہ ومجبوری کی حالت میں کفریہ کلمات نہ کہے ہوں، لہذا جسے کفریہ کلمہ کہنے پر مجبور کیا گیا ہو، جبکہ اس کے دل میں ایمان وعقیدہ صحیح طور پر راسخ ہوتو ایسا شخص مجبوری کی وجہ سے معذور قرار پائے گا، اس پر مرتد کا حکم نہیں لگایا جائے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ [النحل:۱۰۶] جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔

سوال: اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو یہ کہتا ہے کہ: کتاب ''نواقض الاسلام'' اور کتاب ''کشف الشبھات'' لوگوں کو تکفیر کی تعلیم دیتی ہے، اور انہیں تکفیر پر جری بناتی ہے، لہذا بہتر ہے کہ ان کتابوں کے ذریعہ درس وتدریس نہ کی جائے؟

جواب: میں نے درس کے دوران بیان کیا تھا کہ یہاں کچھ ایسے لوگ بھی ملیں گے جو تم سے کہیں گے کہ کیوں اس کتاب کو پڑھاتے ہو؟ کیوں اس کی تشریح کرتے ہو؟ یہاں کے لوگ تو سب مسلمان ہیں۔ اس طرح کے اعتراض کرنے والوں کے یہاں مسلمان ہونے کے لئے صرف اسلام کا نام ہی کافی ہے، اگرچہ لوگ کچھ بھی کررہے ہوں۔

اس طرح کی باتیں پہلے بھی کہی گئی ہیں اور آج بھی کہی جارہی ہیں، دراصل یہ لوگ توحید کے دشمن ہیں، انہیں توحید کی نعمت نہیں چاہئے، یہی ان کا مقصد ہے، لیکن ہم لوگ ان کی ناپسندیدگی کے باوجود ان شاء اللہ اسے پڑھیں گے، اور مدارس کے مقررات میں بھی شامل کیا

جائے گا، نیز اسی طرح مساجد کے دروس میں شرح بھی کی جائے گی، اہل علم پر یہ واجب ہے، اورعوام الناس پر بھی واجب ہے کہ وہ اس توحید کو سیکھیں، کیونکہ یہ دین کی اساس ہے۔

سوال: ایک آدمی ہے جو غیر اللہ کو پکارتا ہے، میں نے اس سے کہا کہ یہ عمل شرک ہے، لیکن اس نے میری نصیحت قبول نہ کی، تو کیا ہم اس پر مشرک کا حکم لگا سکتے ہیں؟ یا ضروری ہے کہ کوئی عالم اس پر حکم لگائے؟

جواب: ہم اس پر اس وقت تک حکم نہیں لگا سکتے جب تک کہ اس کا کلام نہ سن لیں، اور اس کی حالت نہ جان لیں کہ وہ صحیح العقل ہے یا نہیں؟ نیز اس مسئلہ میں اہل علم کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، اس کے بارے میں اس ملک کے اہل علم کو بتایا جائے، تا کہ اس کے ساتھ وہ واجبی کاروائی کر سکیں۔

تیسرا درس؛ دوسرے ناقض کی شرح

مصنف رحمہ اللہ اسلام کو ڈھا دینے والے دوسرے ناقض کے بارے میں لکھتے ہیں:
''جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ اختیار کرے اور اس سے دعائیں مانگے، شفاعت طلب کرے اور اس پر توکل و بھروسہ بھی کرے تو ایسا شخص بالاجماع کافر ہے''۔

شرح:

مصنف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ: ''جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ اختیار کرے''، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مخلوقات میں سے ایسے لوگوں کا واسطہ اختیار کرے جو اس کے گمان کے مطابق اللہ کے نزدیک واسطہ بن کر کام آنے والے ہیں۔

● ٭ اللہ اور مخلوقات کے درمیان واسطہ کا مسئلہ ٭

اس میں تفصیل ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا[1]:

[ا] جو شخص کہے کہ: اللہ اور اس کے مخلوقات کے درمیان واسطہ ضروری ہے، اس سے سوال کیا جائے گا کہ واسطہ سے تمہاری کیا مراد ہے؟ اگر اس کا مقصود یہ ہو کہ ہمارے اور اللہ کے درمیان ایسا واسطہ ضروری ہے جو تبلیغِ رسالت اور پیغمبری کا فریضہ انجام دے تو یہ بالکل صحیح ہے، بلکہ جو اس کا انکار کرے وہ کافر ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شریعت بندوں تک پہچانے کے لئے فرشتوں اور پیغمبروں کا واسطہ ضروری ہے، لہذا شریعت کو لانے والے فرشتوں اور رسولوں کا جو انکار کرے وہ شخص بلاشبہ کفر کا مرتکب ہوگا، اگر کوئی یہ کہے کہ فرشتوں

---

① دیکھئے: مجموع الفتاویٰ: ۱/ ۱۲۱، ۱۲۳۔

اور انبیاء کی کوئی ضرورت نہیں، ہم اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈائریکٹ تعلق رکھتے ہیں۔جیسے صوفیہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے بلا کسی واسطہ کے شرعی احکام اخذ کرتے ہیں۔تو ایسا عقیدہ رکھنا بالاجماع کفر ہے۔

۲ جبکہ ایک واسطہ یہاں ایسا ہے جس کو درست ثابت کرنے والا کفر کا مرتکب ہوگا، اور یہ وہی واسطہ ہے جس کو مصنف رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، یعنی: اپنے اور اللہ کے درمیان ایسا واسطہ یا وسیلہ اختیار کرنا جس سے دعا مانگی جائے یا شفاعت طلب کی جائے نیز اس پر توکل اور بھروسہ بھی رکھا جائے، اس طرح کے واسطہ یا وسیلہ کا جس نے بھی اقرار کیا وہ بالاجماع کافر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانے میں ہمارے اور اللہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، بلکہ ہم پر واجب ہے کہ صرف اللہ عزوجل ہی کی عبادت کریں، اسی سے بغیر کسی واسطہ کے دعائیں مانگیں، اسی سے بغیر کسی واسطہ کے شفاعت طلب کریں، اسی پر بغیر کسی واسطہ کے بھروسہ رکھیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ [غافر:٦٠] اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عنقریب وہ ذلیل ہو کر دوزخ میں داخل ہوں گے۔

اللہ نے یہ نہیں کہا کہ مجھے فلاں کے واسطے سے پکارو یا فلاں کا وسیلہ اختیار کرو، لہذا جس نے ایسے واسطے کو درست ثابت کیا اس نے کفر کیا، کیونکہ اپنے اور اللہ کے درمیان ایسے واسطے کو اختیار کرنے سے جو عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص تھی اس میں کچھ حصہ غیروں کو بھی دے دیا جاتا ہے، اس نیت سے کہ وہ اسے اللہ کے قریب کر دیں گے۔ یہ تو وہی بے بنیاد توجیہ ہے جسے پہلے کے مشرکین پیش کر چکے ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں ان کی یہ توجیہ ان الفاظ میں مذکور ہے:﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾[یونس:۱۸] اور وہ لوگ اللہ کے سوا اس چیز کی پرستش کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکے اور نہ انہیں نفع دے سکے اور کہتے ہیں اللہ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالی نے وسیلہ اور واسطہ اختیار کرنے کو عبادت سے تعبیر کیا ہے۔

نیز آگے فرمایا:﴿قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحَانَهُ وتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾[یونس:۱۸] کہہ دو کیا تم اللہ کو وہ کچھ بتلاتے ہو جو اسے آسمانوں وزمین میں معلوم نہیں، وہ پاک ہے اور ان لوگوں کے شرک سے بلند ہے۔

یہاں اللہ تعالی نے اس عمل کو شرک قرار دیتے ہوئے اس سے اپنی ذات کو بری قرار دیا ہے، حالانکہ آجکل مزار پرست؛ مُردوں کے پجاریوں کی یہی حالت ہے، وہ اولیاء اور صالحین کو اللہ کے پاس وسیلہ بناتے ہیں، ان کی قبروں کے پاس جانور ذبح کرتے ہیں، نذر و نیاز کرتے ہیں اور انہیں سے مدد طلب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے علاوہ انہیں کو پکارتے ہیں، جب ان سے کہا جائے کہ یہ شرک ہے تو کہتے ہیں کہ یہ مردے ہمارے اور اللہ کے درمیان واسطے ہیں، ہم یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ یہ بھی اللہ کے ساتھ ساتھ خالق و رازق اور مدبر ہیں۔ ہم نے انہیں صرف اللہ کے درمیان واسطہ بنایا ہے جو اللہ تعالی تک ہماری ضرورتوں کو پہنچاتے ہیں۔

یہی تو پہلے مشرکوں کا شرک تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفَى إِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ﴾[الزمر:۳] اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبے تک ہماری رسائی کرا دیں، یہ لوگ جس کے بارے میں

اختلاف کر رہے ہیں اس کا (سچا فیصلہ) اللہ خود کرے گا، جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا۔

سو اللہ تعالی نے اس آیت میں ان کے اس عمل کو جھوٹ اور کفر قرار دیا ہے۔

✷ اور رہے وہ لوگ جو اس اعتقاد کے ساتھ وسیلہ اختیار کرتے ہیں کہ یہ بس اسباب ہیں، وہ ان سے دعا نہیں مانگتے، ان کے آستانوں پر جانور ذبح کرتے ہیں نہ ہی ان پر توکل رکھتے ہیں، ان کا اعتقاد ہے کہ عبادت صرف اور صرف اللہ ہی کے لئے درست ہے، لیکن انہوں نے بزرگوں کا واسطہ اس لئے اختیار کیا ہوا ہے کہ وہ ان کے گمان کے مطابق اللہ سے قریب کرنے کا ذریعہ اور سبب ہیں، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ان کے جاہ ومرتبہ کے وسیلہ سے دعا مانگتے ہیں۔

سو ان کا یہ عمل بدعت ہے اور شرک کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دعا اور طلبِ شفاعت کے لیے ہمیں وسیلہ اختیار کرنے کا حکم نہیں دیا ہے اور نہ ہی یہ قبولیتِ دعا کا کوئی مشروع سبب ہے کہ آپ اپنے اور اللہ کے درمیان کسی صالح یا کسی نبی کا واسطہ اختیار کریں۔ اس طرح کا عقیدہ رکھنا گویا بغیر علم کے اللہ پر بہتان باندھنا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دعا کرنے کا حکم دیا ہے، واسطہ اختیار کرنے کا نہیں، لہذا دونوں حالتوں میں تمیز اور فرق ضروری ہے:

١ ایک اس شخص کی حالت ہے جو وسیلوں کی ہی عبادت کرنے لگتا ہے؛ ان کے لیے جانور ذبح کرتا ہے، نذر نیاز مانتا ہے، ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

٢ جبکہ دوسرے شخص کی حالت ہے یہ ہے کہ وہ ان وسیلوں کی عبادت نہیں کرتا اور نہ ہی ان کے لئے نذر مانتا اور چڑھاوے چڑھاتا ہے، بلکہ اس کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ فقط اسباب ہیں

جو ان کی ضرورتوں کو اللہ تک پہنچاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی بڑی قدر و منزلت ہے، تو یہ باطل و بدعت ہے، کیونکہ یہ دین میں ایک ایسی نئی چیز ایجاد کرنا ہے جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی ہے، اسی طرح یہ شرک کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے، نیز ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ بعد میں آنے والے لوگ صرف وسیلہ اختیار کرنے پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ اکثریت ان کی عبادت کرنے لگتی ہے، نذر و نیاز مانتی ہے، ان کے لئے جانور ذبح کرتی ہے، جیسا کہ مزاروں کے پاس اس طرح کی وبا عام ہے، معاملہ یہ ہو گیا ہے کہ مزاروں کی چوکھٹ اور اس کے پاس کی مٹی سے لوگ تبرک حاصل کرتے نظر آرہے ہیں، انہی مزاروں پر حج کرتے ہیں، متعین اوقات میں اعتکاف کرتے ہیں، مختلف قسم کے جانور لاتے ہیں اور مزار کے صحن میں ذبح کر کے تقرب حاصل کرتے ہیں، اور یوں اللہ تک اپنی حاجت پہونچانے کا عمل مکمل کرتے ہیں، زمانۂ قدیم سے ہی ان کا یہ دین بنا ہوا ہے؛ جب سے قبروں پر مسجدیں بنائی گئیں تبھی سے یہ سلسلہ جاری ہے، گویا جو کچھ اللہ کے رسول ﷺ نے خبر دی تھی اسی طرح واقع بھی ہو رہا ہے، یہ لوگ ایسی چیزوں میں پڑ گئے جن میں یہود و نصاریٰ پڑے تھے، یعنی قبروں پر عمارت بنانے کے سلسلے میں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**إنَّ مَن كانَ قَبْلَكُمْ كانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أنْبِيائِهِمْ وصالِحِيهِمْ مَساجِدَ، ألا فلا تَتَّخِذُوا القُبُورَ مَساجِدَ، إنِّي أنْهاكُمْ عن ذلكَ**''[1]۔ یقیناً تم سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے اپنے نبیوں اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا، خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کا عمل اس امت کی پہلی صدی سے ہی منع تھا جو افضل ترین تین

① صحیح مسلم: ۵۳۲۔

صدیوں میں سے ہے، اور قبروں پر عمارت بنائے جانے کا وجود بھی اُس زمانہ میں نہیں رہا، یہاں تک کہ فاطمیوں کی حکومت قائم ہوگئی، فاطمی چونکہ باطنی قسم کے شیعہ تھے، لہذا جب انہوں نے مصر اور بہت سارے علاقوں پر قبضہ کیا، تو انہوں نے قبروں پر مزارات بنا ڈالے، اور یوں مصر اور دیگر مسلم علاقوں میں مزاروں کی تعداد بڑھتی گئی، اور بقول امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ: اہل تشیع ہی وہ بدبخت ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قبروں پر عمارت بنائی۔

● * وسیلہ اختیار کرنے والوں کے بعض شبہات جن سے وہ استدلال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ دلائل ہیں *

① پہلا شبہ:

اولیاء وصالحین کو واسطہ بنانا اس حجت کے ساتھ کہ یہ اس وسیلہ کی ایک شکل ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [المائدة:٣٥] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اللہ کا قرب تلاش کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا﴾ [بنی اسرائیل:٥٧] جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں، خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے اللہ کے، وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں، بات بھی یہی ہے کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

ان دونوں آیتوں میں موجود ﴿الْوَسِيلَةَ﴾ کی تفسیر انہوں نے اس طرح کی کہ: 'اپنے اور اللہ کے درمیان مخلوقات میں سے کسی کو واسطہ بناؤ'۔

واضح رہے کہ یہ تفسیر باطل اور منگھڑت ہے،ائمہ تفسیر نے ''وسیلہ'' کی یہ تفسیر نہیں کی ہے، بلکہ انہوں نے وسیلہ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ اِس سے مراد: ''اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا اوراس کی عبادت کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کرنا ہے''۔

یہاں وسیلہ سے مرادعبادت وبندگی کا وہ راستہ ہے جواللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لے جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا راستہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے،سو وسیلہ کا معنی ہوا؛ اللہ رب العالمین کی عبادت واطاعت ؛یعنی اللہ کے اوامر کی بجا آوری اورنواہی سے اجتناب۔

اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ:﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ تو اس سے مرادعرب کے وہ لوگ ہیں جوفرشتوں کی عبادت کرتے تھے اوروہ نصاریٰ بھی مراد ہیں جوعیسیٰ مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے،اللہ تعالی نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کراس کے بندوں کی عبادت کرتے ہواورانہیں کے ذریعہ تقرب حاصل کرتے ہو، یہ تو میرے ہی بندے ہیں جو مجھ سے قریب ہونے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے پاس نہ کسی چیز کا اختیار ہے، اور نہ ہی ربوبیت میں ان کا کوئی حصہ ہے، وہ صرف اورصرف بندے ہیں ، وہ عبادت کے ذریعہ اللہ سے قریب ہونے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ کی رحمت کی امید کرتے ہیں اوراس کے عذاب سے خوف کھاتے ہیں،لہذا اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ایسوں کا واسطہ اختیار کرنا بالکل جائز نہیں، اللہ کا ارشاد ہے:﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ﴾ (وہ لوگ جنہیں یہ پکارتے ہیں)یعنی وہ مشرکین ؛ جن فرشتوں اوربعض رسولوں –جیسے عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ–کو پکارتے ہیں وہ خود اللہ ہی کے بندے ہیں،ان کے ہاتھ میں کسی چیز کا کوئی اختیار نہیں ،﴿يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾(وہ بھی اپنے رب کی طرف نیکیوں کا ذریعہ تلاش کرتے ہیں)، معلوم ہوا کہ وہ خود اللہ کے در کے محتاج اور

ضرورت مند ہیں، ﴿وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَه وَيَخَافُوْنَ عَذَابَه﴾ (اور وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں)، اس کے باوجود بھی لوگ انہیں اپنا معبود کیسے بنا لیتے ہیں؟ حالانکہ وہ خود اللہ کے بندے ہیں، خود اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، اس کی رحمت کی امید کرتے ہیں اور اس کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں!

آیتِ وسیلہ کی یہی وہ صحیح تفسیر ہے جسے ائمہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔

نیز مذکورہ آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے، سو جنّ حضرات اسلام لے آئے، لیکن ان پجاریوں کو اُن کے قبولِ اسلام کی خبر نہ لگی، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ تم جن کی عبادت کرتے تھے انہوں نے تو اسلام قبول کر لیا، اب وہ خود قربت الٰہی کے حصول میں سرگرداں ہیں، اللہ کی رحمت کی امید کرتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ سو انہیں کیوں کر اللہ کے ساتھ معبود بنایا جائے، جو اللہ ہی کے عبادت گزار بندے ہیں، اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے بھی ہیں؟

✶ اس آیت کی دو ہی تفسیر صحیح ہے:

① یہاں وسیلہ سے مراد ان لوگوں کے وسیلہ کا تذکرہ ہے جو ملائکہ اور بعض رسولوں کی پرستش کرتے تھے۔

② یا ان لوگوں کے وسیلہ کا بیان ہے جو بعض مشرک جنات کی پرستش کرتے تھے، لیکن جب یہ جن مسلمان ہو گئے، اور ان کے پجاریوں کو اس کا علم نہ ہو سکا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خبر دی، اور ان کے وسیلہ کی تردید فرمائی۔

بہرحال جب وہ سب اللہ کی قربت کے متلاشی، اس سے امیدیں لگانے والے، عذاب سے ڈرنے والے اسی کے بندے ہیں، تو ان کو اللہ کے ساتھ معبود بنا لینا آخر کیسے درست

ہوسکتا ہے؟ ہرگز درست نہیں ہوسکتا، اسی لئے اہل بدعت کی یہ تفسیر باطل ہے کہ وسیلہ کا مطلب اللہ اور مخلوق کے درمیان اسباب وسائل کو اختیار کرنا ہے، الحمدللہ ان کی یہ حجت ساقط ہوگئی۔

۲ دوسرا شبہ:

ان کا دوسرا شبہ یہ ہے کہ وہ اللہ اور مخلوق کے درمیان واسطہ اللہ کی تعظیم کے طور پر اختیار کرتے ہیں، چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ عظیم ہے، اور اس تک بغیر واسطے کے نہیں پہونچا جاسکتا، سو یہ واسطے ان کے لئے اللہ کے یہاں سفارشی کا کام کرتے ہیں، لہذا ان کے گمان کے مطابق یہ اللہ کی تعظیم میں سے ہے، جیسے دنیا کے بادشاہوں کا حال ہے کہ ان تک پہنچنے کے لئے وساطت اور سفارش کی ضرورت ہوتی ہے۔

● **مذکورہ قیاس سے درج ذیل باتیں لازم آتی ہیں:**

① ***سب سے پہلی بات*:** یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کیا، حالانکہ یہ باطل قیاس ہے، اس قیاس کی بنیاد پر واسطہ اختیار کرنا اللہ کی تعظیم نہیں، ایسا کرنا دراصل اللہ کی توہین ہے، کیونکہ انہوں نے خالق کو مخلوق پر قیاس کر ڈالا، اور اپنے اس قیاسِ باطل کے ذریعہ اللہ کی عبادت کا کچھ حصہ غیر اللہ کو دے دیا، جبکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی غیر کو شریک کرنا اللہ کی شان میں صریح گستاخی ہے، اسے تعظیم قطعاً نہیں قرار دیا جاسکتا۔

② ***دوسری بات*:** اللہ تعالیٰ کو انسانوں پر قیاس کرنا اس کی تنقیص ہے، کیونکہ اللہ اپنے بندوں کے سارے حالات سے باخبر ہے، جب کہ بادشاہوں کو رعایا کے حالات کی خبر نہیں ہوتی، انہیں رعایا کے بارے میں اُتنا ہی معلومات ہوتی ہے جتنا ان کو خبر دی جاتی ہے، وہ انسان ہیں جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ وہ قادر مطلق ہے جو زمین وآسمان کی ساری چیزوں سے

باخبر ہے، وہ کسی ایسے قاصد کا محتاج نہیں ہے جو اس کے پاس اس کے بندوں کی ضرورتوں کو پہنچائے۔

③* **تیسری بات** *: دنیا کے بادشاہوں کو حاجت ہوتی ہے کہ وہ سفارشیوں کی سفارش قبول کرے کیونکہ بادشاہ اپنے معاونین اور وزیروں کا محتاج ہوتا ہے اگر وہ سفارش ٹھکرا دے تو وزراء اور معاونین اس کی مخالفت کرتے ہوئے جانی دشمن ہوجائیں گے، لہذا بادشاہ اپنی بادشاہت کی حفاظت، اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی خاطر ان کی شفاعت قبول کرنے پر مجبور ہوتا ہے اگرچہ وہ اسے ناپسند ہو، تاکہ لوگ اس کے فرمانبردار رہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات تو بڑی نرالی ہے، وہ اپنے بندوں سے بے نیاز ہے، اسے دنیاوی بادشاہوں کی طرح کسی وزیر یا سفارشی کی ضرورت نہیں ہے۔

④* **چوتھی بات** *: دنیا کے بادشاہ اکثر خیر نہیں چاہتے اور نہ ہی مطالبات کو پورا کر پاتے ہیں، اور اگر پورا بھی کرتے ہیں تو بوجھ سمجھ کر، نیز دنیا کے بادشاہ کئی لوگوں کے زیر اثر ہوتے ہیں، جبکہ اللہ تو سخی و مہربان ہے، اس پر کسی کا کوئی اثر نہیں کہ وہ اپنے بندوں کے لئے خیر کا ارادہ نہ کرے، اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ جب آپ اس سے دعا مانگیں یا کچھ طلب کریں تو اسے اپنے قریب اور دعاؤں کا سننے والا پائیں گے، وہ کسی وسیلے یا کسی ذریعے کا محتاج نہیں ہے، برخلاف دنیا کے بادشاہوں کے، کیونکہ وہ دنیا کے عام دستور کے مطابق لوگوں کے مطالبات بغیر لیت ولعل کے پورا نہیں کرتے، اور اس لئے بھی کہ وہ انسان ہیں، اور انسان کی صفات میں سے بخیلی و کنجوسی، لالچ وحرص اور ناپسندگی وغیرہ ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ مہربان ہے سننے والا ہے، قریب ہے، بے نیاز ہے۔

⑤* **پانچویں بات** *: یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہ محتاج ہیں ان کے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہوجانے والا ہے، اور بسا اوقات ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا، اسی لئے وہ قرض لینے پر اور

ناجائز قبضہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسا طاقتور اور دولت والا ہے کہ زمین کے سارے خزانے اسی کے پاس ہیں، وہ غنی ومہربان ہے، مخلوقات کی تمام ضرورتیں اسی کے پاس سے پوری ہوتی ہیں۔

حدیث قدسی میں اللہ کا فرمان ہے: ''اے میرے بندو اگر تم انس وجن میں سے اگلے پچھلے سارے لوگ کسی اونچی چوٹی پر کھڑے ہو جاؤ، پھر سوال کرو، اور میں سارے سوالوں کے مطابق انہیں عطا بھی کر دوں، پھر بھی میرے خزانے میں سے کچھ بھی کمی نہیں ہوگی مگر اس قدر جتنا سوئی کو سمندر میں ڈبو کر اٹھایا جائے''[1]۔

یعنی فرض کیجئے کہ اگر ابتدا سے انتہا تک انس وجن کی ساری مخلوقات جمع ہو جائیں پھر اللہ سے سوال کریں اور اللہ تعالیٰ ان سب کی ضرورتوں کو پورا بھی کر دے، تو بھی اس کی بادشاہت میں ذرا برابر بھی کمی واقع نہ ہوگی، برخلاف دنیا کے بادشاہوں کے کہ اگر وہ لوگ تمام لوگوں کی ضرورتوں کے مطابق دینا شروع کریں تو ان کے پاس جو کچھ ہے سب ختم ہو جائے گا۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ ۖ وَمَا عِندَ اللَّهِ بَاقٍ﴾ [النحل:۹۶] جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا، اور جو اللہ کے پاس ہے کبھی ختم نہ ہوگا۔

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ وسیلہ کے سلسلے میں خالق کو مخلوق پر قیاس کرنا متعدد وجوہات کی بنا پر باطل ہے۔

۳ تیسرا شبہ:

ان کی طرف سے دلیل کے نام پر ایک شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ہم نے جنہیں واسطہ بنایا ہوا ہے وہ اللہ کے نیک وبزرگ بندے ہیں، اللہ کے نزدیک ان کا مقام ومرتبہ انتہائی بلند

---

[1] صحیح مسلم: ۲۵۷۷۔

ہے، ہم انہیں کے صدقے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں، اور چونکہ ہم گنہگار لوگ ہیں اور وہ نیکوکار بزرگ ہیں، لہذا ہم انہیں اپنا سفارشی بناتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں۔

جواب: کسی دوسرے کا نیکوکار ہونا آپ کے لئے سودمند نہیں، اور نہ ہی کسی دوسرے کے عمل میں آپ کا کوئی حق ہے، ان کا نیک عمل انہی کے لئے سودمند ہوسکتا ہے، جبکہ آپ کو صرف آپ کا عمل فائدہ پہنچا سکتا ہے، اگر آپ کے ذخیرۂ عمل میں کوئی نیکی نہ ہوتو دوسرے نیکوکار لوگ مل کر بھی آپ کو کچھ نفع نہیں پہونچا سکتے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ﴾ [الانفطار: ١٩] جس دن کوئی شخص کسی کے لیے کچھ بھی مالک نہ ہوگا اور تمام تر احکام اس دن اللہ ہی کے ہوں گے۔

اسی طرح ایک اور جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ [عبس: ٣٤-٣٧] جس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا، اور اپنے ماں باپ، اور بیوی اور بچوں سے بھاگے گا، ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی جو اس کو اوروں کی طرف سے بے پروا کردے گی۔

لہذا صالحین کی نیکی اور ان کی قربتِ الٰہی آپ کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتی، جب تک کہ آپ کے پاس اپنا کوئی عمل نہ ہو، آپ خود کیوں نہیں اعمالِ صالحہ کرتے کہ آپ بھی نیک وصالح بن جائیں اور اللہ سے قریب ہوجائیں؟

آپ کا یہ عقیدہ کہ دوسرے کا عمل آپ کو اللہ سے قریب کردے گا، یہ محض ایک خیال ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [البقرة: ١٤١] وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی، ان کے لیے ان کے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے عمل ہیں، اور تم سے ان کے اعمال کی نسبت نہیں پوچھا جائے گا۔

یادرکھیں کہ ان کی نیکی اورقربت الٰہی آپ کوکوئی نفع نہیں دے سکتی، جب تک کہ آپ کے یہاں صحیح عقیدہ کی بنیاد پر پرکیا گیانیک عمل نہ ہو، اور عقیدۂ صحیحہ نہ ہونے کی صورت میں نیکوکاراورصالحین بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہونچاسکیں گے۔

نیز آپ کا یہ عمل شرک میں بھی شمار ہوگا اورمشرک کے لئے شفاعت قبول نہیں کی جاسکتی، اللہ کا فرمان ہے:﴿فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ﴾ [مدثر:۴۸] پس ان کوسفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔

معلوم ہوا کہ مشرک کے حق میں کی جانے والی سفارش قبول نہیں کی جائے گی، اورغیر اللہ کی عبادت شرک ہے، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی عبادت محض اس لئے ہے تا کہ وہ اللہ کے یہاں واسطہ بن جائیں،تو آپ مشرک ہیں اورمشرکوں کے حق میں شفاعت نفع بخش نہ ہو گی، لہذا آپ پر واجب ہے کہ آپ اللہ کے لئے انجام دئے جانے والے عمل کو درست کریں اور دوسروں کے اعمال سے امیدیں نہ لگائیں، کیونکہ ان کے اعمال انہی کوفائدہ دیں گے، ان کی نیکی وبھلائی انہی کے کام آئے گی، آپ کوصرف آپ کا ہی نیک عمل فائدہ دے گا، اگرآپ کے پاس کوئی نیک عمل نہ ہوتوکوئی بھی شخص اپنے عمل سے آپ کونفع نہیں پہنچاسکتا، اگر چہ وہ آپ کا کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو۔

۴ * چوتھا شبہ *:

ان کے نزدیک کافی مشہور ہے کہ عمرفاروق رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کے وقت عباس رضی اللہ عنہما کا وسیلہ اختیار کیا، اوران کے ذریعہ اللہ سے پانی طلب کی۔

قصہ یوں ہے کہ عمرفاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہما سے گزارش کی کہ وہ اللہ سے بارش کی دعا کریں، اورکہا کہ اے اللہ ہم پہلے تیرے نبی سے وسیلہ اختیار کرتے تھے توتو بارش نازل کرتا تھا، اب ہم تیرے نبی کے چچاکے وسیلے سے تجھ

سے پانی طلب کر رہے ہیں لہذا تو ہمیں سیراب کر دے، اے عباس کھڑے ہو جائیں اور دعا کریں، عباس رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور ان کے لیے دعا فرمائی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی[1]۔

اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے یہ لوگ کہتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عباس رضی اللہ عنہما کے وسیلہ سے بارش کی دعا طلب کرنا؛ واسطہ اختیار کرنے کے جواز کی دلیل ہے۔

جواب: ہم ان سے جواب میں یہ عرض کریں گے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہما کی دعا کا وسیلہ اختیار کیا تھا نہ کہ ان کی ذات کا یا ان کے مقام و مرتبہ کا، صرف اور صرف ان کی دعا کا وسیلہ اختیار کیا اور کہا کہ عباس کھڑے ہو جائیں اور دعا فرمائیں۔

اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ صالحین سے دعا طلب کرنا یا دعا کی درخواست کرنا جائز ہے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دعا کی درخواست کی جب انہوں نے سفرِ عمرہ کا ارادہ ظاہر کیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے میرے بھائی! ہمیں اپنی نیک دعاؤں میں نہ بھولنا''[2]۔

لہذا زندہ صالحین سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے، جہاں تک میت کی بات ہے تو ان سے کسی چیز کی درخواست نہیں کی جا سکتی، البتہ جو نیک انسان حاضر ہو اور زندہ ہو ان سے یہ طلب کرنا جائز ہے کہ وہ آپ کے لئے اللہ سے دعا کریں اور مسلمانوں کے لئے دعا کریں۔

اسی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب استسقاء کی نماز ادا کی تو زید بن اسود الجرشی کو حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں تو انہوں نے اللہ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول

---

[1] صحیح البخاری: ۱۰۱۰۔

[2] مسند أحمد: ۱۹۵، سنن أبی داود: ۱۴۹۸، سنن الترمذی: ۳۵۶۲، علامہ البانی، ابن عثیمین، ابن باز، شعیب الأناوط نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

بھی فرمائی [1]۔

فقہاء نے انہیں آثار کی بنا پر کتاب الاستسقاء میں صالحین کی دعاؤں کے ذریعہ توسل اختیار کرنا مستحب قرار دیا ہے۔ اور اگر کسی کی ذات کا توسل، یا مقام ومرتبہ کا توسل روا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو چھوڑ کر کسی اور طرف مڑنا پسند نہ فرماتے، کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام ومرتبہ اللہ کے نزدیک بہت بلند ہے اور یہ رتبہ آپ کی موت کے بعد بھی برابر قائم ہے، اس کے باوجود انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام ومرتبہ کا وسیلہ اختیار کرکے اللہ سے دعا نہیں مانگی اور نہ ہی آپ کے عمل کے واسطے سے دعا مانگی، بلکہ انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسے افضل الخلق کو چھوڑ کر مفضول یعنی آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہما کی دعاؤں کا وسیلہ اختیار کیا، آخر کیوں کر انہوں نے فاضل کا وسیلہ چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا؟ اس کے سوا کوئی اور وجہ نہیں کہ وہ سمجھتے تھے کہ فاضل چونکہ میت ہے، اور مرنے کے بعد اس سے کچھ طلب نہیں کیا جا سکتا، مدد صرف زندوں سے طلب کی جاتی ہے، زندوں سے ہی مال طلب کیا جاتا ہے، اور ان سے دعائیں بھی طلب کی جاتی ہیں، بشرطیکہ وہ قادر وحاضر ہوں، اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ [المائدۃ:۲] تم نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے رہو۔

غور کریں تو اثرِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں انہیں کا رد ہے، کیونکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہما سے ان کی ذات یا مقام ومرتبہ کے واسطے سے دعا نہیں طلب کی؛ کیونکہ یہ امرِ باطل ہے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تو صرف عباس رضی اللہ عنہما کی دعا کا واسطہ اختیار کیا ، آپ نے عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ کھڑے ہو کر ہمارے لئے دعا فرمائیں، یہ ایک جائز امر ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

---

[1] شرح اعتقاد أهل السنة للالکائی: ۹/ ۲۱۴۔

❁ یہاں ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ جائز وناجائز وسیلہ کے متعلق کچھ وضاحت کردیں:

واضح ہونا چاہئے کہ **توسل کی دو قسمیں ہیں**؛ جائز توسل اور ناجائز توسل۔

● **جائز توسل:** اس کی درج ذیل کئی قسمیں ہیں:

[أ] اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے اسماء وصفات کے ذریعہ وسیلہ اختیار کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [الاعراف:۱۸۰] اور سب اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں سو اسے انہیں ناموں سے پکارو، اور چھوڑ دو ان کو جو اللہ کے ناموں میں کجروی اختیار کرتے ہیں، وہ اپنے کئے کی سزا پا کر رہیں گے۔

﴿فَادْعُوهُ بِهَا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے اسماء وصفات کے ذریعہ وسیلہ اختیار کرو، آپ یوں کہہ سکتے ہیں: ''اے رحمان مجھ پر رحم فرما''، ''اے غفار میری مغفرت فرما''، ''اے کریم مجھے نواز اور مجھے عطا کر''، ''اے غنی مجھے بے نیاز کردے'' وغیرہ، جیسے ایوب علیہ السلام نے وسیلہ اختیار کیا، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اِن الفاظ میں فرمایا ہے: ﴿وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ [الأنبياء:۸۰] اور جب کہ ایوب نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے، اور تو رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

ایوب علیہ السلام نے اللہ کے یہاں اس کی صفت: ''ارحم الراحمین'' کا وسیلہ اختیار کیا تو اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی، اسی طرح یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں کئی تاریکیوں میں تھے؛ سمندر کی تاریکی، رات کی تاریکی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی، اس وقت انہوں نے اللہ کے صفات کا واسطہ اختیار کرکے دعا فرمائی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ

فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ﴾[الأنبياء:۸۷،۸۸] اور مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کو یاد کرو! جبکہ وہ غصہ سے چل دئے، اور خیال کیا کہ ہم اسے پکڑ نہ سکیں گے، بلا آخر وہ اندھیروں کے اندر سے پکار اٹھا کہ الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، بیشک میں ظالموں میں ہوگیا، تو ہم نے اس کی پکار سن لی۔

پس یونس علیہ السلام نے کلمۂ توحید ﴿لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ﴾ اور اللہ کی تسبیح کے ذریعہ وسیلہ اختیار کیا، اور اعترافِ گناہ کو بھی وسیلہ بنا کر اللہ سے دعا کی کہ: ﴿سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد سن لی۔

[۳] اسی طرح زندہ صالحین کی دعا کا وسیلہ اختیار کرنا بھی جائز ہے، جیسے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہما کی دعا کا واسطہ اختیار کیا اور ان سے دعا کی درخواست کی، اور اسی طرح معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے یزید الجرشی کی دعا کا وسیلہ اختیار کیا، اسی بنا پر فقہائے کرام نے کتاب الاستسقاء میں صالحین کی دعا کا وسیلہ اختیار کرنا جائز قرار دیا ہے، لیکن اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ ان کی ذات یا ان کے مقام ومرتبہ کا وسیلہ اختیار کیا جائے، کیونکہ کسی شخص کے مقام ومرتبہ کا وسیلہ اختیار کرنا یہ بدعت اور حرام ہے۔ نیز شرک کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے۔

● ناجائز توسل:

ناجائز توسل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی شخص کے مقام ومرتبہ کا وسیلہ اختیار کیا جائے، یا کسی شخص کی ذات کا وسیلہ اختیار کیا جائے، یہ وسیلہ ممنوع ہے اور شرک کے اسباب میں سے ایک ہے۔

الغرض جائز وناجائز توسل کے درمیان تفریق واجب ہے، شیخ تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب "التوسل والوسیلة" کے اندر لکھتے ہیں کہ: "توسل کی قسموں کے درمیان

تمیز نہ کرنے کے سبب بہت ساری غلطیاں واقع ہوگئی ہیں، لہذا ضروری ہے کہ جائز اور ناجائز توسل کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تاکہ کوئی غلطی کا شکار نہ ہو"۔

اور چونکہ یہ باب بہت عظیم ہے، اس لئے اس کا اہتمام نہات ضروری ہے، تاکہ مسئلہ میں کہیں کوئی پیچیدگی باقی نہ رہے، اور اسی طرح گمراہ لوگوں کے ان شبہات سے واقفیت بھی ضروری ہے جن کی وجہ سے عوام دھوکہ کھاجاتے ہیں، تاکہ مسئلہ الجھا ہوا نہ رہے۔

✷ **مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: " جو لوگ اپنے اور اللہ کے درمیان کوئی وسیلہ اختیار کرتے ہیں"** یعنی انہیں واسطہ بنا کر انہیں کو پکارتے ہیں، جیسے: یا احمد البدوی!، یا عبدالقادر!، یا حسین!، یا علی!، یا فلان! میری مدد کر، مجھے بچالے، مجھے شفا عطا فرما، میرے گمشدہ کو لوٹا دے، اس طرح ان کے نام کی دہائی دیتے ہیں، تو جان لیں کہ یہ شرک اکبر ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے دعا مانگنا ہے اور دعا عبادت کی عظیم قسموں میں سے ایک قسم ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **"الدعاء هو العبادة"**[1]۔ دعا عبادت کی عظیم قسموں میں سے ایک ہے۔

سو جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے دعا مانگے تو یہ عظیم شرک ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ خواہ وہ کسی بادشاہ سے دعا مانگے یا کسی نبی یا انسان وجنات سے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ: " شیاطین کبھی کبھی مردوں کی شکل اختیار کرتے ہیں، پھر وہ قبروں کے پاس لوگوں کے سامنے نکلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں فلاں قبر والا ہوں تم کیا چاہتے ہو، حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے جو میت کی شکل اختیار کرلیتا ہے، جبکہ لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ یہی اصل میت ہے"۔

میں کہتا ہوں: کبھی کبھی وہ اپنے ہاتھ کو باہر نکالتا ہے، پھیلاتا ہے جیسا کہ وہ لوگ خود کہتے

---

① مسند أحمد: ۱۸۳۸٦، سنن أبي داود: ۱۴۷۹، سنن الترمذی: ۳۲۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۸۲۸۔

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رفاعی کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور ان سے مصافحہ کیا جبکہ یہ سراسر جھوٹ ہے، اگر ایسا واقع ہوا بھی ہو تو درحقیقت جس نے ہاتھ بڑھایا تھا وہ شیطان تھا، کیونکہ شیاطین مزاروں کے پاس قبر والوں کی شکل وصورت اختیار کر لیتے ہیں، یا قبر کے اندر سے بات کرتے ہیں تو لوگ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ یہ مردہ کلام کر رہا ہے۔ اس طرح کے واقعات بہت ہوئے ہیں، شیطان کی یہی خواہش ہے کہ انسان کو ایسے راستے سے شرک میں مبتلا کر کے گمراہ کرتا رہے کہ وہ سمجھ ہی نہ سکے، یہی وجہ ہے کہ لوگ قبروں کے پاس دعا کرتے پھرتے ہیں اور انہیں سے شفاعت طلب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

شفاعت برحق ہے، لیکن مُردوں سے طلب کرنا درست نہیں، شفاعت صرف اللہ ہی سے طلب کی جاسکتی ہے، یعنی آپ یوں کہیں کہ: ''اے اللہ! میرے سلسلے میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفارش کرنے والا بنا دے''، ''اے اللہ میرے سلسلے میں اپنے نیک بندوں کو سفارشی بنادے''۔

لہذا آپ کو قبر کے پاس کھڑے ہو کر یہ کہنے کی اجازت نہیں کہ: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری سفارش فرمائیں''۔ کیونکہ میت سے کچھ نہیں طلب کیا جاسکتا، سوال صرف اللہ سے کیا جائے گا، اور شفاعت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے کسی اور کی نہیں ہے۔

● شفاعت کا حصول اور اس کے دو شرائط:

[۱] **پہلی شرط یہ ہے کہ:** اللہ تعالیٰ نے سفارش کرنے والے کو شفاعت کی اجازت دی ہو۔

[۲] **دوسری شرط یہ ہے کہ:** جس کے بارے میں شفاعت کی جارہی ہو وہ اہل توحید میں سے ہو، مشرک نہ ہو، اور یہ دونوں شرطیں قرآن کریم کی صریح آیات سے ماخوذ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ﴾[البقرۃ:۲۵۵] ایسا کون ہے

جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے۔

اور ایک جگہ فرمایا: ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ [الانبیاء:۲۸] اور وہ شفاعت صرف اسی کے لیے کر سکتے ہیں جس سے اللہ راضی ہو۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس کے قول و فعل سے راضی ہو، اور اس معیار پر مؤحد ہی اتر سکتا ہے، جہاں تک مشرک کی بات ہے تو فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴾ [المدثر:۴۸] پس انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی۔

نیز فرمایا: ﴿وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ﴾ [غافر:۱۸] اور انہیں قریب آنے والی (قیامت سے) آگاہ کر دیجئے، جب کہ غم کے مارے کلیجے منہ کو آرہے ہوں گے، ظالموں کا کوئی حمایتی نہیں ہوگا اور نہ سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے۔

نیز فرمایا: ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى﴾ [النجم:۲۶] اور بہت سے فرشتے آسمان میں ہیں کہ جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی، مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لئے چاہے اجازت دے دے۔

اس آیت میں شفاعت کی دو شرطیں بیان کی گئی ہیں:

① **پہلی شرط:** ﴿مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى﴾ (یعنی کسی کے حق میں اس وقت تک شفاعت نہیں کی جاسکتی جب تک اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جسے چاہے اجازت نہ دیدے)۔

② **دوسری شرط:** ﴿وَيَرْضٰى﴾ (نیز شفاعت اسی کے حق میں کی جاسکے گی جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو)، اور یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اہل اسلام اور اہل توحید ہی سے راضی ہوتا ہے، مشرکین سے ہرگز راضی نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے طلب کی جانے والی شفاعت برحق ہے، اور جہاں تک مُردوں سے شفاعت طلب کرنے کا مسئلہ ہے تو وہ باطل ہے، چنانچہ اس اعتبار سے اہلِ بدعت کا یہ قول باطل قرار پاتا ہے کہ: ''ہم لوگ مردوں سے شفاعت طلب کرتے ہیں''، اور ''شفاعت برحق ہے''۔

یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ شفاعت برحق ہے، لیکن مردوں سے طلب کرنا؛ یہ باطل ہے، کیونکہ شفاعت اللہ تعالیٰ سے طلب کی جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾[الزمر:۴۴] کہہ دیجئے! کہ تمام سفارش کا اختیار اللہ ہی کو ہے، تمام آسمان وزمین کا راج اسی کے لئے ہے، پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

سو معلوم ہوا کہ شفاعت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾[الزخرف:۸۶] اور جنہیں وہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، ہاں (مستحق شفاعت وہ ہیں) جو حق کا اقرار کریں اور علم بھی ہو۔

﴿شَهِدَ بِالْحَقِّ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دے۔

﴿وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کلمے کا مطلب سمجھتے ہوں اور اس پر عمل بھی کرتے ہوں، کسی کا صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں، جب تک کہ وہ اس کے مفہوم سے واقف نہ ہو، اور اگر واقف بھی ہو لیکن عمل نہ کرے تو بھی اس کو کوئی نفع نہیں پہونچا سکے گا۔

✷ اسی طرح شفاعت زندہ اور حاضر سے طلب کی جائے گی، یعنی زندہ اور قادر شخص سے دعا کی گذارش کی جائے گی، **مثلاً**: ''اے فلاں میرے حق میں فلاں فلاں چیز کی دعا کرنا''، جیسے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عباس اللہ رضی اللہ عنہ سے دعا کرنے کی درخواست کی، اور

جیسے لوگ روزِ محشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفارش کی درخواست کریں گے۔

⑤ پانچواں شبہ:

پہلے زمانے کے مشرکین تو بت، شیاطین اور جنوں سے دعا مانگتے تھے جبکہ ہم صالح لوگوں سے دعا مانگتے ہیں، تو کس طرح آپ نے صالحین کو بتوں جیسا قرار دے دیا؟

جواب: سبحان اللہ! کیا آپ قرآن نہیں پڑھتے؟ کیا پہلے زمانے کے مشرکین فرشتوں سے شفاعت طلب نہیں کرتے تھے؟ فرشتے تو صالح بندے ہیں۔ نیز پہلے کے لوگ کیا انبیاء سے ان کی وفات کے بعد شفاعت طلب نہیں کرتے تھے؟ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی وضاحت یوں فرمائی ہے:﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [یونس:۱۸] اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں، آپ کہہ دیجئے! کہ تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔

پہلے کے مشرکین فرشتوں کی عبادت کرتے تھے، عزیر و عیسیٰ علیہما السلام کی عبادت کرتے تھے، یہ (فرشتے اور انبیاء) تو ماشاء اللہ صالح ترین لوگ ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ اپنی عبادتوں میں مختلف تھے، کچھ لوگ تو بتوں کی پرستش کرتے تھے، کچھ لوگ سورج و چاند کی پرستش کرتے، کچھ لوگ درخت و پتھر کی پرستش کرتے، جبکہ انہی میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو فرشتوں، صالحین اور انبیاء کی پرستش کرتے تھے، لہٰذا آج کل کے قبر پجاری جس طریقۂ عبادت پر ہیں وہ پہلے زمانے کے مشرکوں کی عبادت کا ایک طریقہ تھا؛

کیونکہ پہلے کے مشرک بھی فرشتوں اور صالحین کی پرستش کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۚ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ﴾ [الزمر:۳] خبردار! خالص فرمانبرداری اللہ ہی کے لئے عبادت کرنا ہے، اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرک) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں، یہ لوگ جس کے بارے میں اختلاف کررہے ہیں اس کا سچا فیصلہ اللہ (خود) کرے گا، اللہ جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا۔

معلوم ہوا کہ اِس زمانہ کے قبر پرستوں کی عبادت اور پہلے زمانہ کے مشرکوں کی عبادت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

پہلے زمانے کے مشرکین کی عبادت صرف بتوں تک محدود نہیں تھی جیسا کہ آپ لوگ کہتے ہیں اور نہ ہی شجر وحجر تک محدود تھی، بلکہ قرآن کریم کے مطابق ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو صالحین کی عبادت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا کہ وہ لوگ فرشتوں کی اور اس کے بندوں میں سے کچھ کی عبادت کرتے تھے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴾ [بنی اسرائیل:۵۷] جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہوجائے، وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں، (بات بھی یہی ہے کہ) تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

یہ آیت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ پہلے کے مشرکین بھی صالحین کی عبادت کرتے

تھے، یعنی ان صالحین کی جو خود اپنے رب کو راضی کرنے کے لئے اس کی اطاعت وفرمابرداری کو بطور وسیلہ اختیار کرتے تھے۔

یہ مسئلہ بالکل واضح ہے، لیکن اہل بدعت کی طرف سے پھیلائے گئے شبہات ومغالطات اس قدر ہیں جو شمار میں نہیں لائے جاسکتے، لہذا طالب علم اور بالخصوص دعاۃ کے لیے ضروری ہے کہ ان مسائل کے متعلق گہرا علم رکھیں، کیونکہ دعوت سے جڑے ہوئے حضرات کا اس قسم کے شبہات سے سابقہ پڑتا رہتا ہے، بنابریں انہیں ان امور کا جاننا اور سمجھنا ضروری ہے، تاکہ جب اس قسم کے لوگوں کا سامنا ہو۔ جنہوں نے اپنے شبہات کے ذریعہ ایک مخلوق کو گمراہ کرڈالا ہے۔ تو ان کے شبہات کا پرزور جواب دے سکیں۔

قبر کے پجاریوں کی حالت یہ ہوگئی ہے وہ اللہ پر بھروسہ کرنے کے بجائے مردوں پر توکل کرنے لگے ہیں، حتی کہ ان میں سے بعض یہ کہتے سنائی دتے ہیں کہ: ''اے فلاں میں آپ کی پناہ میں ہوں''، آپ ان کی زبان سے اللہ کا ذکر سننے کے لئے ترس جائیں گے، کیونکہ انہیں اللہ کے علاوہ کی دہائی دینے سے فرصت ہی نہیں تو کیا اللہ کا ذکر کریں گے، اور ان کا توکل واعتماد بھی انہیں سے وابستہ ہے، حالانکہ توکل عبادت کی عظیم قسموں میں سے ایک ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [المائدۃ: ۲۳] اور اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان والے ہو۔

اسی طرح اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُه زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ [الأنفال: ۲] ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

یعنی مومنین کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے رب پر کامل توکل وبھروسہ کرتے ہیں۔

اللہ نے یہاں معمول کوحصر کی غرض سے مقدم کیا ہے:﴿وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ (یعنی وہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں) کسی اور پرنہیں، کیونکہ اللہ نے یہ نہیں کہا: ''**ویتوکلون علی ربہم**''، جارمجرور کو عامل پر مقدم کرنے سے حصر لازم آتا ہے، جیسے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تیرے سوا کسی کی نہیں، ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کہنا ''**نعبدک**'' کہنے سے زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ ''**نعبدک**'' حصر کا فائدہ نہیں دیتا، برخلاف ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کے کہ یہ حصر کا فائدہ دیتا ہے۔

بہر حال توکل ایک عظیم عبادت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد کیا جائے اور سارے معاملات کو اسی کے سپرد کر دیا جائے۔اور یہ توکل فائدہ منداسباب اختیار کرنے کے منافی نہیں، بلکہ توکل کے ساتھ ساتھ نفع بخش اسباب کو بھی اختیار کرنا چاہیے، نفع بخش اسباب کو چھوڑ کر صرف توکل، اور اسی طرح توکل کو چھوڑ کر محض اسباب پر اعتماد یہ مومن کی شان نہیں، مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ توکل کے ساتھ ساتھ جائز اسباب بھی اختیار کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے صاحبِ توکل تھے اس کے باوجود آپ ﷺ اسباب اختیار کیا کرتے تھے؛ جہاد کے لئے پوری تیار کرتے، جہاد کے وقت زرہ پہنتے، یہ اسباب اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے نفع بخش ہوتے ہیں، لہذا مومن دونوں چیزوں کو جمع کرتے ہیں؛ یعنی اللہ پر توکل کے ساتھ ساتھ نفع بخش اسباب کو بھی اختیار کرتے ہیں، اسی لیے اہل علم کہتے ہیں کہ: ''**الإعتماد على السبب شرك، وترك الأسباب قدحٌ في الشريعة**''۔ یعنی محض اسباب پر اعتماد کرنا شرک ہے اور اسباب کو ترک کرنا شریعت پر اتہام ہے، کیونکہ شریعت نے نفع بخش اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا۔

ان مشرکوں کو دیکھو! یہ مردوں، درختوں اور پتھروں پر بھروسہ کرتے ہیں، گویا ان کا سارا اعتماد وتوکل مخلوق پر ٹکا ہوا ہے، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ”**من تعلق بشيء وُكِّل إليه**“[1]۔ جس نے کسی چیز سے تعلق استوار کی، اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

پس جس نے اپنا تعلق اللہ سے جوڑا اور اس پر بھروسہ کیا تو یقین جانئے کہ اللہ اس کے لئے کافی ہو گیا، اور جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور پر بھروسہ کیا، اللہ تعالیٰ اسے ضعیف ولاچار مخلوق کے سپرد کر دے گا، جو اسے برباد کر دے گا، کیونکہ اس نے ایسی ذات پر بھروسہ کیا جس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، تعجب ہے کہ اس نے اپنے ہی جیسے ضعیف وکمزور پر بھروسہ کیسے کر لیا؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ مردہ شخص زندہ کی طرح نہیں، کیونکہ زندہ چلنے، کھانے، پینے، کمانے اور کام کرنے وغیرہ کی طاقت رکھتا ہے، جبکہ مردہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ بھلا بتائے کہ اللہ کو چھوڑ کر پھر کس طرح انہیں معبود ٹھہرا لیا گیا ہے؟ حالانکہ وہ مردہ ہیں، اپنی ذات کے لئے کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتے ہیں، اور نہ اپنے لیے کمانے کی طاقت رکھتے، وہ تو خود کسی بھروسے کے محتاج ہیں، ان پر اعتماد وبھروسہ کیسے کیا جا سکتا؟ اور جن کے پاس کچھ بھی نہیں ان سے اپنی ضرورتیں کیسے طلب کی جا سکتی ہیں؟

سچ ہے کہ جب کسی کی فطرت ہی بدل جائے تو اندھی تقلید در آتی ہے اور شیطان لوگوں کے سامنے شرکیہ اعمال کو مزین کر کے پیش کرتا ہے، حد تو یہ ہے قبر پرست حضرات ان شرکیہ اعمال کو توحید اور توحید کو شرک وکفر سے موسوم کرنے لگے ہیں، اور جو ان پر نکیر کرتا ہے ان کے بارے میں یہ افواہ اڑانے لگتے ہیں کہ ”تمہیں اولیاء سے محبت نہیں، تم اولیاء کے گستاخ ہو، تم ان سے دعا نہیں مانگتے، ان کے لئے جانور ذبح نہیں کرتے، ان کی نذر نہیں مانتے“۔ گویا ان

---

[1] مسند أحمد: ۱۸۷۸۱، سنن الترمذی: ۲۰۷۲، علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

کے یہاں اولیاء کی محبت کا معیار یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی برابری کا درجہ دے دیا جائے۔

جی ہاں! ہم اولیاء اللہ سے محبت کرتے ہیں، ان کی اقتداء کرتے ہیں اور ان کے لیے دعا کرتے ہیں، لیکن جہاں تک بات ہے کہ ہم ان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے برابر قرار دیں اور امورِ عبادت کے ذریعہ ان کی قربت حاصل کریں، تو یاد رکھیں یہ اولیاء وصالحین سے محبت کی دلیل نہیں، بلکہ یہ تو کھلا شرک ہے، اور اولیاء وصالحین شرک پر یا اللہ کے ساتھ ان کی عبادت کئے جانے پر کبھی بھی راضی نہیں ہو سکتے۔

بھلا بتایئے! کہ آخر اولیاء وصالحین سے حقیقی محبت کرنے والا کون ہے؟ یقیناً توحید پرست ہی حقیقت میں اولیاء وصالحین سے محبت کرتا ہے، ان سے دوستی رکھتا ہے، ان کے لیے دعا کرتا ہے، ان کی اقتدا کرتا ہے، اور ان کے لئے استغفار کرتا ہے، چنانچہ وہ اولیاء کرام سے حقیقی محبت کرنے والا قطعاً نہیں ہوسکتا جو اللہ کو چھوڑ کر ان سے دعا مانگتا ہو، ان کے لئے جانور ذبح کرتا ہو، ان کی نذر ونیاز کرتا ہو، کیونکہ اولیاء اللہ ان سب سے راضی نہیں ہو سکتے اور نہ ہی انہیں کسی چیز کا اختیار ہے۔ لہذا آپ جب ان کی عبادت کرتے ہیں تو گویا آپ ان کو ان کے درجے سے ہٹا کر دوسرے درجے میں رکھ دیتے ہیں۔

اگر آپ عام لوگوں میں سے کسی کے پاس آ کر یہ کہیں کہ تم بادشاہ ہو، تو کیا وہ یہ محسوس نہیں کرے گا کہ آپ ان سے مذاق کر رہے ہیں؟ وہ اسے مذاق ہی پر محمول کرے گا، کیونکہ اس کا وہ مقام نہیں جسے آپ نے اسے دے دیا ہے۔

اسی طرح جو لوگ اولیاء وصالحین کو ان کے مقام سے اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے بلند مقام تک پہونچا دیتے ہیں، دراصل وہ ان کی توہین کر رہے ہیں، وہ جھوٹے ہیں ان سے محبت نہیں کرتے، اولیاء سے سچی محبت کرنے والا تو وہ ہے جو ان کی پیروی کرے اور ان کے لیے دعا مانگے۔

❁❁❁

سوالات وجوابات

سوال: ہم دونواقضِ اسلام پڑھ چکے ہیں،سوال یہ ہے کہ پہلے اور دوسرے ناقض کے درمیان فرق کیا ہے؟

جواب: دوسرا پہلے کی ایک قسم ہے؛ پہلا عام ہے جبکہ دوسرا خاص ، مصنف رحمہ اللہ نے الگ ذکر کرنے کا اہتمام اس لئے کیا کیونکہ وسیلہ کا فتنہ لوگوں میں رواج پذیر ہے؛ مزارات و قبر پرستی اوراولیاء وصالحین کی پرستش لوگوں میں کافی عام ہے، جہاں تک شجر وحجر کی عبادت کا معاملہ ہے تو اسے کوئی بھی مسلمان درست نہیں سمجھتا،لیکن قبر پرستی کے معاملہ میں اسلام کی طرف نسبت رکھنے والوں کی اکثریت اسے درست ہی نہیں بلکہ اسے اسلام کا حصہ سمجھتی ہے۔

اسی لئے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے الگ سے ذکر کرنے کا اہتما کیا ہے، جبکہ یہ پہلی قسم میں سے ہے، چونکہ اسلام کے نام لیواؤں کی اکثریت کی زندگی میں یہ ناقضِ اسلام گھر کر گیا ہے، سوالگ سے اس کی وضاحت مناسب معلوم ہوئی۔

سوال: جوواسطہ کوبطورسبب اختیار کرے اس کے درمیان اوراللہ کے علاوہ کے لئے ذبح ،رکوع وسجدہ کرنے والے کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب: اگرکوئی شخص اسی واسطہ سے ہی دعا طلب کرے،تو یہ نواقضِ اسلام کی پہلی قسم میں شمار ہوگا،لیکن اگراس سے دعا نہ مانگے اورنہ ہی اس کے لیے ذبح کرے اورنہ نذر مانے، بلکہ اسے صرف اللہ تک پہنچانے کا ذریعہ سمجھے تو ایسے عمل کو ہم بدعت اورشرک کا ایک وسیلہ کہیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حصولِ تقرب کا سبب نہیں بنایا۔

سوال: دورحاضر کے بعض مسلمان مشرکوں کے ساتھ قبروں کا طواف کرتے نظر آتے ہیں

، پوچھنے پر کہتے ہیں کہ ایسا ہم انہیں اپنی طرف راغب کرنے کے لئے کرتے ہیں، پھر انہیں اس طرح کے طواف کو چھوڑنے کی دعوت دیتے ہیں، سو اس طرح کے عمل کا کیا حکم ہے؟

جواب: جس کسی نے ان کے ساتھ طواف کیا اس نے انہی جیسا عمل کیا، یہ بات عنقریب تیسرے ناقضِ اسلام میں آئے گی کہ: ''جو مشرکین کو کافر نہ سمجھے یا ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے''۔

مسلمان کے لئے یہ قطعاً درست نہیں کہ مشرکوں کے ساتھ ان کے کسی عمل میں شریک ہو، یا انہیں خوش کرنے کے لئے ان کے ساتھ قبروں کا طواف کرے، اور ان پر نکیر نہ کرے یہ قطعاً جائز نہیں، اور نہ ہی یہ دعوت الی اللہ کا منہج وطریقہ ہے۔

سوال: یہ جملہ کہاں تک صحیح ہے کہ: ''میرا واسطہ اللہ تعالیٰ ہے''، یہ جملہ انسان اس وقت کہے جب اس سے پوچھا جائے کہ تم ہر جگہ کسے اپنا واسطہ بناتے ہو؟

جواب: اگر اس سے اس کی مراد توکل ہے تو اس کا معنی صحیح ہے، لیکن یہ تعبیر غلط ہے، اس طرح کا جملہ استعمال کرنا مناسب نہیں، کیونکہ اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی دوسرے تک پہونچنے کے لئے واسطہ بنایا گیا ہے۔

سوال: اس مقولے کا کیا حکم ہے کہ: ''فلاں نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی، لیکن فلاں تو کمزور ہے، اس کا مددگار اللہ کے سوا کوئی نہیں''۔

جواب: جی ہاں! کمزوروں کا اللہ کے سوا کوئی مدگار نہیں، کیونکہ نہ کوئی کمزورں کی مدد کرنا چاہتا ہے اور نہ ہی کوئی ان کی طرف توجہ دیتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ضعیف وفقیر کی مدد کرتا ہے، لہذا اس مقولہ کو کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

سوال: کیا دعا کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ: ''اے اللہ! میں تجھ سے تیرے اسمائے حسنیٰ اور بلند صفات کے ذریعہ سوال کرتا ہوں''، کیا اسے صفت سے دعا مانگنا کہیں گے؟

جواب: ''اے اللہ! میں تجھ سے تیرے اسمائے حسنی اور بلند صفات کے ذریعہ سوال کرتا ہوں'' اسے اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے اسماء وصفات کے ذریعہ توسل اختیار کرنا کہتے ہیں، یہ صفت سے دعا مانگنا نہیں ہے، بلکہ اللہ سے دعا مانگنا ہے، اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [الأعراف: ۱۸۰] اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں سو اسے انہیں ناموں سے پکارو، اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔

یہاں آیت میں مذکور حرف باء توسل کی باء ہے جیسے کہتے ہیں: **"برحمتك أستغيث ومن عذابك أستجير"**[1] میں تیری رحمت کے واسطے سے تجھ سے مدد مانگتا ہوں اور تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں۔

سوال: صفت سے دعا مانگنے کی مثال کیا ہے جو ممنوع ہے؟

جواب: جیسے کوئی کہے: **"یا وجه الله"** ، **"یا رحمة الله"** (اے اللہ کا چہرہ، اے اللہ کی رحمت)، یا اس قسم کے الفاظ۔

سوال: کیا کسی شخص کی ذات کا توسل اختیار کرنے اور کسی کے مقام ومرتبہ کا توسل اختیار کرنے کے مابین کوئی فرق ہے؟

جواب: ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے دونوں ممنوع ہیں، نہ کسی شخص کی ذات کا توسل اختیار کیا جانا جائز ہے اور نہ ہی کسی کے مقام ومرتبہ کا توسل۔

سوال: اس شخص کا کیا حکم ہے جو اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ اختیار کرتا ہے، لیکن

---

① اس دعا کا پہلا ٹکڑا (سنن الترمذی: ۳۵۲۴) میں اس طرح موجود ہے: **"یا حي یا قیوم! برحمتك أستغيث"**۔

عبادت میں سے کسی چیز کو اللہ کے علاوہ کے لئے نہیں کرتا، تو کیا یہ شرک اصغر ہو گا؟

جواب: یہ بدعت ہے اور شرک کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہے۔

سوال: حدیثِ اعمیٰ اہل بدعت کی بڑی دلیل ہے اور یہ ان کا ایک بڑا شبہ ہے، سو اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ اور کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

جواب: حدیث اعمیٰ [1] اگر صحیح بھی ہو تو بھی اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے توسل کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا کی گزارش کی بات ہے، وہ بھی اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ اور حاضر تھے، تو گویا یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے ذریعہ سے وسیلہ اختیار کرنا ہوا۔ لہذا اہل بدعت کے لئے اس میں کوئی حجت نہیں ہے، باوجود یہ کہ اس کی سند میں کچھ کلام بھی ہے۔

[1] دیکھئے: (سنن الترمذی: ۳۵۷۸) وصححہ الألبانی والوادعی۔

چوتھا درس؛ تیسرے ناقص کی شرح

منصف رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اسلام کوڈھا دینے والا تیسرا کام یہ ہے کہ:

’’جو مشرکین کو کافر نہ کہے یا ان کے کفر میں شک کرے یا ان کے مذہب کو صحیح قرار دے، تو وہ بھی کافر ہے‘‘۔

شرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا قول کہ: ’’جو مشرکین کی تکفیر نہیں کرتا وہ کافر ہے‘‘؛ کیونکہ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ایسے شخص کی تکفیر کرے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرے، چونکہ اللہ عزوجل نے بت پرستوں اور دیگر مشرکوں کی تکفیر کی ہے، اوراسی طرح ان کو بھی کافر کہا ہے جو تمام رسولوں یا بعض رسولوں پر ایمان نہیں رکھتے، جیسا کہ قرآن وسنت میں موجود ہے۔ لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ایسوں کے متعلق دل سے کافر ہونے کا عقیدہ رکھے، کیونکہ اللہ ورسول نے ایسے لوگوں کو کافر قرار دیا ہے۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ [المائدۃ: ۱۷] بے شک انہوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مریم کا بیٹا مسیح ہے۔

اور ایک جگہ فرمایا: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا﴾ [المائدۃ: ۶۴] اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، درحقیقت انہیں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور اُن کے اس قول کی وجہ سے اُن پر لعنت کی گئی۔

اور ایک دوسری جگہ فرمایا: ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ﴾ [آل عمران:۱۸۱] بے شک اللہ نے اُن کی بات سنی ہے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ فقیر ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں جن میں اللہ نے اہل کتاب کے کفریہ اقوال کو بیان کیا ہے، سوانہیں کافر قرار دینے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا نبی اور رسول تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں، حالانکہ آپ تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، اور آپ کے بارے میں انہوں نے اپنے پاس موجود کتاب (تورات و اِنجیل) میں لکھا ہوا بھی پایا ہے کہ یہ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَه مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِه وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ اُنْزِلَ مَعَه اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَه مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ [الأعراف:۱۵۷،۱۵۸]

جو لوگ ایسے اُمّی نبی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں، اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بناتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں، اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں، سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، تو ایسے لوگ پوری کامیابی پانے والے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، جس کی بادشاہی تمام آسمانوں پر اور زمین میں ہے۔

اور اللہ کا یہ کہنا کہ: ﴿يَآ اَيُّهَا النَّاسُ﴾ ''اے لوگو!'' یہ عام ہے، اس خطاب میں اہل

کتاب اوران کے علاوہ سبھی لوگ شامل ہیں، جیسا کہ آگے اللہ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ [الأعراف:١٥٨] آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، جس کی بادشاہی تمام آسمانوں پر اور زمین میں ہے، اس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے امی نبی پر جو کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی پیروی کرو تا کہ تم راہ ہدایت پا سکو۔

اور دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ [سبأ:٢٨] ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

لہذا اب جو کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمومی رسالت کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کے رسول ہونے پر ایمان نہ رکھے تو وہ کافر ہے، اگر چہ وہ اس بات کا اقرار کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول تو ہیں مگر وہ عجم والوں کے نہیں صرف عرب والوں کے لیے رسول ہیں، سو وہ شخص جو ان کی رسالت پر ایمان لانے کے بجائے سرے سے انکار کرے، آخر وہ کیسے ایمان والا ہو سکتا ہے؟ یہ تو اور بڑا کفر ہے۔

لہذا جو عام مشرکین۔ خواہ وہ بت پرست ہوں یا یہود نصاریٰ یا نام کے مسلمان جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کفر کا مرتکب ہے۔

لہذا ان کے کافر ہونے کا عقیدہ رکھنا واجب ہے، اور جو کوئی بھی اللہ کے ساتھ شرک کرے اور اس کے ساتھ کسی درخت، پتھر، بت، قبر، انسان یا جانور وغیرہ کی بھی عبادت کرے وہ مشرک و کافر ہے، اس کی تکفیر کرنی واجب ہے، گر چہ وہ اسلام کا دعوی کرے، اور

"لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا زبانی اقرار بھی کرے، کیونکہ شرک شہادتین کو باطل کر کے اسلام کو ڈھا دیتا ہے، ساتھ ہی ساتھ توحید کو فاسد بھی کر دیتا ہے۔

لہذا مسلمان پر واجب ہے کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مشرکین کی؛ چاہے وہ عربی ہوں یا عجمی ، یہود ونصاری میں سے ہوں یا نام نہاد مسلمانوں میں سے ، ان کو کافر سمجھیں۔

یاد رکھیں کہ یہ عقیدہ کا مسئلہ ہے اس میں کوئی لچک اور سمجھوتہ نہیں ہوسکتا، پس جو مشرکین کو کافر نہ سمجھے وہ بھی ان ہی کے مثل کافر و مرتد ہے، کیونکہ ایسے شخص کے یہاں ایمان وکفر دونوں برابر ہیں، اس کے یہاں دونوں میں کوئی فرق نہیں، سو ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص کافر ہے۔

اور اسی طرح جو شخص مشرکین کے بارے میں یہ کہتے ہوئے شک کرے کہ: مجھے نہیں معلوم کہ وہ کافر ہیں یا نہیں، تو وہ بھی کافر ہوجائے گا؛ اس لئے کہ وہ اپنے دین کے بارے میں شک میں مبتلا ہے کہ آیا وہ دینِ کفر پر ہے یا ایمان پر، اس کے یہاں ایمان وکفر میں کوئی تفریق نہیں۔

اور ان سب سے خطرناک وہ شخص ہے "جو کافروں کے مذہب کو صحیح سمجھے"۔ واضح رہے کہ سب سے زیادہ جس مذہب کو صحیح قرار دے کر دفاع کیا جاتا ہے وہ ہے یہودیت و نصرانیت، حتی کہ آج بھی وحدتِ ادیانِ ثلاثہ کا دعوی برابر جاری وساری ہے۔

ان کا خیال ہے کہ اسلام اور یہودیت ونصرانیت تینوں کے تینوں مذہب صحیح ہیں، کیونکہ ان مذاہب کے سارے لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، لہذا ہم ان کو کافر نہیں قرار دے سکتے ۔ یاد رکھیں! یہ عقیدہ رکھنا کہ سارے مذاہب برحق ہیں، اس شخص کے کفر سے بڑا کفر ہے جو کافروں کو کافر قرار دینے میں شک کرے، اس لیے کہ وہ کافروں کو کافر قرار دینے کے بجائے ان کے مذہب تک کو صحیح قرار دینے پر تُلا ہوا ہے، نیز یہ بھی کہہ رہا ہے کہ: یہ لوگ بھی اللہ پر

ایمان رکھتے ہیں اور انبیاء کے ہی متبعین ہیں؛ یہود موسی علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں اور عیسائی عیسی علیہ السلام پر!

ہم اس عقیدہ کے حاملین سے کہیں گے: یہودی موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں، نہ عیسائی عیسی علیہ السلام کی، اگر وہ ان دونوں کی پیروی کرتے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ضرور ایمان لاتے، کیونکہ ان دونوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بشارت دی تھی اور یہ بشارت توارت و اِنجیل دونوں میں موجود ہے، موسی علیہ السلام پر جو تورات نازل ہوئی اس میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر موجود ہے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَه مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾[الأعراف: ١٥٧] وہ لوگ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو اُمّی نبی ہے جسے اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اور عیسی علیہ السلام پر جو انجیل نازل ہوئی اس میں بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر موجود ہے، بلکہ عیسی علیہ السلام نے اس کی صراحت کرتے ہوئے کہا: ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ﴾[الصف: ٦] اے میری قوم بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں، جن کا نام احمد ہے۔

ذرا بتایئے کہ عیسی علیہ السلام کے بعد کون سے نبی آئے؟ یقناً وہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی نام ہیں، جن میں سے ایک احمد ہے۔

اور اللہ نے یہود کے متعلق فرمایا: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَه كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾[البقرة: ١٤٦] جنہیں ہم نے

کتاب دی تھی وہ اس (نبی) کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے، اور ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے۔

سو اسلام کے ساتھ یہودیت اور نصرانیت کا موازنہ کیسا؟ جب کہ یہودیت ونصرانیت دونوں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد مذہبِ اسلام کے ذریعہ منسوخ قرار پا چکے ہیں، اب دینِ اسلام ہی دینِ حق ہے، اس کے علاوہ کوئی دین برحق نہیں، لہذا اب جو شخص بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاکر اسلام میں داخل نہ ہوئے وہ کافر ہے، خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی، بت پرست ہو یا ملحد، وہ چاہے جو ہوا گر وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لائے تو وہ کافر ہے۔

یہود ونصاریٰ تمام ادیان کے مابین اتحاد قائم کرنے کے لیے اجتماعات منعقد کرتے ہیں، اور افسوس صد افسوس! کہ نام نہاد مسلمان ان کی تائید بھی کرتے ہیں، ان کے پروگراموں میں شرکت بھی کرتے ہیں، اور اس کو "حوار بین الأدیان" یا "حوار بین الحضارات" کا نام دیتے ہیں، یہ حضرات ان پروگراموں میں اس لیے نہیں جاتے ہیں تا کہ یہود ونصاریٰ کے شبہات کا رد کریں بلکہ اس لیے جاتے ہیں تا کہ ان کے ساتھ مصالحت کرسکیں، ان نام نہاد مسلمانوں کے نزدیک خوشی کے لئے بس یہی کافی ہے کہ یہود ونصاریٰ کم از کم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے کا ظاہری اعتراف تو کرتے ہیں، حالانکہ وہ آپ کے عمومی رسالت کا اعتراف کرنے کے بجائے انکار کرتے ہیں۔

گویا یہ نام نہاد مسلمان ان یہود ونصاری سے یہ کہہ رہے ہیں کہ: "تم ہم سے خوش ہوجاؤ، ہم تم سے راضی وخوش ہوجاتے ہیں"۔ جبکہ اللہ کا واضح فرمان ہے: ﴿وَلَنۡ تَرۡضٰی عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ﴾ [البقرة: ١٢٠] آپ سے یہود ونصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں۔

یقین جانئے! یہ یہود ونصاریٰ تمہیں دھوکہ دے رہے ہیں، لہذا انہیں جزم کے ساتھ بلا

کسی تردد کے کافر قرار دینا واجب ہے، تا آں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمومی رسالت پر ایمان لا کر آپ کی اتباع کرنے لگیں۔

اللہ نے فرمایا ہے: ﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[الأعراف:١٥٧] سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور ان کی حمایت اور مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

ذرا بتائے! کیا وہ لوگ (یہود و نصاریٰ) اس نور (یعنی قرآن) کی اتباع کرتے ہیں جس کو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھیجا گیا ہے؟ نہیں! وہ اس کی پیروی نہیں کرتے ہیں، اگر چہ وہ کہتے ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہیں، سو وہ بلا شبہ کافر ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **"والذي نفسُ محمدٍ بيده، لا يَسْمَعُ بي أحدٌ مِن هذه الأمةِ يهوديٌّ ولا نصرانيٌّ، ثم يموتُ ولم يُؤْمِنْ بالذي أُرْسِلْتُ به، إلا كان مِن أصحابِ النارِ"**[1]۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے، اِس امت (امتِ دعوت) کا کوئی ایک بھی فرد خواہ یہودی یا عیسائی میرے متعلق سن لے، پھر وہ مر جائے اور جس دین کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اس پر ایمان نہ لائے تو وہ اہل جہنم ہی سے ہوگا۔

لہذا کافر کو کافر سمجھنے میں پختہ یقین ہونا ضروری ہے اور ان میں سرِ فہرست یہود و نصاری ہیں جو سب سے بڑے کافر ہیں، کیونکہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی علم وبصیرت ساتھ کی ہے۔

جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَھُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾[البقرة:١٤٦] جنہیں ہم نے کتاب دی

[1] صحیح مسلم: ۱۵۳۔

تھی وہ اس (نبی) کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے،اور ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے۔

لہذا کافر کو کافر سمجھنا ضروری ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو، جس کسی نے بھی اللہ کے ساتھ شرک اکبر کی قسموں میں سے کوئی شرک کیا اس کی تکفیر ضروری ہے اور اس کے کفر میں شک کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس کے مذہب کو صحیح سمجھتے ہوئے یہ کہنا درست ہے کہ یہ بھی صاحبِ دین ہیں، یا یہ لوگ بت پرستوں سے اچھے ہیں وغیرہ وغیرہ، کیونکہ ''**الکفر ملة واحدة**'' کفر ایک ہی ملت ہے (سب اللہ کے ساتھ شرک کرنے یا اس کا انکار کرنے میں برابر ہیں)۔

ہم بڑی صراحت کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ جو محمد ﷺ پر ایمان نہ لائے اور آپ کی اتباع نہ کرے تو وہ کافر ہے، وہ چاہے جو ہو، ہر مسلمان پر یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے تاکہ وہ انجانے میں کہیں اسلام سے خارج نہ ہوجائے، ایک مسلمان کفار کی تکفیر نہ کرنے یا ان کے مذہب کو صحیح قرار دینے کی وجہ سے دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، مثلاً وہ یہود ونصاری کے دین کو صحیح سمجھے اور کہے: وہ لوگ بھی صحیح ادیان والوں میں سے ہیں، بلکہ بعض نام نہاد داعی ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں: ہمارے مسیحی بھائی!

ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ ان یہود ونصاریٰ نے ابھی تک تو ایمان ہی قبول نہیں کیا ہے، (تو تمہارے بھائی کیسے ہوگئے؟)، اگر یہ ایمان لائے ہوتے تو محمد ﷺ کی اتباع کرتے، کیونکہ عیسی علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ [الصف:٦] اے میری قوم بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں، جن کا نام احمد ہے۔

مگر وہ اس پر ایمان نہ لائے، حالانکہ آخری زمانے میں جب عیسی علیہ السلام کا نزول ہوگا تو وہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے متبع ہوں گے، اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے، یعنی وہ اس امت میں ایک مجدد کی حیثیت سے آئیں گے۔

واضح رہے کہ کسی ایک نبی کا انکار تمام انبیاء کرام کا انکار ہے، اس لیے اس بات کی معرفت ضروری ہے، تاکہ یہود ونصاری کی طرف سے پھیلائے گئے شبہات سے بچ سکیں، دراصل انہیں یہ ہرگز پسند نہیں کہ مسلمان اپنے اسلام پر باقی رہیں، وہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان ان کے دین کی طرف کھنچے چلے آئیں، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ [البقرة:۱۲۰] آپ سے یہود ونصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں۔

یاد رکھیں یہ اللہ کا کلام ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور ایک دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا﴾ [البقرة:۱۳۵] وہ کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہوجاؤ تاکہ ہدایت پاجاؤ۔

یعنی ان کے نزدیک جو یہودی یا نصرانی نہیں ہے وہ ہدایت یافتہ نہیں، یہ ان کے متعلق اللہ کا کلام ہے جو ہر کلام سے زیادہ سچا ہے، پھر کیسے نہ ہم ان کی تکفیر کریں؟ اور کیونکر ہم ان کے کافر ہونے میں شک کریں؟ نسأل الله العافية۔

نیز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بھی کافر قرار دیا ہے جس نے اللہ کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک کیا اور اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت کی، چنانچہ اس کی بھی تکفیر کی جائے گی خواہ وہ کوئی بھی ہو، اسی طرح جس نے انبیاء میں سے کسی نبی کا انکار کیا، یا ایمان کے چھ ارکان میں سے کسی رکن کا انکار کیا تو اس پر بھی بلا تردد کفر کا حکم لگے گا، اور وہ جس پر قائم ہے اسے قطعاً درست نہیں کہا جاسکتا، کہ اس کے لئے کوئی عذر تلاش کی جائے، کیونکہ دین میں کوئی

سودا بازی اور تنازل (سمجھوتہ) درست نہیں، لہذا ایک مسلمان پر جیسے دینی امور کو صراحت کے ساتھ پیش کرنا واجب ہے ویسے ہی دین کے مخالف امور سے براءت بھی ضروری ہے۔

● کافر کی تکفیر پر کئی احکام مرتب ہوتے ہیں ہم ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کرتے ہیں:

[ا] کفار سے بغض و دشمنی رکھنا اور ان سے دوستی نہ کرنا واجب ہے، اگرچہ وہ مسلمانوں کے نزدیک اوروں کے بنسبت زیادہ قریبی ہوں، اللہ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ ۙ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ ۚ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾[الممتحنۃ:۱] اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور (خود) اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کا جو تمہارے پاس آچکا ہے کفر کرتے ہیں، پیغمبر کو اور خود تمہیں بھی محض اس وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان رکھتے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کے لئے اور میری رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو)، ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ بھیجتے ہو اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا، تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بہک جائے گا۔

اور اللہ نے یہاں تک فرمایا کہ: ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ﴾ [الممتحنۃ:۴] مسلمانو!

تمہارے لئے حضرت ابراہیم میں اوران کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ۔

اور ایک جگہ فرمایا: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ [المجادلۃ:۲۲] اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے دوستی رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے، گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے) کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے۔

اور ایک جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [البقرۃ:۲۵۶] پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اللہ پر ایمان لانا اور طاغوت پر ایمان لانا ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، بلکہ پہلے طاغوت کا انکار ضروری ہے پھر اللہ پر ایمان لانا ہے۔

چنانچہ طاغوت کا انکار اور کفار سے دشمنی مسلمان پر واجب ہے اگرچہ کفار اس کے اپنے قریبی ہی کیوں نہ ہوں؛ ماں باپ، اور بھائی ہی کیوں نہ ہوں، یا اس کے قبیلہ وخاندان سے ہوں، پھر بھی وہ ان سے بغض رکھے گا اور ان سے براءت کا اعلان کرے گا۔

اللہ کا فرمان ہے : ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ﴾ [التوبۃ: ۱۱۴-۱۱۳] پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں، اور ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کرنا وہ صرف وعدہ کے سبب تھا جو انہوں نے ان سے وعدہ کرلیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے، واقعی ابراہیم (علیہ السلام) بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔

جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو وہ مسلمان جو اپنے مشرک آباء واجداد کے حق میں استغفار کیا کرتے تھے، وہ اپنے اس عمل پر خوف کھانے لگے، تو اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل کی: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ [التوبۃ: ۱۱۵] اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دے جن سے وہ بچیں، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

لہذا مذکورہ آیت کے نزول سے قبل، اور مشرکین کے حق میں استغفار کی حرمت کا علم ہونے سے پہلے جو کچھ کیا گیا اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

۲ مشرک کی تکفیر سے جو امور مرتب ہوتے ہیں اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کوئی مشرک و کافر مر جائے تو کوئی مسلمان اس کے جنازہ میں شریک نہ ہوگا، البتہ اگر کوئی اسے دفنانے والا نہ ہو تو وہ اسے مٹی کے نیچے دفنا دے گا، لیکن یاد رہے کہ اسے مسلمانوں کی

قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ مسلمان کفار کے جنازہ، غسل، کفن و دفن میں شریک نہ ہوں گے؛ اسے اٹھا کر قبر تک لے جائیں گے نہ ہی دفن کرتے وقت وہاں حاضر ہوں گے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ [التوبۃ:۸۴] اور ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں، یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور مرتے دم تک بدکار اور بے اطاعت رہے ہیں۔

البتہ بیمار کافر کی عیادت؛ دعوتِ دین پیش کرنے کی غرض سے کر سکتے ہیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی لڑکے کی عیادت کی اور اس کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے اسلام قبول کر لیا، مرتے وقت اس نے کلمۂ شہادت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دی[1]۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کی مرض الموت میں عیادت کی اور ان کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کرتے ہوئے کہا: **"یا عم! قل لا الہ الا اللہ"**[2]۔ اے میرے چچا! کہو: اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔

لہٰذا کسی بیمار کافر کی زیارت دعوت الی اللہ کی غرض سے کی جائے تو کوئی حرج نہیں، البتہ جو دعوتِ دین قبول کئے بغیر حالتِ کفر ہی میں مر جائے تو ایک مسلم اس کے کفن دفن میں شریک نہ ہوگا، چاہے وہ اس کا قریبی ہی کیوں نہ رہا ہو، چاہے اس کا باپ ہی کیوں نہ رہا ہو۔

کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب حالتِ کفر میں فوت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری خود نہیں ادا کی، بلکہ ان کے بیٹے سیدنا علی رضی

① صحیح البخاری:۱۳۵۶۔

② صحیح البخاری:۱۳۶۰، صحیح مسلم:۳۹۔

اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کو مٹی میں چھپا دیں، یوں ہی زمین کے اوپر نہ رہنے دیں کہ لوگوں کو تکلیف ہو[1]۔

[۳] اسی طرح مسلمان کسی کافر کا اور کافر کسی مسلمان کا وارث نہ ہوگا، اس لیے کہ ان دونوں کے درمیان اللہ نے رشتہ کو ختم کر دیا ہے، لہٰذا دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **"لا یرِثُ المسلمُ الکافرَ ولا الکافِرُ المُسْلِمَ"**۔ مسلمان کافر رشتہ دار کے مال کا وارث ہوگا، نہ ہی کافر مسلمان رشتہ دار کا وارث بنے گا"[2]۔

کافر کا وارث اس کے کافر رشتہ دار بنیں گے اس کے مال کا کوئی مسلم رشتہ دار وارث نہ بنے گا، کیونکہ اہل علم کے نزدیک کفر "موانعِ اِرث" میں سے ہے۔

[۴] مسلم عورت کے لیے کسی کافر سے نکاح جائز نہیں، کیونکہ کافر کے ماتحت رہنے کی وجہ سے اس کے دین کا خطرہ ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ﴾[البقرۃ:۲۲۱] اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں، مومن غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے، گو مشرک تمہیں اچھا لگے۔

اور ایک دوسری جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۖ﴾[الممتحنۃ:۱۰] اگر وہ خواتین تمہیں مومنہ معلوم ہوں تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، یہ ان کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں۔

---

[1] سنن أبي داود: ۳۲۱۴، سنن النسائی: ۲۰۰۶۔

[2] صحیح البخاری: ۶۷۶۴، صحیح مسلم: ۱۶۱۴۔

لہذا کسی بھی کافر سے چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی یا بت پرست اس سے ایک مسلمان لڑکی کا نکاح کرنا یا کرانا مطلقاً درست نہیں۔

رہی بات کسی مسلمان مرد کا کسی بت پرست، کافرہ عورت سے نکاح کرنا تو یہ بھی جائز نہیں ۔جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۗ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ [البقرة:۲۲۱] اور مشرک عورتوں جب تک ایمان نہ لائیں تم ان سے نکاح نہ کرو، ایماندار لونڈی بھی شرک کرنے والی آزاد عورت سے بہتر ہے، گو تمہیں مشرکہ ہی اچھی لگتی ہو اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں اپنی عورتوں کو دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں، ایماندار غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے، گو مشرک تمہیں اچھا لگے، یہ لوگ جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلاتا ہے وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرمارہا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

البتہ عورت اگر کتابیہ؛ یعنی یہودیہ یا نصرانیہ ہو تو اس سے ایک مسلمان مرد نکاح کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ پاک دامن ہو، اس بارے میں اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [المائدة:۵] اور اہل کتاب کا کھانا تمہیں حلال ہے اور تمہارا کھانا انہیں حلال ہے، اور (تمہارے لیے حلال ہیں) پاک دامن مسلمان عورتیں اور ان پاک دامن عورتوں میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے۔

یہاں "**المحصنات**" سے مراد وہ عورتیں ہیں جو زنا سے محفوظ ہوں، لہذا لوگوں سے منہ مارنے والی یا غیروں سے دوستی گانٹھنے والی کسی یہودیہ اور نصرانیہ عورت سے نکاح جائز نہیں۔

کسی مسلمان عورت کا کسی کافر سے نکاح اس لیے بھی درست نہیں کیونکہ بیوی شوہر کے ماتحت ہوتی ہے، جب کہ کسی مسلمان مرد سے کسی کتابیہ کا نکاح ہونے کی صورت میں وہ مسلمان کے ماتحت رہے گی، لہذا ممکن ہے کہ وہ اسلام لے آئے، ہر چند کہ مسلمان خاتون کا کسی کافر کی ماتحتی اختیار کرنا اللہ کے اس فرمان کی وجہ سے جائز نہیں: ﴿وَلَن يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ [النساء:۱۴۱] اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز غالب نہیں کرے گا۔

۵ کفار کی تکفیر اور ان سے براءت پر پانچواں حکم یہ مرتب ہوتا ہے کہ ہر وہ مسلمان؛ بلادِ کفر کو چھوڑ کر بلادِ اسلام کی طرف واجبی طور پر ہجرت کر جائے؛ جو کافروں کے ملک میں رہتے ہوئے اپنے دین کا اظہار نہ کر سکتا ہو، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر ہجرت کی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَآئِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُورًا﴾ [النساء:۹۷-۹۹] جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں، تم کس حال میں تھے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے، فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ مگر جو مرد، عورتیں اور بچے بے بس ہیں جو نکلنے کا کوئی ذریعہ اور راستہ نہیں پاتے، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کرے، اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا

اور معاف کرنے والا ہے۔

﴿ظَالِمِيٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ (اپنے نفس پر ظلم کرنے والے) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے قدرت رکھتے ہوئے بھی ہجرت نہیں کی۔ البتہ جو ہجرت کرنے پر قدرت نہیں رکھتے ہیں وہ معذور ہیں، مگر جن کے پاس قدرت ہے ان پر ہجرت کرنی واجب ہے، ان کے لیے مشرکین کے درمیان ٹھہرنا جائز نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " **أنا بريءٌ من كلِّ مسلمٍ يقيمُ بين أظهرِ المشركينَ**"۔ میں اس مسلمان سے بری ہوں جو ہجرت کرنے پر قدرت رکھنے کے باوجود مشرکین کے درمیان مقیم رہے"[1]۔

اللہ تعالیٰ نے ہجرت کا ذکر جہاد کے ساتھ فرمایا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [البقرۃ: ۲۱۸] یقیناً ایمان لانے والے، ہجرت کرنے والے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں، اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت مہربانی کرنے والا ہے۔

پس جان لیں کہ اسلام میں ہجرت کا عمل ایک عظیم عمل ہے۔

اور **ہجرت کا معنی ہے**: دین کو محفوظ رکھنے کے لئے بلادِ کفر سے مملکتِ اسلام کی طرف چلے جانا۔

[٦] ایک حکم یہ مرتب ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین سے سلام میں پہل نہ کیا جائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "**لا تَبْدَؤُوا اليَهُودَ ولا النَّصارى بالسَّلامِ**"۔ یہود و نصاریٰ سے سلام کرنے میں پہل نہ کرو، ہاں اگر وہ پہلے سلام کرلیں تو جواب میں بس اتنا کہہ دو: وعلیکم (اور تم پر بھی)"[2]۔

---

[1] سنن أبی داود: ۲۶۴۵، سنن الترمذی: ۱۶۰۴، سنن النسائی: ۴۷۸۰، علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔

[2] صحیح مسلم: ۲۱۶۷۔

7 ان کو مجالس میں آگے نہ بڑھایا جائے اور نہ ہی ان کے لیے راستہ کشادہ کیا جائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "فإذا لَقِيتُمْ أحَدَهُمْ في طَرِيقٍ، فاضْطَرُّوهُ إلى أضْيَقِهِ"۔ تم ان سے کسی راستہ میں ملو تو ان کو تنگ راہ کی طرف دبا دو"[1]۔

معلوم ہوا کہ ان کو راستہ چلنے سے نہیں روکا جائے گا، البتہ ان کے لئے مسلمانوں کی طرح راہ کشادہ نہیں چھوڑی جائے گی، اور نہ ان کو گزرنے کے لئے آگے بڑھایا جائے گا، ان کے لئے راہ کا تھوڑا سا حصہ چھوڑا جائے گا تا کہ وہ بطور اہانت راستہ کے کنارے سے آئیں جائیں، کیونکہ وہ اللہ کے نزدیک ذلیل وخوار ہیں۔

8 کافروں پر ایک حکم یہ بھی مرتب ہوتا ہے کہ انہیں حرمِ مکی میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَآءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ [التوبۃ: ۲۸] اے ایمان والو! بیشک مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں، وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں، اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہے تو اللہ تمہیں دولت مند کردے گا اپنے فضل سے اگر چاہے، بیشک اللہ علم وحکمت والا ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ ہی ننگے طواف کیا جائے گا، اُسی تاریخ سے انہیں حرم میں داخل ہونے سے روک دیا گیا اور یہ حکم قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾ [التوبۃ: ۲۸] مشرک تو پلید ہیں سو وہ مسجد حرام کے نزدیک نہ آنے پائیں۔

[1] صحیح مسلم: ۲۱۶۷۔

اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ انہیں صرف مسجدِ حرام میں داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے، بلکہ حدودِ حرم میں بھی داخل ہونے سے منع کر دیا گیا ہے۔

۹ وقت کے خلیفہ اور حکمران پر لازم ہے کہ وہ کافروں کو ''جزیرۃ العرب'' سے بھی نکال باہر کریں [1]؛ کیونکہ یہ سرزمینِ رسالت ودعوت ہے، سو اس میں اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا باقی رکھنا درست نہیں، البتہ اگر وہ تجارت یا سفر یا کسی اور ضروری کام کے لئے بطور مسافر آتے ہیں یا خود مسلمان ان کو کسی ایسے کام کے لیے بلاتے ہیں جو ان سے بہتر کوئی اور نہ کر سکے، تو اس میں کوئی مانع نہیں، لیکن ان کا یہاں اپنا دائمی ٹھکانہ بنا لینا، یا ''جزیرۃ العرب'' پر حاکم بن جانا ممنوع ہے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت فرمایا: ''أخرجوا اليهودَ والنَّصارى من جَزيرةِ العَرَبِ''۔ یہود و نصاریٰ کو سرزمین جزیرۃ العرب سے نکال دو'' [2]۔

نیز آپ نے فرمایا: ''لا يُترَكُ في جزيرةِ العرَبِ دِينانِ'' [3]۔ جزیرۃ العرب میں دو دین باقی نہیں رہ سکتے''۔

چنانچہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس وصیت کو نافذ فرمایا، اور یہود ونصاریٰ کو ''جزیرۃ العرب'' سے نکال کر جلاوطن کر دیا۔ سوا گر وہ وقتی طور پر کسی ضرورت کے

---

[1] شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ یہاں تعلیق لگاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''واضح رہے کہ یہ کام وقت کے مسلم حکمران کا ہے، لہذا عوام الناس کو انہیں نکال باہر کرنے کی اجازت نہیں، جیسا کہ آج جاہل نوجوان اور خوارج کے افکار سے متاثر حضرات کہتے پھرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں وہ ان کفار کو بھی قتل کرتے پھرتے ہیں جو معاہد اور عہد و پیمان والے ہیں، اور ان کے رہائش گاہوں کو بم سے اڑا ڈالتے ہیں، اس طرح مسلمانوں کی طرف سے کئے گئے عہد و پیمان کو توڑ کر دھوکہ اور خیانت کرتے ہیں، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة''۔

[2] صحیح البخاری: ۳۰۵۳، صحیح مسلم: ۱۶۳۷۔

[3] الطبرانی فی الأوسط: ۱۰۶۶۔

تحت جزیرۃ العرب میں داخل ہوں گے تو بھی انہیں اپنے دینی شعار کے اظہار کی اجازت نہ ہوگی، نہ ہی انہیں اسلامی ملک میں چرچ وغیرہ بنانے یا صلیب نصب کرنے اور ناقوس بجانے کی آزادی ہوگی، انہیں صرف اتنی اجازت ہوگی کہ وہ اپنے محدود وقت میں- یہ سب کئے بغیر- اپنا کام ختم کرکے رخصت ہوجائیں۔

یاد رہے کہ یہ ممانعت یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ تمام مشرکین اس ممانعت میں شامل ہیں، حتی کہ قبروں کے پجاریوں کو بھی جزیرۃ العرب میں قبے ومزارات بنانے، نیز قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، بلکہ مسلم حکمران پر اس کو منہدم کرنا واجب ہوگا۔

الغرض کسی بھی مشرک کو اسلامی ملک میں اظہارِ شرک کی اتھارٹی نہ ہوگی۔

۱۰ کافروں کی تکفیر پر ایک حکم یہ بھی مرتب ہوگا کہ مسلمان ان کی تعریف و مدح نہیں کریں گے، کیونکہ اللہ نے ان کی مذمت کی ہے، نیز وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہیں، پھر آپ ان کی تعریف و مدح سرائی کیسے کرسکتے ہیں؟

بعض لوگ کچھ اس انداز میں ان کی تعریف کرتے ہیں: کہ وہ امانت دار ہوتے ہیں، ان کے یہاں حسنِ معاملہ پایا جاتا ہے، حتی کہ ان کی تعریف کرتے ہوئے -نعوذ باللہ- یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ: (ان کے مقابل) مسلمان خائن اور دھوکہ باز ہوتے ہیں۔

جواب: ہم ان سے یہ کہنا چاہیں گے کہ مسلمانوں کے یہاں اگرچہ کچھ معاصیات اور خیانت وغیرہ کے گناہ ہوں، پھر بھی وہ "أَفضلُ أَهلِ الأَرض" (روئے زمین پر سب سے افضل) ہیں، جبکہ کفار تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہیں، (اور اللہ کی بدترین مخلوق ہیں)، سو کفار کے یہاں گرچہ کچھ اچھے صفات ہوں، جنہیں وہ دنیاوی معاملات میں حسنِ تعامل کے طور پر اختیار کرتے ہوں، پھر بھی جن کی اللہ نے کی مذمت کی ہو ان کی تعریف جائز

نہیں۔ چنانچہ ہم پر کافروں کی مذمت کفر باللہ کی وجہ سے واجب ہے۔

▯▯ : کافروں کی تکفیر پر ایک حکم یہ بھی مرتب ہوگا کہ مسلمانوں پر کافروں کے خاص لباس اور تہوار کی مشابہت حرام ہوگی، نیز کفار کی عبادت میں مشابہت اختیار کرنا بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "من تشبَّه بقومٍ فهو منهم "[1]۔ جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ اسی میں سے ہے۔

کفار کی عدم مشابہت انہیں کافر قرار دینے کا ایک حصہ ہے، اور اسی طرح یہ ان سے دینی دشمنی کے اظہار کا بھی ایک حصہ ہے۔ کیونکہ ظاہری اعمال میں ان کی مشابہت اختیار کرنا باطن میں ان کے تئیں پائیدار محبت کی دلیل فراہم کرتا ہے۔ اگر مسلمان کفار سے بغض رکھتا تو ان کی مشابہت اختیار نہ کرتا، سو مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے دین میں عزت تلاش کرے، کفار ومشرکین کی مشابہت؛ لباس اور ان کے دیگر مذہبی امور میں قطعاً اختیار نہ کرے، اور کفار کی سب سے بدترین مشابہت ان کے دینی امور میں مشابہت اختیار کرنا ہے، وہ اس طور پر کہ کوئی مسلمان یہ کہے کہ ہم بھی اپنے دین میں عید میلاد النبی ومیلاد الأولیاء منائیں گے، تو یاد رکھئے! یہ کافر نصرانیوں کی صریح مشابہت ہے، کیونکہ وہ بھی اپنے نبی مسیح علیہ السلام کا میلاد مناتے ہیں۔

لہذا ہم ان کی نہ عادات واطوار میں مشابہت اختیار کریں گے اور نہ ہی عبادات ولباس میں۔

● **یہاں یہ بھی جانتے چلیں کہ کافروں کے ساتھ وہ کون سے معاملات ہیں جو جائز ہیں،** ہم کچھ ایسے امور ومعاملات یہاں ذکر یں گے جو اسلام میں کفار کے ساتھ جائز ہیں، ان کا تعلق دوستی ومحبت کی قسم سے نہیں ہے، بلکہ وہ جائز ومباح اور مشترکہ منافع کے امور سے ہے:

---

① مسند أحمد: ۵۱۱۴، سنن أبي داود: ۴۰۳۱، علامہ البانی نے اسے "حسن صحیح" قرار دیا ہے۔

[۱] کفار کے ساتھ تجارت کا معاملہ یعنی ان کے ساتھ خرید وفروخت جائز ہے۔

[۲] کفار کے تجربات سے مستفید ہونا بھی جائز ہے، اگر کوئی کام مسلمان نہ کر سکتے ہوں تو ان سے اجرت دے کر کام لیا جاسکتا ہے، مگر کافر سے ان امور میں کام نہیں لیا جائے گا جو مسلمانوں کے خاص اموراور راز سے متعلق ہوں؛ ہم اسے وزیر یا مشیر نہیں بنا سکتے (کیونکہ وہ ان عہدوں کے ذریعہ مسلمانوں کے تمام امور سے واقف ہوجائے گا)، البتہ مسلمانوں کے راز دارانہ امور کو چھوڑ کر کفار سے وہ کام لئے جاسکتے ہیں جسے وہ بخوبی انجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں، جیسے کنٹرکشن کا کام اور کمپنی کے کام کاج وغیرہ۔

جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر ہجرت میں عبداللہ بن اریقط نامی ایک کافر کو اجرت پر رکھا تاکہ وہ راہ کی رہنمائی کرے۔

[۳] اگر کافروں کے ساتھ معاہدہ کرنے میں مسلمانوں کی کوئی مصلحت ہوتو یہ بھی جائز ہے ،خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں یہود سے مصالحت کی، اور حدیبیہ کے موقع پر مشرکین سے صلح کی، لہذا مسلمانوں کا کسی مصلحت کی بنا پر صلح کرنا جائز ہے اور ایسے ہی اگر مسلمان کفار سے قتال کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو بھی ان سے مصالحت جائز ہے۔

[۴] جب کفار ہم سے حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آئیں تو ان کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرنا جائز ہے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ [الممتحنۃ:۸] جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا، ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

لہذا جب وہ مسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں تو مسلمان بھی ان کے ساتھ اچھا برتاؤ

کریں گے، یادرہے کہ یہ حسن سلوک محبت کے قبیل سے نہیں ہے، بلکہ یہ بدلے کے طور پر ہے۔

اوراگرکسی کاباپ کافرہوتواس کے مسلمان لڑکے پرواجب ہے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ دینی محبت کئے بغیر بھلائی کا معاملہ کرے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ [لقمان: ۱۴، ۱۵] ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر، (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی برتاؤ کرنا، اور اس شخص کی راہ پر چلنا جو میری طرف جھکا ہو، تمہارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے، تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبردار کردوں گا۔

لہذا اولاد پر واجب ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کریں، چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں، البتہ کافر والدین سے وہ دلی محبت نہیں کرے گا: ﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ﴾ [المجادلة: ۲۲] اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے دوستی رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے، گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے) کے عزیز

ہی کیوں نہ ہوں۔

لہذا معلوم ہوا کہ محبت والفت الگ چیز ہے اور حسنِ معاملہ الگ۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی والدہ جو مشرکہ تھیں وہ آئیں اور اپنی بیٹی سے مال کا مطالبہ کرنے لگیں، حضرت اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئیں اور ان سے سوال کیا: کہ میری والدہ میرے پاس صلہ رحمی کی امید سے آئی ہیں، انہیں کچھ مال کی حاجت ہے، تو کیا ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرو''[1]۔

اسی طرح دنیاوی امور، تجارتی معاملات، حسنِ سلوک، مسلمان وکفار کے مابین غیر دینی مسائل میں تبادلہ، نیز ڈپلومیٹک نمائندگی کے لئے سفارت خانہ کھولنا بھی درست ہے، مشرکین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے سفیر بھیجتے تھے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مسجد میں آتے اور ان سے بات چیت کرتے تھے۔

واضح رہے کہ یہ سارے معاملات دوستی کے قبیل سے نہیں ہیں، بلکہ یہ مسلمان وکفار کے درمیان جائز مصالح میں سے ہیں، لہذا دونوں میں تفریق ضروری ہے، کیونکہ بعض لوگ جائز وناجائز تعامل کو نہ جاننے کی صورت میں دونوں مسئلہ کو خلط ملط کر دیتے ہیں، جس کے نتیجہ میں بعض یہ کہتے پھرتے ہیں کہ: ''کفار سے دوستی جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ تعامل جائز قرار دیا ہے، اور اسی طرح کتابیہ سے نکاح بھی مباح قرار دیا ہے، لہذا ان سے محبت جائز ہے، سوان میں اور ہم میں تفریق کرنا درست نہیں''۔ ایسا شخص تفریط کا شکار ہے۔

اور بعض لوگ اس قدر افراط کے شکار ہیں کہ ان کے نزدیک کفار سے کسی بھی طرح کا کوئی تعلق درست نہیں، ان سے نہ تجارتی تعلقات درست ہے، نہ سفارت خانہ کے ذریعہ ان سے معاملات جائز ہیں، اور نہ ہی ان کے احسان کا بدلہ احسان سے چکانا جائز ہے، کیونکہ یہ

---

① صحیح البخاری: ۵۹۷۹، صحیح مسلم: ۱۰۰۳۔

سب ان کے نزدیک موالات اور دوستی کے قبیل سے ہے۔

جواب: ہم ان سے کہیں گے کہ یہ دوستی کے قبیل نہیں ہے، اس مسئلہ میں جائز وناجائز کی تفریق دلائل کی روشنی میں ضروری ہے، افراط وتفریط، اورتشدد وتساہل کو چھوڑ کر وسطیت کی راہ اپنانا ضروری ہے، کیونکہ یہ دین؛ دینِ وسط ہے، اس میں غلو ہے نہ تفریط۔

لہذا ہم پر واجب ہے کہ اس مسئلہ کو علم کی روشنی میں سنجیدگی کے ساتھ سمجھیں، اور جاننے کی کوشش کریں کہ کفار کے ساتھ وہ کون سے معاملات ہیں جو شرعاً درست ہیں اور کون سے معاملات درست نہیں، اس زمانے میں خاص کر دین کی صحیح معرفت ضروری ہے کیونکہ یہاں دینی امور میں علم کے بغیر ہوائے نفس کے مطابق فتویٰ بازی کرنے والوں کی کثرت ہے، لہذا طالب علم پر واجب ہے کہ وہ ان معاملات میں حکمِ شرعی کو جانیں، یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے، کیونکہ اس کا تعلق مسلمانوں کے عقیدہ جڑا ہے۔

سوالات وجوابات

سوال: کیا کافر کی تکفیر صرف اصلی کافر کے ساتھ خاص ہے یا مرتد ہوکر کافر ہونے والے کی بھی تکفیر کی جائے گی؟

جواب: جی ہاں، کفار کی تکفیر؛ خواہ وہ اصلی کافر سے متعلق ہو یا مرتد سے متعلق دونوں کو عام ہے، لہذا دونوں کے ساتھ ایک ہی معاملہ کیا جائے گا، البتہ مرتد شخص سے توبہ کروائی جائے گی اگر توبہ کرلیا تو ٹھیک ورنہ اس کو (حاکمِ وقت کے حکم سے) قتل کردیا جائے گا۔

رہا اصلی کافر تو اس سے عہد ومعاہدہ بھی جائز ہے، جبکہ مرتد کو یوں ہی نہیں چھوڑا جاسکتا، کیونکہ اس نے حق جاننے کے باوجود سرکشی کرتے ہوئے اپنا عقیدہ خراب کرلیا، لہذا اسے سماج کا ایک خراب حصہ سمجھ کر قتل کردیا جائے گا۔

سوال: کیا اس شخص کی تکفیر کی جائے گی جو مشرکین کو کافر سمجھنے میں شک کا شکار ہو، لیکن یہ شک اس کے دل ہی میں دبا ہو، زبان سے اس کا اظہار نہ ہوا ہو؟۔ نیز دل کے شک اور حدیثِ نفس میں کیا فرق ہے؟

جواب: شک دل میں ہوتا ہے، لہذا جس کا دل مشرک کو کافر سمجھنے میں شک کا شکار ہو کہ آیا یہ مشرک کافر ہے یا نہیں، تو ایسا شخص مرتد ہے، اور اگر اس شک کو زبانی طور پر اظہار کردے تو یہ اور زیادہ خطرناک ہے، البتہ بلا شک وشبہ کے حدیثِ نفس کا واقع ہونا نقصان دہ نہیں۔

سوال: ٹیلی ویژن اور ریڈیو وغیرہ پر ایسے بھی لوگ ہیں جو کہتے ہیں یہود ونصاریٰ ہمارے دینی وایمانی بھائی ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کی تکفیر کی جائے گی؟

جواب: جو بھی مسلم شخص یہ کہے کہ یہود ونصاریٰ ہمارے بھائی ہیں تو اس کی تکفیر کی جائے

گی الا یہ کہ اس نے جہالت میں یہ بات کہی ہو(تو ایسی صورت میں اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی)، ایسے جاہل شخص کے سامنے پہلے اس مسئلہ کی وضاحت کی جائے گی ، اس کے بعد بھی اگراس پر اصرار کرے تو اس پر کافر ہونے کا حکم لگایا جائے گا ، اور اگر اس سے توبہ کرلے تو اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

سوال: کسی معین وخاص شخص کی تکفیر کا ضابطہ کیا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں: ''تم کسی معین شخص کی تکفیر اس وقت تک نہ کرو جب تک اس کا کفر ثابت نہ ہوجائے ، اگرچہ وہ یہودی ہی کیوں نہ ہو''، تو ایسا کہنا کیسا ہے؟

جواب: جو اپنا کفر ظاہر کرے اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا ، اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرے اس پر مشرک ہونے کا حکم لگایا جائے گا ،لیکن اس کے جہنمی یا دوزخی ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا ، کیونکہ آپ اس پر دنیا میں کفر کا حکم اس قول وعمل کی بنیاد پر لگا رہے ہیں جو اس سے صادر ہوا ہے،لیکن آپ اس کے اخروی زندگی کے بارے میں یہ حکم نہیں لگا سکتے ہیں کہ وہ فلاں جہنمی ہے، ممکن ہے وہ مرنے سے قبل توبہ کرلیا ہو اور آپ کو علم ہی نہ ہو۔

سائل نے مسئلۂ تکفیر کو مسئلۂ حکم بالنار سے خلط ملط کردیا ہے۔

پانچواں درس؛ چوتھے ناقض کی شرح

مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اسلام کو ڈھا دینے والا چوتھا کام یہ ہے کہ:

"جو یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے سے غیروں کا طریقہ زیادہ بہتر ہے، یا ان کے فیصلے سے غیروں کا فیصلہ زیادہ اچھا ہے، مثلاً: طواغیت کے فیصلے کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر ترجیح دے تو وہ کافر ہے"۔

شرح:

مصنف رحمہ اللہ کا مذکورہ قول دو مسئلوں پر مشتمل ہے:

[أ] **پہلا مسئلہ: "جو یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے سے غیروں کا طریقہ زیادہ بہتر ہے"**، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت سے مراد آپ کا وہ دین اور طریقہ ہے جسے آپ نے دعوت الی اللہ، تعلیم و تربیت اور اخلاقی امور میں اپنایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ سب سے افضل اور کامل ترین طریقہ ہے، جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **"إن خيرَ الكلامِ كلامُ اللهِ وخيرَ الهديِ هديُ محمدٍ ﷺ"**[①]۔ سب سے بہترین کلام اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے۔

لہذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ لوگوں سے معاملات نبھانے اور مدعووین کے ساتھ برتاو کرنے میں سب سے زیادہ بہتر ہے، آپ لوگوں کے ساتھ احسن طریقہ سے معاملہ کرتے، انہیں اچھے ڈھنگ سے دعوت دیتے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ [القلم: ۴] اور بے شک آپ تو بڑے بلند اخلاق پر فائز ہیں۔

---

① صحیح مسلم: ۸۶۷۔

اور ایک جگہ فرمایا: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ﴾ [آل عمران: ۱۵۹] اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر رحم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے سو آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لئے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں۔

یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق، آپ احسن طریقے سے لوگوں کو دین سکھاتے تھے، تعلیم وتربیت میں آپ نے کبھی سخت کلامی، ترش روئی اور غیظ وغضب کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔

بطور مثال اس دیہاتی شخص کا قصہ یاد کیجئے جو مسجد میں آ کر پیشاب کرنے لگا، تو صحابہ کرام نے اسے ڈانٹ ڈپٹ کر روکنے کی کوشش کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ: اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ مکمل پیشاب کر کے فارغ ہو جائے، جب وہ فارغ ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ایک ڈول پانی انڈیلنے کا حکم دیا، پھر اس دیہاتی کو بلا کر فرمایا: ''یہ مساجد اِن کاموں کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں، بلکہ اللہ کے ذکر واذکار کے لیے بنائی گئی ہیں''[1]۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی واقعات ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو تعلیم دیتے وقت احسن اسلوب اور طریقہ اختیار فرمایا ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کا یہ بھی حصہ ہے کہ آپ لوگوں کی تکلیفیں برداشت کرتے اور جب کوئی آپ کے ساتھ برا سلوک کرتا تو غصہ نہ ہوتے، اس کے ساتھ بردباری اور نرمی کا معاملہ کرتے، ہاں اگر کوئی اللہ کی حرمتوں کی پامالی کرتا تو اس سے اللہ کے لئے ناراضگی ظاہر کرتے، اپنی ذات کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی غصہ نہ ہوتے[2]۔

① صحیح البخاری: ۲۱۹، صحیح مسلم: ۲۸۴، ۲۸۵۔

② صحیح البخاری: ۶۱۲۶، صحیح مسلم: ۲۳۲۷۔

اسی طرح سے یہ بھی ثابت ہے کہ : ”أَنَّ رَجُلًا أَتى النبيَّ ﷺ يَتَقاضاهُ، فأغْلَظَ فَهَمَّ به أَصْحابُهُ، فَقالَ رَسولُ اللَّهِ ﷺ: دَعُوهُ، فإنَّ لِصاحِبِ الحَقِّ مَقالًا، ثُمَّ قالَ: أَعْطُوهُ سِنًّا مِثْلَ سِنِّهِ، قالوا: يا رَسولَ اللَّهِ، إلّا أَمْثَلَ مِن سِنِّهِ، فَقالَ: أَعْطُوهُ، فإنَّ مِن خَيْرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ قَضاءً.“[1] ۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (اپنے قرض کا) مطالبہ کرنے آیا، اور سخت گفتگو کرنے لگا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غصہ ہو کر اس کی طرف بڑھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، کیونکہ جس کا کسی پر حق ہو تو وہ (بات) کہنے کا بھی حق رکھتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کے قرض والے جانور کی عمر کا ایک جانور اسے دے دو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس سے زیادہ عمر کا جانور تو موجود ہے (لیکن اس عمر کا نہیں)، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے وہی دے دو، کیونکہ تم میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو دوسروں کا حق اچھی طرح ادا کرے۔

اسی طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک اپنے گھر والوں کے ساتھ بھی سب سے اچھا تھا ،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے بہتر معاملہ کرتے ،اور دوسروں کو بھی اس کی نصیحت کرتے: ”خيرُكم خيرُكم لأهلِه، وأنا خيرُكم لأهلِي“[2] ۔ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔

اس طرح کی مثالیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں بھری پڑی ہیں، پس جان لو! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کی کوئی برابری نہیں کرسکتا، پھر ان کے طریقہ سے اچھا طریقہ کسی اور کا

---

① صحیح البخاری: ۲۳۰۶، صحیح مسلم: ۱۶۰۱۔

② مسند أحمد: ۷۴۰۲، سنن الترمذی: ۳۸۹۵۔

کیسے ہوسکتا ہے؟ لہذا جو یہ گمان کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ سے بہتر کسی اور کا طریقہ ہے تو اس نے بلا شبہ کفر اکبر کا ارتکاب کیا، جس کی وجہ سے وہ ملت سے خارج ہوجائے گا۔

۲ دوسرا مسئلہ: جو یہ عقیدہ رکھے کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے سے غیروں کا فیصلہ زیادہ اچھا ہے تو اس نے کفر کیا“۔

اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف سے مبلغ ہیں، سو ان کا فیصلہ درحقیقت اللہ کی طرف سے جاری ہونے والا فیصلہ ہوا، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرَاكَ اللَّهُ﴾ [النساء:۱۰۵] یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے، تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے۔

اور ایک جگہ فرمایا: ﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ﴾ [المائدۃ:۴۹] آپ ان کے معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی فیصلہ کیا کیجئے۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی فیصلہ کرتے ہیں جس کی اللہ نے آپ کو رہنمائی کی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ نہیں فرمایا: ”بما رأیت“ کہ جو آپ خیال فرمائیں، بلکہ فرمایا: ﴿بِمَآ أَرَاكَ اللَّهُ﴾ جو اللہ نے بتایا ہے، اس کے مطابق فیصلہ کریں۔

لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو بخوشی تسلیم کر لینا اور اسے عملی جامہ پہنانا واجب ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [النساء:۶۵] سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں

اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔

سو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ حکمِ الٰہی کی روشنی میں صادر ہوا کرتا، بعض اجتہادات میں خطا واقع بھی ہوئی تو اللہ نے آپ کو اس پر باقی نہ رکھا، بلکہ فوراً آپ کی رہنمائی فرمائی، لہذا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی فیصلہ پر اعتراض کرنا جائز نہیں۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ [الأحزاب:٣٦] اور (دیکھو) کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، یاد رکھو! جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

اور ایک جگہ فرمایا: ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [الحشر:٧] اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

اور ایک دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [النجم:٣، ٤] اور وہ نہ اپنے خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں، وہ تو صرف وہی کہتے ہیں جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتیں اللہ کی طرف سے وحی کردہ ہیں، اور سنت قرآن کی تفسیر وتوضیح ہے، ساتھ ہی ساتھ وہ قرآن کے بعد دوسرا مصدر بھی ہے۔ لہذا اس کا احترام اور اس کو قبول کرنا بھی ویسے ہی واجب ہے جیسے قرآن کا احترام اور اس کو قبول کرنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [الحجرات:١] اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول

سے آگے نہ بڑھو، اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ تمام احکام کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخذ کریں، اور کسی بھی چیز کے متعلق بلا دلیل محض رائے یا استحسان سے فیصلہ نہ کریں۔

نیز مسلمانوں کے لئے یہ قطعاً جائز نہیں کہ وہ کسی کے قول کو اللہ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول پر مقدم کریں، اور جس کسی نے ایسا کیا وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے بڑھنے والا ہے۔

مسلمانوں کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ دینی مسئلہ میں اپنے عقل وفکر کا استعمال کریں، یا کتاب وسنت کے مخالف کسی اور رائے کو قبول کریں۔ بلکہ ان پر یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ ہی حق اور درست ہے، اور جو ان دونوں کے مخالف فیصلہ ہے وہ باطل ہے۔

خلاصۂ کلام: جو کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ مخلوق کا حکم اللہ کے حکم سے بہتر ہے یا غیرِ رسول کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اچھا ہے تو اس نے کفر کیا اور یہ اسلام کو ڈھا دینے والے امور میں سے ہے۔

اللہ کے نازل کردہ حکم کے علاوہ سے فیصلہ کرنے کا مسئلہ:

جو شخص یہ سمجھے کہ اب وقت بدل چکا ہے، اور کتاب وسنت کے احکامات گزرے ہوئے زمانے کے لیے تھے، عصر حاضر کا تقاضا ہے کہ زمانہ کے مطابق جدید احکام ہونے چاہئے، تو ایسا شخص مرتد ہے۔

کیونکہ شریعت اسلامیہ قیامت تک آنے والے ہر زمان ومکان کے لیے مناسب ہے، اس پر ہمارا پختہ عقیدہ ہے، اگر شریعت اسلامیہ کی صلاحیت کسی کے یہاں واضح نہیں تو یہ اس کی اور اس کے سمجھ کی کمی ہے، شریعت اسلامیہ کی نہیں۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ (شرعی) حدود کا نفاذ جیسے: شادی شدہ زانی کو رجم کرنا، چور کا ہاتھ کاٹنا، اور مرتد کو قتل کرنا یہ سب بڑے سخت قوانین ہیں، نیز قاتل کو بطور قصاص قتل کرنا ایک وحشیانہ عمل ہے، یہ قوانین اس ترقی یافتہ زمانہ میں نہیں چل سکتے۔

یہ بالکل واضح ارتداد ہے، اس طرح کی باتیں منافقوں سے ہی صادر ہوسکتی ہیں، کیونکہ اس طرح کے کلام سے اللہ کے احکام پر اعتراض لازم آتا ہے، اور یہ سوچ پائی جاتی ہے کہ اللہ کا حکم زمانہ کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر اور غیر مناسب ہے۔

اسی طرح جو یہ کہے کہ: 'مجھے اس بات کا اختیار ہے؛ چاہوں تو شریعت اسلامیہ کے ذریعہ فیصلہ کروں یا وضعی قوانین کے ذریعہ'۔ ایسا کہنے والا بھی مرتد ہے، کیونکہ بندے کو احکام الٰہیہ کے متعلق یہ حق نہیں ہے کہ وہ جو چاہے اختیار کرے اور جو چاہے چھوڑ دے، وہ تو اللہ کے حکم کا پابند ہے۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ﴾ [المائدۃ: ۴۹] آپ ان کے معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی فیصلہ کیا کیجئے، ان کی

خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے۔

لہذا لوگوں پر اللہ کے حکم کی پابندی ضروری ہے، اور اس کے بغیر ان کی اصلاح ممکن نہیں، جان لیجئے کہ یہ کوئی اختیاری معاملہ نہیں ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُه أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًا﴾ [الأحزاب:۳۶] اور کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، یاد رکھو! جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنا ایک عبادت ہے، لہذا اللہ کے تمام بندوں پر واجب ہے کہ وہ حکم الٰہی کے سامنے جھک جائیں اور یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ کے قانون وفیصلہ کے برابر یا اس سے افضل کوئی اور قانون نہیں، سو یہ گمان کوئی ہرگز نہ کرے کہ اس معاملہ میں بھی لوگوں کو اختیار ہے، اور ہر کوئی آزاد ہے۔ جیسا کہ بعض ملحدین اور زندیق ومنافقین حضرات آزادیٔ رائے، اور آزاد خیالی وغیرہ کے نام پر اس طرح کے نعرے لگا رہے ہیں۔

یاد رکھئے! ایسا عقیدہ رکھنے والے لوگ کافر ہیں، کیونکہ وہ ایک تو قانون الٰہی کی تعمیل نہیں کرتے ہیں اور اوپر سے سرکشی بھی دکھا رہے ہیں۔

اسی طرح جو مسلمان یہ کہے کہ: 'ہم مانتے ہیں کہ اللہ کا قانون برحق ہے مگر ہم پر اس کا التزام ضروری نہیں، انسان کے لئے اس کے علاوہ کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنا بھی جائز ہے، انسان زمانہ کے حساب سے جیسی مصلحت دیکھے چلے''۔ جو یہ کہتا ہے وہ بھی مرتد ہے۔

کیونکہ کے اللہ کے قانون کے علاوہ کسی اور نظام کے ذریعہ فیصلہ کرنا جائز نہیں، حکم الٰہی کے سوا دنیا کے تمام قوانین باطل ہیں، اور قانون الٰہی پر عمل درآمد نہ ہونے کی وجہ سے ہی آج

لوگوں کی مشکلات دور ہونے کے بجائے مزید بڑھتی جارہی ہیں۔لہذا جب آپ مانتے ہیں کہ یہ اللہ کا قانون ہے، اور وہ قانون برحق ہے،تو اب آپ کے پاس اسے قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

اللہ کا فرمان ہے:﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[النور:۵۱] ایمان والوں کو جب اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کی طرف بلالیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا، درحقیقت یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

یعنی اللہ اور اس کے رسول کے قانون میں کسی کو یہ اختیار نہیں کہ چاہے تو قبول کرے اور چاہے تو رد کردے۔ہاں اگر کوئی اپنے حق سے تنازل اختیار کرنا چاہے تو یہ اور بات ہے،(مثلاً اپنے مقتول کے قاتل سے قصاص نہ لینا)۔

مگر آپ کا یہ کہنا کہ 'میں اللہ کا قانون نہیں مانتا، میں وضعی قانون والے کورٹ میں جاکر فیصلہ کراؤں گا'۔تو جان لیں یہ ارتداد ہے۔

✶ **تنبیہ:** مگر وہ شخص جو یہ عقیدہ تو رکھے کہ اللہ کے نازل کردہ قانون کے علاوہ سے فیصلہ جائز نہیں لیکن خواہشاتِ نفس یا کسی دنیوی لالچ ؛-مثلاً رشوت ، مال یا کسی عہدہ ومنصب کی لالچ -میں آکر قانونِ الٰہی کے خلاف فیصلہ کرے، جبکہ اس کا اعتقاد ہو کہ یہ عمل حرام ہے، اور وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے گناہ کا کام کررہا ہے؛تو ایسا شخص اسلام سے خارج کردینے والے کفر کا مرتکب نہیں، بلکہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول "کفر دون کفر"(یعنی کفر اصغر) کا مرتکب ہے [1] ، اسے عملی کفر کہتے ہیں، اور یہ کبیرہ

---

[1] المستدرک علی الصحیحین:۳۲۱۹،السنن الکبریٰ للبیہقی:۱۵۸۵۴،علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے "شیخین کی شرط" پر صحیح قرار دیا ہے،دیکھئے:الصحیحۃ:۶/ ۱۱۳۔

گناہوں میں سے ہے، بڑا خطرناک گناہ ہے، لیکن ایسے شخص پر یہ حکم نہیں لگایا جائے گا وہ ملت سے خارج ہوگیا، کیونکہ ابھی اس کا عقیدہ باقی ہے۔

نیز اسی طرح کوئی مجتہد اپنے اجتہاد میں غلطی کر جائے اور اس سے اللہ کے قانون کے خلاف فیصلہ صادر جائے، جبکہ اس نے کتاب وسنت کی مخالفت کا قصد نہ کیا ہو، تو ایسا مجتہد حکم الٰہی کے ذریعہ فیصلہ کرنے والا ہی مانا جائے گا، اگر چہ وہ صحیح فیصلہ نہ کر سکا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: **"إذا حكم الحاكم فاجتهد، ثم أصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد، ثم أخطا فله أجر"**[1]۔ جب حاکم کتاب وسنت سے اجتہاد کرتے ہوئے فیصلہ کرے اور فیصلہ صحیح ہو، تو اسے دہرا ثواب ملتا ہے، اور جب کسی فیصلہ میں اجتہاد کرے لیکن غلطی کر جائے تو اسے اکہرا ثواب ملتا ہے۔

اور اس مجتہد کی خطا بھی معاف ہے، کیونکہ اس نے خطا کا قصد نہیں کیا تھا، اس کا ارادہ شرعی طریقہ سے فیصلہ کرنے کا تھا، اور اس نے شرعی حکم کے مطابق فیصلہ کرنے کی کوشش بھی کی، مگر درستگی کو نہ پہونچ سکا۔ اسی لئے اسے اس کی نیت واجتہاد کے مطابق ایک اجر ملے گا اور اس کی خطا معاف ہوگی۔

یہ مسئلہ موجودہ زمانے کے مشکل ترین مسائل میں سے تھا جس کا تفصیلی بیان آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

اس سے متعلق ایک اور مسئلہ جانتے چلیں کہ دعوت وتبلیغ کی طرف منسوب بعض داعی حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ حکم الٰہی صرف مالی جھگڑے، اور حقوقی امور میں ہے، اس معنیٰ میں کہ صرف اِنہیں امور میں حکم الٰہی کے ذریعہ فیصلہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا (اس کے علاوہ امور میں نہیں)۔

---

[1] صحیح البخاری: ۷۳۵۲، صحیح مسلم: ۱۷۱۶۔

جی ہاں! اس کی یہ بات درست ہے کہ لڑائی ، جھگڑوں میں حکم الہٰی کے ذریعہ فیصلہ کیا جائے گا، لیکن اسلامی قانون کے ذریعہ فیصلہ صرف لڑائی ، جھگڑوں تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ عقائد کے امور میں تو سب سے پہلے اسلامی قانون کے ذریعہ فیصلہ کرنا واجب ہے، کیونکہ عقیدہ سب سے اہم شئ ہے، اوراس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ دنیا میں مختلف عقائد کے حامل لوگ موجود ہیں، لہذا ان میں اسلامی قانون کا نفاذ کرتے ہوئے ان کے سامنے صحیح و باطل عقیدہ کی وضاحت ضروری ہے۔

اور رہا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ: ''لوگوں کو ان کے عقیدہ پر چھوڑ دو، اسلامی عقیدہ کی بات کرکے لوگوں کے مابین نفرت انگیزی نہ کرو، ہر ایک کو اپنے اپنے عقیدہ پر قائم رہنے کا حق ہے''۔

تو جان لیں کہ یہ باطل کلام ہے، اس طرح کا کلام قطعاً درست نہیں، لہذا جو اس بات کی اجازت دے کی ہر انسان کو اختیار ہے کہ وہ جو عقیدہ چاہئے اپنائے، یعنی لوگ اپنی مرضی کا عقیدہ اختیار کرنے میں آزاد ہیں، تو ایسا شخص اسلام سے خارج و مرتد ہے۔

کیونکہ انسان پر واجب ہے کہ اس کا عقیدہ؛ توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء و صفات میں کتاب وسنت کے مطابق ہو۔

جہاں تک توحید ربوبیت کی بات ہے تو اس میں کسی کا کوئی جھگڑا نہیں۔ رہا توحید الوہیت تو زیادہ تر اختلاف اسی میں ہے، لہذا اس میں اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے، کیونکہ توحید الوہیت کا عقیدہ ہی دین کی اساس و بنیاد ہے، سو عبادت صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کے لئے ہونی چاہئے، اور اللہ کے علاوہ کی عبادت ملت سے خارج کردینے والا شرک ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن بھیجا تو ان سے فرمایا: ''انہیں

سب سے پہلے اس بات کی دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں''[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں صرف اس لیے نہیں بھیجا کہ وہ اسلامی قانون کے مطابق لڑائی، جھگڑوں کا فیصلہ کریں، بلکہ اس لیے بھیجا کہ وہ سب سے پہلے انہیں باطل عقیدہ سے نکال کر صحیح عقیدہ کی طرف دعوت دیں، اور اسی عقیدۂ توحید کے ذریعہ تمام انبیاء ورسل نے اپنے دعوت کی شروعات کی۔

انبیاء ورسل کے بھیجے جانے کا مقصد صرف جھگڑوں کا تصفیہ اور فیصلہ کرنا نہیں تھا، بلکہ ان کا پہلا مقصد عقیدۂ صحیحہ کو واضح کرنا تھا، اور جو لوگ اس عقیدہ کے خلاف تھے انہیں اس حقیقت سے آگاہ کرنا تھا کہ وہ کافر ومشرک ہیں۔

آپ انصاف کے ساتھ بتائیں کہ جو غیر اللہ کی عبادت کرے، غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ اور نذر ونیاز پیش کرے، اور مردوں سے مدد طلب کرے، کیا ایسے شخص کو یوں ہی چھوڑ دیا جانا چاہئے؟ اس پر اللہ کے قانون کے مطابق کیا فیصلہ نہیں ہونا چاہئے؟؟

ایک بکری کو لے کر کسی دو کے درمیان جھگڑا ہو جائے تو بڑے زور شور سے آواز لگائی جاتی ہے کہ دونوں کے مابین اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے، لیکن جب عقیدہ کو لے کر اختلاف واقع ہوتا ہے تو بڑی آسانی سے کہہ دیا جاتا ہے کہ ہر ایک کو اپنے اپنے عقیدہ پر چھوڑ دو، اگر چہ وہ مشرک ہو! کیا یہ قطعاً درست ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! ہونا تو یہ چاہئے کہ سب سے پہلے عقیدہ کے باب میں واقع اختلاف کے متعلق اسلامی قانون کے فیصلہ کا نفاذ ہو۔

اپنے اپنے عقائد ونظریات پر لوگوں کو چھوڑنے کی بات کرنا ہر اعتبار سے باطل ومنکر ہے

---

[1] صحیح البخاری: ۱۴۵۸، صحیح مسلم: ۱۹۔

اور یہ تمام رسولوں کی دعوت بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے مخالف ہے۔

اسی طرح توحید اسماء وصفات کے مسئلہ میں اسلامی قانون کے ذریعہ فیصلہ ہو، نیز جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ اورخوارج ومرجئہ کے باطل عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے ان پر بھی اسلامی قانون کے مطابق احکام صادر کئے جائیں۔

توحید اسماء وصفات کے باب میں اہل سنت، جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ فرقوں کے درمیان کافی اختلاف ہے، لہذا اس اختلاف کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے، اور اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق اس میں فیصلہ کیا جائے۔ اور کون درستگی پر ہے اور کون خطا پر اس کی وضاحت کی جائے۔ لوگوں کو صحیح غلط کی رہنمائی کئے بغیر اور ان پر حکم لگائے بغیر یوں ہی نہ چھوڑا جائے۔ کیونکہ اللہ کا قانون عقیدہ اور اس کے علاوہ دیگر امور کو بھی شامل ہے۔

اور اسی طرح امورِ عبادت میں بھی قانون الٰہی کی تنفیذ ضروری ہے، کیونکہ جہاں بہت ساری عبادتیں کتاب وسنت کے مطابق انجام دی جارہی ہیں، وہیں بہت سی بدعی عبادتیں بھی دین کے نام پر کی جارہی ہیں، جن کی کتاب وسنت میں کوئی اصل نہیں، لہذا لوگوں کے سامنے ان بدعتوں کا بطلان واضح کیا جانا ضروری ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدعت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”**من عمل عملًا ليس عليه غيرُ أمرِنا فهو رَدٌّ**“۔ جس کسی نے کوئی ایسا (دینی) عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ مردود ہے [1]۔

اور ایک جگہ فرمایا: ”**إياكم ومحدثاتِ الأمورِ فإنَّ كلَّ محدثةٍ بدعةٌ وكلَّ بدعةٍ ضلالةٌ**“۔ خبردار! نئی نئی چیزوں (کو دین میں ایجاد کرنے) سے دور رہنا اس لیے

[1] صحیح مسلم: ۲۹۸۵۔

کہ (دین میں) ہرنئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''[1]۔

سو عبادات میں بھی قانون الٰہی کی تطبیق ضروری ہے، پس جو عبادت کتاب وسنت کے موافق ہو وہ صحیح ہے، اور جو اس کے مخالف ہو وہ باطل ومردود ہے، لہذا اس باب میں تساہل اور غفلت برتتے ہوئے یہ کہنا قطعاً درست نہیں کہ لوگوں کو ان کے طور طریقے پر چھوڑ دو، ان کے مابین حق و باطل کی وضاحت کر کے نفرت نہ پھیلاؤ۔

بھئی! ہم کہاں لوگوں میں نفرت پھیلا رہے ہیں، ہم تو لوگوں کے لئے بس خیر چاہتے ہیں؛ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ حق کی طرف پلٹ آئیں، کیونکہ ان کے لئے دنیا وآخرت کی ساری بھلائی اسی میں ہے، نیز اسی پر اکٹھا ہو جانا ہی امت کا صحیح اتحاد ہے۔

اگر ہم لوگوں کو شرک و بدعات میں ملوث اور اسماء وصفات کا انکار کرتے ہوئے چھوڑ دیں، انہیں نصیحت نہ کریں تو یہ امت کے ساتھ دھوکہ ہوگا۔ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دین نصیحت وخیر خواہی کا نام ہے، صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کس کے لئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لیے، مسلم حکمران کے لئے اور عام امتیوں کے لئے''[2]۔

اسی طرح سے ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' میں بھی حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے اور نافرمانی سے روکا ہے، اب اگر لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بغیر ہی انہیں آزاد چھوڑ دیا گیا، ان پر کوئی نکیر نہ کی گئی تو اللہ کا حکم اور قانون معطل ہو جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **''مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ**

---

① سنن أبي داود: ۴۶۰۷، مسند أحمد: ۱۷۱۸۵۔

② صحیح مسلم: ۹۵۔

يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ"[1]

تم میں سے جو منکر کام دیکھے اسے استطاعت ہو تو ہاتھ سے روکے، ہاتھ سے روکنے کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے، اور زبان سے بھی استطاعت نہ ہو تو کم از اس اس گناہ کو دل میں برا جانے، اور یہ ایمان کا کم تر درجہ ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ کا حکم اور قانون شرک وکفر کے علاوہ دیگر معاصیات کو بھی شامل ہے۔لہذا معاصیات سے متعلق اللہ کا جو قانون ہے اس کی وضاحت ضروری ہے؛ لوگوں کے سامنے اطاعت ومعصیت، معروف ومنکر لازم سمجھ کر بیان کیا جائے، نیز گنہگاروں کا ہاتھ روکا جائے تاکہ معاشرہ ہلاکت سے بچ سکے۔

اگر"امر بالمعروف ونہی عن المنکر" کو ترک کردیا گیا تو معاشرہ میں بس رہے اچھے برے تمام لوگ تباہ ہوجائیں گے، لوگ اگر برائی دیکھنے کے باوجود اصلاح کی کوشش نہ کریں تو ممکن ہے کہ اللہ انہیں اپنے عمومی عذاب سے گھیر لے۔

لہذا "حکم بما انزل اللہ" یہ عام ہے، مالی خصومات میں صرف منحصر نہیں، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، بلکہ الٰہی قانون عقیدہ وعبادات، اخلاق ومعاملات، دعوت وتبلیغ، اور زندگی کے ہر گوشے کو شامل ہے۔

مسلم حکمران کی یہ واجبی ذمہ داری ہے وہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کریں، اور لوگوں کو اللہ کے قانون کا پابند کریں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ [النساء:۵۸] اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ، اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل اور انصاف سے

[1] صحیح مسلم:۷۸۔

فیصلہ کرو، یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ سنتا ہے دیکھتا ہے۔

مذکورہ آیت حکام کی ذمہ داری سے متعلق ہے، اور اس کے بعد والی آیت محکومین (عوام) کی ذمہ داری سے متعلق ہے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا﴾ [النساء: ۵۹] اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فرمانبرداری کرو، اور تم میں سے اختیار والوں کی بھی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کر بیٹھو تو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

لہذا عوام کی بھی یہ واجبی ذمہ داری وہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (یعنی اسلامی قانون) کے ذریعہ فیصلہ کرائیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حکام پر واجب ہے وہ شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ کریں اور عوام پر بھی واجب ہے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ طلب کریں، طاغوتی نظام اور وضعی قوانین کے ذریعہ فیصلہ طلب کرنا جائز نہیں، اللہ کا فرمان ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ ۭ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا ۝ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا﴾ [النساء: ۶۰، ۶۱] کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا

چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے بہکا کر دور ڈال دے۔ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آؤ تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ منافق آپ سے منہ پھیر کر رکے جاتے ہیں۔

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ منافقین میں سے ایک شخص ۔جو خود کو بزعمِ خویش مسلمان کہتا تھا۔، اس کے اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا ہو گیا، یہودی نے کہا: ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیصلہ کروا لیتے ہیں۔ کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رشوت نہیں لیتے ہیں۔، جبکہ منافق نے کہا کہ نہیں ہم کعب بن اشرف یہودی سے فیصلہ کروانے چلتے ہیں۔کیونکہ وہ رشوت لیتا تھا۔۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت کریمہ نازل فرمائی، یعنی [النساء:٦٠] :﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ﴾ سے آیت نمبر ٦٥ تک، یعنی اللہ کے اس قول تک: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا﴾ [النساء:٦٥] سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

یہاں طاغوت سے مراد کعب بن اشرف وغیرہ ہیں [1] جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ لہذا ہر وہ شخص جو جان بوجھ کر غیر اسلامی قانون کے ذریعہ فیصلہ کرے وہ طاغوت ہے، اور طاغوت طغیان سے ہے جس کا معنی ہے؛ حق سے خروج کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی میں بذات خود لوگوں کے فیصلے کیا کرتے تھے، اب ان کی

① تفسیر ابن جریر: ٥/١٨٥، تفسیر ابن حاتم: ٣/٩٩١، معجم الکبیر للطبرانی: ١٢٠٤٥:٥۔

وفات کے بعد کتاب وسنت کے ذریعہ فیصلہ کیا اور کرایا جائے گا،﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾۔

سو مسلمان حاکم ومحکوم پر شریعت اسلامیہ کے ذریعہ فیصلہ کرنا اور کرانا واجب ہے، اللہ کے قانون کو کسی اور نظام کے ذریعہ بدلنا ان کے لئے قطعاً جائز نہیں، حکمران کا یہ بہانہ نہیں چلے گا ہم بڑی حکومتوں سے ڈرتے ہیں، اور ان حکومتوں نے ہم پر وضعی قانون کی پابندی لازم قرار دی ہے، بہرحال! ان کے لئے یہ جائز نہیں، کیونکہ وہ مسلمان ہیں اور مسلمان پر اسلامی نظام کا التزام واجب ہے۔

مسلم حکمران اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ بین الاقوامی قانون کے مطابق کوئی حکومت کسی دوسری حکومت کے داخلی سیاست میں مداخلت نہیں کرسکتی، یہ تو ان کا اپنا بنایا ہوا قانون ہے۔ اور مسلم حکمران اللہ کا یہ قانون بھی جانتے ہیں کہ کسی مخلوق کی اطاعت کی وجہ سے خالق کی نافرمانی جائز نہیں۔

اور جب انہیں کے قانون کے مطابق کسی ملک کے داخلی سیاست میں دخل اندازی کی اجازت نہیں تو آخر کیسے کہا جاتا ہے کہ ہم بڑی حکومتوں کے سامنے مجبور ہیں؟ اور کیسے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ہم پر وضعی قانون کی پابندی لازم قرار دی ہے؟ مسلم حکمران کے لیے غیر اسلامی قانون کے سامنے جھکنا قطعاً جائز نہیں۔ اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے: ﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ [المائدة:۴۹] آپ لوگوں کے معاملات میں اللہ کے نازل کردہ وحی کے مطابق ہی فیصلہ کیا کیجئے، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے، اور ان سے ہوشیار رہیئے کہ کہیں یہ آپ کو اللہ کے نازل کردہ حکم سے ادھر اُدھر نہ کردیں۔

اور یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام مسلمان حکمران کو شامل ہے۔

الغرض ''الحکم بما انزل'' (اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے) کا مسئلہ بڑا عظیم ہے اور اس میں تفصیل بھی ہے، جیسا کہ مفسرین کرام نے بیان کیا ہے، لہذا غیر اسلامی قانون کے ذریعہ فیصلہ کرنے والے ہر شخص پر علی الاطلاق کفر کا حکم لگانا صحیح نہیں۔

البتہ جو غیر اسلامی نظام کو اسلامی قانون سے اچھا سمجھے، یا دونوں کو برابر سمجھے، یا یہ سمجھے کہ اسے اس بات کا اختیار ہے کہ دونوں نظام میں سے جس سے چاہے فیصلہ کرے، تو ایسے شخص پر اسلام سے خارج کرنے دینے والے کفر کا حکم لگائے جائے گا۔

لیکن وہ شخص جو حکم الہی کو لازم اور برحق سمجھتا ہو، مگر خواہش نفس، یا رشوت، یا دنیوی لالچ وغیرہ کی وجہ سے اسلامی نظام کے خلاف فیصلہ کرے، تو اس پر کفر دون کفر (یعنی کفر اصغر) کا حکم لگایا جائے گا اور یہ فسق ہے۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ [المائدۃ: ۴۷] اور جو شخص اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارا ہے تو پھر وہی لوگ نافرمان ہیں۔

یہ چوتھا ناقضِ اسلام تھا جس کو شیخ رحمہ اللہ نے ذکر کیا، جس میں اس زمانے کا اہم اور مشکل ترین مسئلہ شامل ہے۔

ہم اللہ سے دست بدعا ہیں کہ الہٰی تو مسلم حکمران کو حکم الہی کے ذریعہ فیصلہ کرنے کی توفیق دے اور مخالفین کو حق قبول کرنے اور حق کی طرف رجوع کی توفیق دے۔ آمین

❁❁❁

سوالات وجوابات

سوال: اس شخص کا کیا حکم ہے جو کہے: ہم دعوتی مصلحت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ جانتے ہیں؟

جواب: یہ کفریہ اور باطل کلام ہے، نیز اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیل ہے، یہ کلام مؤلف رحمہ اللہ کے اِس قول میں داخل ہے کہ: ''جو یہ عقیدہ رکھے کہ غیرِ رسول کا طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ سے زیادہ بہتر ہے وہ کافر ہے''۔

سوال: اللہ کے فرمان: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [النساء:٦٥]

اس آیت میں ایمان کی نفی کیا کفر کی دونوں قسم (کفر اکبر واصغر) پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی بلا کسی استثناء کے چاہے وہ اس کا عقیدہ رکھے یا نہ رکھے۔؟

جواب: ممکن ہے اس کے یہاں کوئی عذر ہو، مگر اصل تو یہی ہے کہ وہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختلافی مسئلہ میں اپنا حکم نہ بنالیں، لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں جو اس کے کفر کی نفی کرتی ہیں، جسے علماء نے بیان کیا ہے (اوپر اس کی تفصیل گزر چکی ہے)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

❁❁❁

چھٹا درس؛ پانچویں ناقض کی شرح

مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اسلام کو ڈھا دینے والا پانچواں کام:

''جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت میں سے کسی چیز سے بغض ونفرت رکھا تو اس نے کفر کیا، اگر چہ وہ اس پر عمل کرے''۔

شرح:

مصنف رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ [محمد:9] (کافروں پر ہلاکت اور ان کے اعمال غارت اس لئے ہوں گے) کیونکہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوئے، پس اللہ تعالیٰ نے (بھی) ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ کی لائی ہوئی شریعت کو ناپسند کرنا اور اس سے بغض رکھنا اسلام سے پھر جانا اور مرتد ہو جانا ہے اور یہ گناہ اس کے تمام اعمال کو اکارت کر دینے والا ہے، کیونکہ جس نے ایمان کے ارکان:۔یعنی اللہ پر، اس کے رسولوں پر، اس کے فرشتوں پر، یوم ِآخرت پر اور تقدیر کے خیر وشر پر ایمان لانا۔ میں کوئی کمی کی تو وہ مومن نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ﴾ میں قرآن وسنت بھی شامل ہے۔

کیونکہ اللہ کی نازل کردہ وحی کی دو قسمیں ہیں:

① **پہلی قسم:** قرآن ہے، اور یہ پہلی وحی ہے، نیز اسلام کا یہ پہلا مصدر ہے۔

② **دوسری قسم:** سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہے، اللہ

تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ [النجم:3-4] اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔

نیز اللہ نے فرمایا: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ [الحشر:7] اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ۔

سو معلوم ہوا کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحیِ ثانی ہے اور اسلام کا دوسرا مصدر ہے۔

پس اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کے نازل کردہ شریعت سے محبت؛ عبادت کی عظیم ترین قسم ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی سنت سے محبت بھی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول سے آیا ہو اس سے محبت کرے، اور ان سے بغض رکھنا گویا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھنا ہے، اور یہ ارتداد و کفر باللہ ہے۔

پس مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کتاب وسنت اور دینِ اسلام سے محبت کرے، اور اگر وہ ان میں سے کسی چیز کو ناپسند سمجھے تو یہ اس کے عدمِ ایمان کی دلیل ہے۔

اور مصنف رحمہ اللہ کے قول: "ولو عمل به" (اگرچہ اس پر عمل کرے) سے مراد یہ ہے کہ وہ شریعت کے کسی حصہ کو ناپسند کرنے کے بعد مومن نہیں رہ سکتا اگر چہ وہ شریعت پر عمل کرے، کیونکہ منافقین بھی عمل کرتے تھے لیکن وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وحی منزل سے بغض رکھتے تھے، وہ وحی الٰہی کی پیروی کرنا نہیں چاہتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا﴾ [النساء:61] ان سے جب کبھی

کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف آؤ تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ منافق آپ سے منہ پھیر کر کے جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آخر وہ کیوں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ سے منہ پھیرتے تھے؟ کیونکہ وہ اپنے دل میں کتاب وسنت سے بغض رکھتے تھے، اگرچہ ظاہری طور پر ان پر عمل کرتے تھے، اور ان کا ظاہری عمل ان کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہونچا سکتا، ان کا عمل تقیہ کے طور پر ہوتا ہے جسے وہ جان بچانے کے لئے بطور حربہ استعمال کر رہے ہیں، ورنہ حقیقت میں ان کے دلوں میں قرآن وسنت کے تئیں بغض ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو کافر کہا ہے اور وہ لوگ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے، باوجود کہ وہ لوگ ظاہری طور پر کتاب و سنت پر عمل کرتے تھے، لیکن جب انہوں نے اپنے دلوں میں شریعت کے تئیں بغض وعناد چھپا رکھا، تو وہ اس کے نتیجے میں بدترین کفار ٹھہرے، اور انہیں لاحق ہونے والا عذاب سب سے سخت عذاب ہے؛ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

اور جہاں تک حقیقی کفار کی بات ہے تو ان کی بنیاد ہی اللہ کے رسولوں کی رسالت اور آسمانی کتابوں سے بغض رکھنے پر قائم ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾ [المائدۃ:104] اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا، کیا تب بھی وہ انہیں کی پیروی کریں گے جبکہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں؟

یعنی ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں ہمارے آباء واجداد سے جو عادات اور احکامِ جاہلیہ ملے ہیں یہی ہمارے لئے کافی ہے، لہذا ہمیں اللہ کے نازل کردہ آسمانی نظام کی دعوت نہ دو۔

اور دوسری آیت میں ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾[البقرة:170] اور ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں ہم اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، گو ان کے باپ دادے بے عقل اور ہدایت یافتہ نہ ہوں۔

گذشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ **اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت سے بغض رکھنے والے دو طرح کے لوگ ہیں:**

(۱) حقیقی کافر۔

(۲) اور وہ لوگ جو اسلام کا دعوٰی تو کرتے ہیں، جبکہ حقیقت میں وہ منافق ہیں۔

اوپر دونوں قسم کے لوگوں کی اسلام تعلیمات سے بغض ونفرت کا بیان گذر چکا ہے۔

اور جہاں تک مومنوں کی بات ہے تو ان کا معاملہ بڑا ہی نرالہ ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ملی ہوئی ہر چیز سے محبت کرتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[النور: 51] ایمان والوں کو جب اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا، دراصل یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

وہ بس اتنا کہتے ہیں: ﴿سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ اے اللہ ہم نے سن لیا اور اطاعت کی، کیونکہ مومنین اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے آئی ہوئی ہر چیز سے محبت کرتے ہیں، نیز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فیصلہ کر دیں اس سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی محسوس نہیں کرتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا

يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [النساء:65] قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کردیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔

یعنی وہ لوگ اللہ کے فیصلہ کے تئیں اپنے دلوں میں کسی طرح کا حرج نہیں پاتے ہیں۔

اور یاد رکھئے کہ مومن صرف ظاہری فرمانبرداری پر اکتفا نہیں کرتے ہیں، بلکہ ان کی فرما برداری ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے ہوتی ہے، اور اسی طرح وہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ سے ظاہری و باطنی طور پر محبت بھی کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [النساء:65] پھر جو فیصلے آپ ان میں کردیں، وہ ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہیں پاتے اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مومنین اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر اعتراض نہیں کرتے، کیونکہ وہ خوب اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ یہی حق وانصاف والا فیصلہ ہے، اور اس کے آئندہ کے نتائج بڑے بہتر ہیں، چنانچہ وہ لوگ کسی بھی چیز کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر مقدم نہیں کرتے اگرچہ وہ حکم ان کی خواہشات اور چاہت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، مومنوں کی صفت ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے آگے اپنی رایوں اور خواہشات کو قربان کردیتے ہیں۔ چونکہ وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ کتاب وسنت کے فیصلوں میں ہی خیر ہے؛ خواہ وہ خیر دیر میں آئے یا سویر۔

یہی حقیقی مومن کی پہچان ہے، وہ کبھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مقابل کوئی بدیل نہیں چاہتے، اور وہ کسی بھی مراجع ومصادر کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر

ترجیح نہیں دیتے۔ جی ہاں! یہی مومنین کی صفت ہے، بایں وجہ آپ انہیں کتاب وسنت کو سیکھنے میں بڑا حریص پائیں گے، وہ اس راہ میں مشقت و پریشانی بھی برداشت کریں گے، نیز ان کے دلوں میں کھانے پینے سے کہیں زیادہ شوق کتاب وسنت کی تعلیم کا ہے، کیونکہ انہیں کتاب وسنت سے محبت ہے، برخلاف منافقین کے کہ وہ تو کتاب وسنت سے بھاگتے ہیں، قرآن کو صرف اپنے زبان سے پڑھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا﴾ [النساء:61] تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ منافق آپ سے منہ پھیر کر کے جاتے ہیں۔

نیز اللہ نے فرمایا: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ﴾ [المنافقون:5] اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لئے اللہ کے رسول استغفار کریں تو اپنے سر مٹکاتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں۔

قرآن کریم کا یہ اشارہ اس بات کی دلیل ہے کہ منافقین کتاب وسنت سے بغض رکھتے ہیں۔

✷ **تنبیہ:** واضح رہے کہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین (عمل کے اعتبار سے) کوئی فرق نہیں، کیونکہ دونوں اللہ کی جانب سے ہیں، جبکہ صرف قرآن کو ماننے والا گمراہ فرقہ کتاب وسنت کے درمیان تفریق کرتا ہے، ان کا کہنا ہے کہ ہم صرف قرآن کو مانتے ہیں، کیونکہ ہم تک قرآن کے صحیح سالم پہونچنے میں کسی طرح کا کوئی احتمال اور شک نہیں، جبکہ احادیث کی سندوں میں شک کا احتمال کھٹکتا رہتا ہے۔

یہ ان کے اپنے ذہنوں کی اپج ہے، ورنہ مسلمان قرآن وحدیث کے درمیان تفریق نہیں کرتے، جیسے قرآن اللہ کی طرف سے ہے ویسے حدیث بھی اللہ کی طرف سے ہے، اسی لئے مسلمانوں کے نزدیک حدیث کی سندوں میں کسی طرح کے شک کا احتمال نہیں، کیونکہ

احادیث کے ذخیرہ کو ثقات وحفاظ راویوں نے پوری امانت کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

لیکن اس امت کے منافقین؛ جن کے دلوں میں کجی ہے، ایمان کا نقص ہے، مثلاً خوارج ومعتزلہ اور سنت رسول ﷺ میں شک کرنے والے دیگر تمام بدعتی فرقے، ان میں سے بعض اخبار آحاد کو مشکوک ٹھہراتے ہیں؛ کہتے ہیں کہ ہم صرف متواتر سنتوں کو مانتے ہیں، کیونکہ اخبارِ آحاد صرف ظن کا فائدہ دیتا ہے، اور بعض فرقے تو سرے سے سنت رسول ﷺ کے ہی منکر ہیں؛ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے صرف قرآن کافی ہے۔

جبکہ اہل حق کا کہنا ہے کہ نبی ﷺ کی ہر صحیح حدیث، خواہ وہ متواتر ہو یا آحاد؛ علم ویقین کا فائدہ دیتی ہے، اور ان احادیث کو وہ بلا تفریق عقائد وعبادات اور معاملات میں حجت تسلیم کرتے ہیں، وہ صحیح احادیث کو شک کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ یہی اہل سنت والجماعت کا طریقہ ہے۔

حالانکہ وہیں گمراہ فرقوں کا کہنا ہے کہ عقائد کے باب میں خبر واحد حجت نہیں، کیونکہ ان کے گمان کے مطابق وہ ظن کا فائدہ دیتا ہے، اور عقیدہ کی بنیاد یقین پر ہے (سو ظنی احادیث سے یقین کہاں حاصل ہوسکتا)۔

عجیب بات یہ ہے کہ وہ اپنے عقیدہ کی بنیاد علمِ کلام اور علمِ منطق کو تو مانتے ہیں اور ان کے بقول یہ دونوں علمِ یقین کا بھی فائدہ دیتے ہیں، مگر ان کے نزدیک اللہ کا کلام یقین کا فائدہ نہیں دیتا، ان کے یہاں رسول اللہ ﷺ کی سنت یقین کا فائدہ نہیں دیتی!! یہ سراپا گمراہی اور انتکاس نہیں تو اور کیا ہے؟

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے کسی حصہ سے بغض ہو تو یہ اس کے منافق ہونے کی دلیل ہے، اس کے یہاں ایمان نہیں اگرچہ وہ ایمان کا دعویٰ کرے اور ان احادیث پر بظاہر عمل بھی کرے، اس کے دل میں جب تک شریعت کے تئیں بغض ہو، وہ ناقضِ اسلام کا مرتکب ہے، اس کی دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ

قول ہے: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ [محمد:8-9] اور جو لوگ کافر ہوئے ان پر ہلاکت ہو، اور اللہ ان کے اعمال غارت کر دے گا، یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوئے، پس اللہ تعالیٰ نے (بھی) ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔

نیز اللہ نے اس سورت کے اخیر میں فرمایا: ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ [محمد:28] یہ اس بنا پر کہ یہ وہ راہ چلے جس سے انہوں نے اللہ کو ناراض کر دیا اور انہوں نے اس کی رضامندی کو برا جانا، تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

اس آیت میں اعمال ضائع کئے جانے کا سبب شرعی احکام سے نفرت بتایا گیا ہے، اور یہ نواقضِ اسلام میں سے ہے۔

● اور مؤلف رحمہ اللہ کا قول **"جو شریعت کے کسی بھی حصہ سے نفرت کرے وہ کافر ہے"**:
اس سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تمام چیزوں سے بغض رکھے، بلکہ اگر کسی ایک چیز سے بھی نفرت کرے، مثلاً: بعض صحیح احادیث سے بغض رکھے تو بھی اس کے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے، اور اس کا اسلام ٹوٹ جائے گا۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "لا یومن أحدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به"[1]۔ تم میں کا کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنی خواہش کو

---

[1] المدخل الی السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۰۹، السنۃ لابن أبي عاصم: ۱۵، شرح السنۃ للبغوی: ۱۰۴، الابانۃ الکبریٰ لابن بطہ: ۲۷۹، اس کی سند محققین کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن معنیٰ صحیح ہے۔ شاید اسی لئے بعض اہل علم (جن میں امام نووی، امام ذہبی، ابن حجر، احمد شاکر ہیں) نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اور امام ابن باز اور علامہ ابن عثیمین نے اسے سنداً ضعیف قرار دیتے ہوئے اس کے معنیٰ کو صحیح قرار دیا ہے۔

میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ کردے۔

اس حدیث کو امام نووی رحمہ اللہ نے اربعین کے اندر صحیح کہا ہے اور بعض علماء نے اس پر کلام کیا ہے جیسے حافظ ابن رجب رحمہ اللہ ① لیکن یہ آیت اس حدیث کی شاہد ہے: ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ [محمد:28] یہ اس بنا پر کہ یہ وہ راہ چلے جس سے انہوں نے اللہ کو ناراض کر دیا اور انہوں نے اس کی رضامندی کو برا جانا، تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

کیونکہ جب ان کی خواہش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا۔ سو معلوم ہوا کہ یہ آیت مذکورہ حدیث کی شاہد ہے۔

آج کے اس دور میں دیکھا جائے تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند کرنے والوں کی کثرت ہو گئی ہے، جو سنت ان کی خواہشاتِ نفس کے مخالف ہو وہ انہیں ناپسند لگتا ہے، مسائلِ معاملات میں سود کو ہی لے لیجئے، دیکھئے سود کا مرض موجودہ لوگوں میں کس طرح پھیل چکا ہے، اگر آپ ان سے کہیں کہ جناب! یہ سود ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حرام قرار دیا ہے، تو آپ یہ عرض کرنے کے بعد محسوس کریں گے کہ وہ آپ کی باتوں سے بور ہو رہا ہے، آپ کی نصیحت کو کراہیت کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے، ممکن ہے کہ کچھ لوگ اس کی صراحت نہ کریں، یا بعض لوگ صراحت بھی کر دیں، اور آپ کے کلام سے بوریت محسوس کرتے ہوئے یہاں تک کہہ جائیں کہ "پوری دنیا سود پر چل رہی ہے، اسی سود پر عالمی اقتصاد ٹکا ہوا ہے، اور آپ آئے ہیں دنیا والوں کی مخالفت کرتے ہوئے نصیحت کرنے"۔ سو یاد رکھئے اس طرح کا کلام کرنا اسلام سے خروج وارتداد ہے۔

جو شخص سود، جوا اور دیگر شریعت کے مخالف معاملات کی حرمت سے متعلق وارد نصوص کو

① نیز علامہ البانی، اور مقبل الوادعی رحمھم اللہ۔

ناپسند کرے وہ اسلام سے خارج و مرتد ہے، اور اِس کراہیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے سارے اعمال برباد کردے گا، اگر چہ وہ ظاہری طور پر سود لینے دینے سے بچتا رہا ہو۔

یہ مسئلہ بڑا خطرناک ہے، لہذا مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کا جائزہ لیں اور اپنی زبان کی حفاظت کریں، نیز خواہشاتِ نفس کو ترک کر کے حق جس راہ پر لے چلے ۔حتی الامکان ۔اسی پر چلیں، خواہشات کے پیچھے نہ پڑیں۔

اسی طرح عورتوں کا مسئلہ لے لیجیئے: اسلام نے عورتوں کے لئے کچھ ضوابط مقرر کئے ہیں جو اُس قانون کے مخالف ہے جس پر کفار کی عورتیں عمل پیرا ہیں، الغرض جب یہ اسلامی ضابطہ لوگوں کو بتایا جاتا ہے تو بہت سارے اسلام کے دعویدار بھی اسے ناپسند سمجھنے لگتے ہیں، اوران کی طرف سے مرد وعورت کے مابین مساوات کا نعرہ بلند ہونے لگتا ہے کہ: 'میراث میں عورتوں کا حق مردوں کے برابر ہے، مرد وعورت دونوں برابر ہیں'۔نعرہ بازی کرنے والے حضرات مرد وعورت کے درمیان فطری فرق کے سوا کوئی اورفرق باقی نہیں چھوڑنا چاہتے، مغربی تہذیب نے جیسے مرد وخواتین کو برابری کا [جھوٹا] درجہ دیا ہوا ہے یا خواتین کومردوں پر مقدم کیا ہوا ہے، ویسے ہی یہ لوگ بھی مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں ۔اور یہ حضرات نہیں چاہتے ہیں کہ عورتوں کا میراث (شریعت کے مطابق) مرد کے مقابل نصف ہواورعورت کی دیت مرد کی دیت کے نصف ہو، اور وہ اس بات کو بھی نہیں مانتے ہیں کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے مقابلے میں نصف ہے ۔جیسا کہ شریعت مطہرہ میں ہے ۔۔

اللہ تعالیٰ نے ہی مرد وعورت کو پیدا کیا، وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ مرد وعورت کے کے لئے کیا مناسب ہے، (کیا اللہ سے زیادہ کوئی اور بندوں کی ضروریات ومصلحت کو بہتر طور پر جان سکتا ہے؟؟)

چنانچہ اسی (ملحدانہ) نظریہ کی بنیاد پر ہی خواتین کے حجاب پر حملہ ہوا، پردے کے متعلق ثابت شدہ شرعی دلائل کے خلاف نامناسب تبصرے شروع کئے گئے، اگر ان کا بس چلتا تو پردے سے متعلق ثابت شدہ احادیث کی تضعیف میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑتے، لیکن جب ان کا بس نہ چلا تو اللہ اور اس کے رسول کی مراد سے ہٹ کر دلائل کی من مانی باطل تاویلیں کرنے لگے۔ ذرا بتایئے! کہ کیا اس میں اللہ کے نازل کردہ شریعت سے کراہت کی بو نہیں پائی جاتی؟؟

یہ وہ بیماریاں ہیں جو سماج میں کثرت سے عام ہو چکی ہیں، اس سلسلہ میں اہل باطل کے مقالات، مجادلات اور محاورات منظر عام پر آ چکے ہیں، وہ یہ نہیں چاہتے کہ اسلامی نظام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو فرق رکھا ہے وہ باقی رہے۔ اللہ نے مومن وکافر نیز مومن اور یہود و نصاریٰ کے درمیان تفریق کی ہے، حالانکہ وہ کہتے ہیں کہ مومنوں اور یہود و نصاری کے درمیان کوئی تفریق نہیں، بلکہ سب کے سب مؤمن ہیں۔

یہود ونصاری اہل کتاب تو ہیں اور ان کے خاص احکام بھی ہیں، لیکن انہیں مومنوں کے ساتھ برابری کا درجہ نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی یہود ونصاریٰ کے دین کو اسلام کے برابر سمجھا جاسکتا ہے، کیونکہ صرف اسلام برحق دین ہے، (اس کے علاوہ سارے ادیان باطل ہیں)، لہذا دینِ اسلام سے یہود ونصاریٰ کے دین کی برابری صحیح نہیں، ہاں ہوسکتا ہے کہ ان کے کچھ خاص احکام ہوں، جس میں وہ دوسرے کافر قوموں سے ممتاز ہوں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم ان کے دین کو دینِ اسلام کے برابر قرار دینے لگیں۔ سو جس نے بھی یہود ونصاریٰ کے دین کو دین اسلام کے برابر قرار دیا وہ کافر ہے۔

اہل باطل یہ نہیں چاہتے کہ قرآن میں موجود ولاء و براء کی آیتوں کو عوام الناس میں بیان کیا جائے، اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ لوگوں کے سامنے ان آیتوں کا تذکرہ ہو جو یہود و

نصاریٰ کی مذمت کرتی ہیں، ان پر لعنت بھیجتی ہیں، ان کے مذاہب کی حقیقت کو بیان کرتی ہیں، اور ان سے بغض ونفرت کا حکم دیتی ہیں، وہ اس طرح کی قرآنی آیتوں کو سننا نہیں چاہتے، ذرا بتائے ! کہ کیا یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل شدہ شرعی احکام سے کراہیت کی دلیل نہیں؟؟ یادر کھئے! یہ بڑا سنگین جرم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾[محمد:28] یہ اس بنا پر کہ یہ وہ راہ چلے جس سے انہوں نے اللہ کو ناراض کر دیا اور انہوں نے اس کی رضامندی کو برا جانا، تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

لہذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں، نیز یہود ونصاریٰ اور دیگر کفار کے تئیں مداہنت سے کام نہ لیں، اور نہ ہی اللہ کے دین میں مداہنت کرتے ہوئے ان سے کوئی سمجھوتہ کریں، اللہ کا فرمان ہے:﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾[القلم:9] وہ چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔

نیز اللہ نے فرمایا:﴿أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ﴾[الواقعۃ:81] کیا تم اس قرآن کی تعلیم پانے کے باوجود مداہنت سے کام لوگے۔

اللہ کے دین میں مداہنت جائز نہیں ہے، البتہ یہود ونصاریٰ کے ساتھ لین دین اور باہم معاملات ہم کتاب وسنت کے مطابق کریں گے، لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم انہیں مسلمانوں کے برابر قرار دے دیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾[الحشر:20] اہلِ نار اور اہلِ جنت (باہم) برابر نہیں، جو اہل جنت ہیں وہی کامیاب ہیں (جو اہلِ نار ہیں وہ ناکام)۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾[الجاثیۃ

21:] کیاان لوگوں کا جو برے کام کرتے ہیں یہ گمان ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں جو ایمان لائے اور نیک کام کیئے ان کا مرنا جینا یکساں ہو جائے برا ہے وہ فیصلہ وہ جو کر رہے ہیں۔

نیز ایک جگہ اور اللہ نے فرمایا: ﴿أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ﴾[ص:28] کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیئے ان کے برابر کر دیں گے جو (ہمیشہ) زمین میں فساد مچاتے رہے، یا پرہیز گاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اسی لئے نازل کیا تاکہ مومن اور کافر کے درمیان فرق کرے؛ وہ کافر خواہ مشرک ہو یا ملحد، نصرانی ہو یا یہودی، بہرحال سب کے کافر ہیں، اور کافر و مومن کے مابین برابری کسی بھی صورت جائز نہیں۔

بلکہ ہم پر واجب ہے کہ لوگوں کو وہی درجہ اور مقام دیں جس کا وہ شرعی طور پر مستحق ہے، اور اللہ کی اس ذمہ داری کو کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف کھائے بغیر انجام دیں، اور یہ کبھی نہ بھولیں کہ یقیناً قرآن وسنت سے محبت ہی دراصل ایمان ہے۔

عہدِ نبوی میں ایک آدمی (اپنے علاقہ میں) صحابہ کرام کو نماز پڑھاتے تھے اور وہ ہر رکعت میں سورہ اخلاص پڑھتا تھا، لوگوں نے اس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے وجہ دریافت کی، تو کہا؛ کہ مجھے سورہ اخلاص سے بہت محبت ہے، کیونکہ وہ رحمان کی صفت ہے، یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ”اس سورت سے تمہاری محبت تمہیں جنت میں داخل کرے گی“[1]۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”أَخْبِرُوهُ أَنَّاللَّهَ يُحِبُّهُ“۔

---

[1] صحیح البخاری: ۷۳۷۵، صحیح مسلم: ۸۱۳۔

لوگو! اسے بتادو کہ اللہ اس سے محبت کرتا ہے[1]۔

معلوم ہوا کہ جس کے دل میں قرآن سے محبت ہو اس میں ایمان زندہ اور موجود ہے، اور یہی چیز اسے جنت میں داخل کرے گی، لیکن جو قرآن وسنت کو اس لئے ناپسند کرے کہ وہ اس کے خواہشات سے ٹکراتے ہیں، تو یہ کراہیت اس کے عمل کو برباد کردے گی، اگرچہ وہ اپنی زبان سے اس کا اظہار نہ کرے۔ سو اس شخص کا کیا انجام ہوگا جو زبان سے شرعی امور کے متعلق نفرت وکراہیت ظاہر کرے، اور کھلے عام اس کا انکار کرے؟ یہ معاملہ اور سنگین ہے۔

اور اسی طرح جو شخص کتاب وسنت کو اس وجہ سے ناپسند کرتا ہو کیونکہ قرآن وسنت کی ہدایات اس کے مذہب یا اس کے امام سے ٹکراتی ہیں، اور وہ اپنے مسلک کے خلاف کتاب و سنت سے دلیل پیش کیا جانا بھی گوارا نہ کرے، نیز وہ کتاب وسنت سے زیادہ اپنے مذہب سے محبت کرے، سو اگر کتاب وسنت کی ہدایات اس کے دل میں ناپسند لگیں تو یہ اس کے عدم ایمان کی دلیل ہے، اور یہ اس کے سارے اعمال کو برباد کردے گا۔

مومن کا عقیدہ بہت پختہ ہوتا ہے، وہ کسی چیز کو کتاب وسنت پر مقدم نہیں کرتا، وہ ہر چیز پر کتاب وسنت کو مقدم کرتا ہے، اگرچہ کتاب وسنت کا فیصلہ اس کی خواہش و مذہب اور تقلیدِ امام کے مخالف ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ مسلمان قرآن وسنت کے برابر کسی چیز کو نہیں سمجھتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت واضح ہوجائے اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی کے قول کی وجہ سے سنتِ رسول کو چھوڑ دے''[2]۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''قریب

---

① صحیح البخاری تعلیقا: ۷۷۴۷، سنن الترمذی: ۲۹۰۱۔

② کتاب الروح لابن القیم: ۲/ ۷۳۵، اعلام الموقعین: ۲/ ۲۸۲۔

ہے کہ تم لوگوں پر آسمان سے پتھر برس پڑے، میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اور تم لوگ کہہ رہے ہو کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا؟''[1]۔

اگر ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پر مقدم کرنے کی وجہ سے آسمان سے پتھر برس سکتا ہے تو اس شخص کی کیا حالت ہوگی جو فلاں امام کے مذہب کو کتاب وسنت پر مقدم کرتا ہے؟ کتاب وسنت کے نصوص جب اس کے مذہب یا اس کے شیخ کے مذہب کے مخالف ہوں تو وہ اسے تسلیم کرنے کے بجائے معاندانہ رویہ اختیار کر لیتا ہے، اللہ ہمیں اس بیماری سے بچائے، کیونکہ ڈر ہے کہ وہ اس پاداش میں کہیں اللہ کے اس فرمان میں داخل نہ ہو جائے: ﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنكَرَ﴾ [الحج:72] جب ان کے سامنے ہمارے کلام کی کھلی ہوئی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو آپ کافروں کے چہروں پر ناخوشی کے صاف آثار پہچان لیتے ہیں۔

ایسا اس لئے کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں سے بغض رکھتے ہیں۔

اس ناقضِ اسلام کا خطرہ بڑا شدید ہے، کیونکہ اس طرح کی باتیں دلوں میں مخفی ہوتی ہیں، چنانچہ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کا جائزہ لے تاکہ اس ناقضِ اسلام کا کوئی حصہ اس کے یہاں نہ پایا جائے؛ اس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے بغض نہ پایا جائے، خواہ وہ شریعت اس کے نفس، مذہب، یا امام اور گروہ کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ مسلمان پر کتاب اللہ اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب واحترام واجب ہے، اور مسلمان کے ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ وہ کسی بھی طرح کے آراء

---

[1] أخرجه أحمد في مسنده: ١٢١ ٣، وصححه أحمد شاكر رحمه الله، وأخرجه الخطيب في ''الفقيه والمتفقه'': ٣٧٩، ٣٨٠، وابن عبد البر في ''جامع بيان العلم'': ٢٣٧٨، وإسناده صحيح بلفظ: ''أراهم سيهلكون؛ أقول: قال النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ويقولون: نهى أبو بكر وعمر؟''۔ وهذا لفظ الخطيب۔

و مذاہب اور خواہشات کو کتاب وسنت پر مقدم نہ کرے، نیز اس پر واجب ہے کہ کتاب و سنت سے محبت کرے اور کتاب وسنت کے خلاف ہر چیز سے بغض رکھے، کیونکہ یہی ایمان کی علامت ہے، اور یہی اتباعِ کتاب وسنت کا تقاضا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کتاب وسنت کو نازل فرمانے کے بعد ہمیں اس کی اتباع کا حکم دیا ہے اور ان دونوں کی مخالفت سے منع فرمایا ہے۔

لہذا جو شخص دنیا و آخرت میں نجات اور کامیابی چاہتا ہو وہ کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑے رہے گرچہ اس کی خواہشات پر یہ چیز گراں گذرے اور اس کا نفس اس کی مخالفت کرے، کیونکہ کتاب وسنت پر عمل کا انجام بہت بہتر ہے، اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے، اس نے بعض چیزوں کو کسی نہ کسی حکمت کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے، گرچہ ہمارا نفس اس کی طرف مائل ہوتا ہے، لیکن ہم اسے حرام سمجھتے ہوئے اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آئندہ کے انجام کو زیادہ جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾[البقرۃ:216] تم پر جہاد فرض کیا گیا گو وہ تمہیں دشوار معلوم ہو، ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی تمہارے لئے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو، حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو حقیقی علم اللہ ہی کو ہے، تم محض بیخبر ہو۔

جب مسلمانوں پر جہاد فرض قرار دیا گیا تو اس کے ذریعہ لاحق ہونے والی پریشانی، زخم، قتل اور خطرہ وغیرہ کو دیکھ کر بعض صحابہ اسے ناپسند کرنے لگے، لیکن یہ کراہیت نفسی (فطری) کراہیت تھی نہ کہ دینی کراہیت، کیونکہ بلاشبہ نفس فطری طور پر خونریزی اور قتل کو ناپسند کرتا ہے، (لیکن مسلمان فطری ناگواری پر بھی اللہ کے حکم کو اس لئے ترجیح دیتا ہے کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ اللہ اس کی حکمتوں کو خوب جانتا ہے، جبکہ ہم نہیں جانتے ہیں) اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرة:216] **ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی تمہارے لئے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو، حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو حقیقی علم اللہ ہی کو ہے، تم محض بیخبر ہو۔**

مسلمان اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس چیز کا حکم دیا ہے اس میں بھلائی ہی بھلائی ہے، خواہ وہ جلدی ملے یا تاخیر سے، اور اگر اسے کسی چیز کے بارے میں معلوم بھی ہو کہ اس میں مشقت ہے یا خواہشات نفس کے مخالف ہے، تب بھی وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اسی میں خیر ہے، اور وہ کتاب وسنت پر کسی بھی چیز کو مقدم نہیں کرتا حتی کہ اپنی رائے کو بھی نہیں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ [الحجرات:1] **اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔**

نیز عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے لوگو! دین کے مقابلے میں اپنی رائے کو غلط خیال کرو، میں صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو چھوڑ کر اپنی رائے کو ترجیح دیا تھا، (جس کا ہمیں زندگی بھر پچھتاوا رہے گا)''[①]۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکوں سے اس بات پر صلح کر لی کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں، آئندہ سال آکر عمرہ کریں، تو یہ بات عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام پر گراں گذری؛ انہوں نے سمجھا کہ اس میں کافروں

① الأحادیث المختارة للمقدسی: ۲۱۹، مسند البزار: ۱۴۸، المدخل الی السنن الکبریٰ للبیھقی: ۲۱۷، فضائل الصحابة للامام أحمد: ۵۵۸، المعجم الکبیر للطبرانی: ۸۲۔

کی کامیابی اور مسلمانوں کی ذلت ہے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، ان کے فرمان کی بجا آوری ضروری ہے، لہذا ان کی اتباع کرو!

پس صلح حدیبیہ ہوگیا، اور مسلمانوں کے حق میں خیر کا سبب بھی بنا، جبکہ کافروں کے حق میں ذلت ورسوائی کا سبب بنا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا﴾[الفتح:1] بیشک (اے نبی) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے۔

یہ ساری پوشیدہ حکمتیں جاننے سے قبل عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس صلح کو ناپسند کیا تھا، انہوں نے یہ سمجھا کہ اس میں بظاہر مسلمانوں کی رسوائی اور کافروں کی کامیابی ہے، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کا حکم دیں اسی میں بھلائی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر وحی کے کوئی بات نہیں بولتے۔

لہذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو بلا چوں چراں تسلیم کرتے ہوئے اسے ہر چیز پر ہمیشہ مقدم رکھیں اور ایسا کرتے ہوئے اپنے نفس میں کسی طرح کا کوئی حرج محسوس نہ کریں۔

البتہ یاد رکھو! اگر تم کتاب وسنت اور اس کی تعلیمات سے بغض ونفرت کروگے تو تم مرتد ہو جاؤ گے۔ نسأل الله السلامة۔

۞۞۞

سوالات وجوابات

سوال: وہ شخص جو کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ کے کسی حصہ سے ظاہری طور پر بغض رکھے تو کیا وہ کافر ہو جائے گا؟

جواب: اگر وہ اپنے بغض کو ظاہر کرتے ہوئے یہ کہے کہ میں کتاب اللہ اورسنتِ رسول ﷺ سے نفرت کرتا ہوں، تو وہ بلا شبہ کافر ہو جائے گا۔

لیکن اگر وہ نفرت کو اپنے دل میں چھپائے ہو، اسے ظاہر نہ کرے تو صرف اللہ ہی اس کی حقیقتِ حال سے واقف ہو گا، البتہ اگر دورانِ گفتگو یہ کہہ جائے کہ میں فلاں حدیث سے نفرت کرتا ہوں، فلاں آیت کو ناپسند کرتا ہوں وغیرہ، تو گویا اس نے کفر یہ کلمہ کی صراحت کر دی، لہذا اس پر کفر کا حکم لگے گا۔

ہاں اگر وہ زبان سے صراحت نہ کرے تو اس پر حکم نہیں لگا سکتے، کیونکہ ہم صرف ظاہر پر حکم لگانے کے مکلف ہیں، چونکہ دلوں کے احوال سے صرف اللہ ہی واقف ہے۔

سوال: بعض لوگوں پر کچھ اعمال گراں گزرتے ہیں اور کبھی کبھار ان کا نفس اللہ کی نازل کی ہوئی چیز کو ناپسند کرتا ہے، جیسے: نماز فجر کے لئے جاگنا وغیرہ، تو کیا یہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سے بغض شمار ہو گا؟

جواب: یہاں۔اُس شخص کے درمیان جو اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت سے بغض رکھتا ہو اور اُس شخص کے درمیان جو سستی لاحق ہو جانے کی وجہ سے تہجد اور نماز فجر وقت پر نہ پڑھ پاتا ہو میں۔فرق ہے، شریعت سے بغض رکھنے والا شخص کافر ہو جاتا ہے، جبکہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے نماز فجر کا قیام نہ کر پانے والا شخص کافر نہیں ہو گا، البتہ وہ قابلِ ملامت ضرور ہو گا۔

کیونکہ یہ فطری کمزوری ہے، نہ کہ ایمانی خلل۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے مسلمانوں پر جب جہاد فرض ہوا تو وہ ان پر بہت گراں معلوم ہوا، اللہ تعالیٰ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ﴾ [البقرۃ:216] تم پر جہاد فرض کیا گیا گو وہ تمہیں دشوار معلوم ہو۔

اس کا معنی یہ ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو جہاد فرض قرار دیا تھا وہ اسے ناپسند کرتے تھے، نہیں بلکہ وہ صرف نفسِ قتال (جنگ میں لاحق ہونے والے مشکلات) کو ناپسند کرتے تھے۔ ان کا یہ عمل یقیناً قابلِ ملامت ہے، لیکن یہ کفر کی حد تک نہیں پہونچتا ہے، جیسے عام نماز یا تہجد یا بسا اوقات نمازِ فجر میں سستی اور نیند کے غلبہ کی وجہ سے حاضر نہ ہو پانا؛ بلا شک وشبہ یہ اس کے ایمان میں نقص کی دلیل ہے، اور نفاق کی قسموں میں سے ہے، لیکن اس کی وجہ سے وہ کفر کی حد تک نہیں پہونچتا ہے۔

ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ نماز ہی کو پسند نہ کرے اور کہے کہ یہ نماز کیا چیز ہے؟ ہم راتوں میں جاگ کر کیوں کر نماز پڑھیں؟ وغیرہ، ایسی صورت میں وہ کافر ہوجائے گا کیونکہ وہ فرضیتِ صلاۃ کو ناپسند کر رہا ہے۔

سوال: جو شخص عقیدہ کے باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت کسی خبر کو محض اس لئے رد کر دے کہ وہ اخبارِ آحاد سے ہے، تو کیا اسے اسلام سے خارج شمار کیا جائے گا؟

جواب: اگر اسے معلوم ہو کہ وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے اور وہ بلا کسی احتمال کے متعلقہ موضوع کی دلیل ہے، تو اس کو اسلام سے خارج شمار کیا جائے گا، کیونکہ اس کے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔

البتہ اس شخص کو اگر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح وثابت ہونے کا علم نہ ہو، یا علم ہو لیکن اس میں احتمال ہو اور وہ کسی خاص موضوع کی دلیل بھی نہ ہو، تو اس شخص کو حدیث میں موجود

احتمال یا اس کی تاویل کی وجہ سے معذور سمجھا جائے گا، اور اس پر مرتد کا حکم نہیں لگے گا۔

سوال: جو کسی مباح وجائز چیز سے یا مختلف فیہ مسائل سے بغض رکھے تو کیا یہ بھی پانچویں ناقضِ اسلام میں شمار ہوگا؟

جواب: مباح اور مختلف فیہ مسائل میں اگر ٹھوس دلائل کی بنیاد پر اختلاف ہو تو اس میں مسلمان کے لئے عذر ہے، کیونکہ اس میں کئی احتمال ہے، لہذا ممکن ہے کہ اس نے کسی ایک احتمال کو لیا ہو، اگر اس نے اجتہاد کرتے ہوئے اور حق کو تلاش کرتے ہوئے یہ احتمال اخذ کیا ہو تو اسے معذور سمجھا جائے گا، اور اگر اس نے اس احتمال کو اس وجہ سے لیا ہے کہ وہ اس کی خواہشات کے موافق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ غلطی پر ہے اور وہ گناہ گار ہوگا لیکن کفر کی حد تک نہیں پہونچے گا۔

سوال: ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ [محمد:9] یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوئے پس اللہ تعالیٰ نے (بھی) ان کے اعمال ضائع کردیئے۔

کیا یہ آیت کریمہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی بعض چیزوں سے بغض رکھنے سے متعلق ہے، یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے من جملہ احکام سے بغض رکھنے سے متعلق ہے؟ کیونکہ کچھ لوگوں کا بیان سننے میں آرہا ہے کہ یہ آیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی جملہ شریعت سے بغض رکھنے کے سلسلہ میں ہے، لہذا ناقضِ اسلام تبھی ہوگا جب من جملہ احکام سے بغض رکھے، اگر بعض چیزوں سے بغض رکھے تو ناقضِ اسلام شمار نہیں ہوگا؟

جواب: آیت کریمہ میں موجود حکم تمام احکام سے بغض رکھنے والے اور بعض احکام سے بغض رکھنے والے دونوں کو شامل ہے، کیا بعض شرعی احکام اللہ کے نازل کردہ احکام میں سے نہیں؟ اسی لئے مصنفِ کتاب (شیخ محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ) نے ان الفاظ سے تعبیر کیا

ہے: "**من أبغض شيئا**" جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے کسی بھی حصہ سے بغض رکھے، آپ رحمہ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ: "**من أبغض ما أنزل الله**" اللہ نے جو نازل کیا ہے اس سے بغض رکھے۔

لہذا مصنف رحمہ اللہ کا قول من جملہ احکام سے بغض اور کچھ چیزوں سے بغض دونوں کو شامل ہے، کیونکہ جیسے تمام احکام کو اللہ ہی نے نازل کیا ہے ویسے ہی بعض کو بھی اللہ نے ہی نازل کیا ہے، اور یہاں آیت میں لفظ "ما" عموم پر دلالت کرنے والے الفاظ سے ہونے کی وجہ سے عموم پر دلالت کر رہا ہے۔

سوال: جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بغض رکھے اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ پانچویں ناقضِ اسلام میں شمار ہوگا؟

جواب: جی ہاں! جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے بغض وعناد رکھا تو یہ اس کے نفاق کی دلیل ہے، کیونکہ صحابہ کرام سے صرف منافق ہی بغض رکھتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام سے بغض کو کفر سے تعبیر کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ [الفتح:29] محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھے گا رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے مثل اس کھیتی کے جس نے انکھوا نکالا

پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا، تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ کفار ان سے بغض رکھیں، لہذا جو شخص صحابہ سے بغض رکھتا ہو تو یہ بغض اس کے نفاق و کفر کی دلیل ہے، اللہ ہمیں اس سے بچائیں۔

جبکہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ گزرے ہوئے لوگوں کے حق میں دعائے رحمت کرتے ہیں، اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنۢ بَعۡدِهِمۡ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِإِخۡوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالۡإِيمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ [الحشر: ۱۰] اور (ان کے لئے) جو ان کے بعد آئیں اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے اور ایمانداروں کی طرف ہمارے دل میں کہیں (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔

صحابہ کرام کے متعلق سچے مسلمانوں کا یہی موقف ہے کہ وہ ان کے حق میں دعائے استغفار کرتے ہیں اور ان کا ذکر کرتے وقت رضی اللہ عنہم کہتے ہیں اور کہتے ہیں: کہ اے پروردگار تو ہمیں بخش دے اور ہمارے گزرے ہوئے مومن بھائیوں کو بھی بخش دے، اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔

سوال: جو لوگ سلفی علماء پر زبان درازی کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ: 'یہ علماء صرف حیض اور نفاس کے فقیہ ہیں، لہذا انہیں چاہئے کہ وہ اپنے دائرہ میں رہیں، امت کے نوجوانوں میں تفرقہ نہ ڈالیں، کیونکہ ہم مسلمانوں کے مابین اتحاد چاہتے ہیں'۔ تو کیا علماء حق کے متعلق اس طرح کی زبان درازی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کردہ شریعت کا انکار و کفر شمار

ہوگا؟

جواب: یہ کفر نہیں ہے، لیکن یہ غیبت ہے، علماء کے مقام ومرتبہ سے کھلواڑ ہے، اور اس قسم کی غیبت کی حرمت یقیناً شدید ہے، اُسے فوراً اللہ سے توبہ کرنا چاہئے۔

اور ذرا بتائیں! علماء کے خلاف زبان درازی سے شر کے سوا کیا ملنے والا ہے؟ اس شر کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک علماء مبغوض ہوجائیں گے اور ان پر سے اعتماد کم ہوجائے گا، یہ سب لوگوں کو علماء سے متنفر کرنے کے لئے کیا جارہا ہے، لیکن ذرا بتائیں کہ اگر لوگ علماء کی طرف رجوع نہ کریں گے تو کہاں جائیں گے؟ کس کی طرف رجوع کریں گے؟ (دین کے سوداگروں کی طرف؟؟)۔

دراصل شر پسند دعاۃ تو چاہتے ہی یہی ہیں عوام الناس علماءِ حق سے کٹ جائیں، تاکہ وہ غیر علماء سے رہنمائی لیں اور یوں شر وفساد پھیلے۔

ساتواں سبق؛ چھٹے ناقض کی شرح

مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اسلام کو ڈھا دینے والا چھٹا کام:

''جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں سے کسی چیز کا یا اس کے ثواب و عقاب کا مذاق اڑائے تو وہ کافر ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿قُلۡ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُونَ ۝ لَا تَعۡتَذِرُوا قَدۡ كَفَرۡتُم بَعۡدَ إِيمَانِكُمۡ﴾ [التوبۃ: 65-66] کہہ دیجئے کہ اللہ اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں، تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے''۔

شرح:

یہ بہت خطرناک مسئلہ ہے، کیونکہ جو ناقضِ اسلام اس سے پہلے گزرا ہے۔یعنی: ''جس نے رسول اللہ کی لائی ہوئی شریعت میں سے کسی چیز سے بغض رکھا تو اس نے کفر کیا''۔اس کا تعلق دل کے اعمال سے ہے، جیسے کراہیت و بغض، لیکن استہزاء اور مذاق اڑانے کا تعلق زبان سے ہے۔

اس آیت کا سببِ نزول یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں تھی، وہاں کچھ لوگ ایک مجلس میں اکٹھا ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا: 'ہم نے ان قاریوں (یعنی صحابہ کرام) جیسا (ناکارہ) کسی کو نہیں دیکھا؛ ان سے بڑا پیٹو نہیں دیکھا، نہ ان سے بڑا جھوٹا دیکھا، اور نہ ہی لڑائی کے موقع پر ان سے بڑا بزدل دیکھا'۔اسی مجلس میں ایک انصاری نوجوان عوف بن مالک رضی اللہ عنہ موجود تھے، انہوں نے اس شخص سے کہا: تو جھوٹا ہے، تو نے اتہام بازی کی ہے، درحقیقت تو منافق ہے، میں ضرور بالضرور

رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر کروں گا، وہ رسول اللہ کو خبر کرنے پہونچے ہی تھے کہ اللہ نے آسمان سے اس مجلس میں ہوئی گفتگو کی خبر دے دی، یہ آیت کریمہ جب اللہ کے رسول ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ سواری پر سوار ہو گئے، اسی دوران وہ آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر معذرت کرنے لگا، اس نے کہا: 'اے اللہ کے رسول ﷺ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے، تاکہ راہِ سفر گفتگو کرتے ہوئے آسانی سے طے جائے'۔ رسول اللہ ﷺ اس کی طرف کوئی توجہ نہ دیتے، اور اس آیت کریمہ سے زیادہ کچھ نہ کہتے: ﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ [التوبۃ: 65-66] کہہ دیجئے کہ اللہ اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں، تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے۔

﴿قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ پہلے مومن تھے، نہ کہ منافق۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ، یا ان کی شریعت کے کسی حصہ کا مذاق اڑائے گا وہ مومن ہونے کے بعد کافر اور مرتد ہو جائے گا۔ آیت کریمہ کا یہی حصہ محل شاہد ہے، اگر وہ اپنے اِس کلام سے پہلے منافق ہوتے تو اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ: ﴿قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے۔

کیونکہ منافقین اصلاً مومن نہیں ہوتے، سو منافقوں کو مومن کہنے کے بجائے منافق ہی کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ منافقوں کے سلسلہ میں دوسری آیت میں فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ﴾ [التوبۃ: 74] حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے۔

اس آیت میں اللہ نے یہ نہیں کہا: وہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے، بلکہ کہا وہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے۔

اور اسلام کا معنی یہ ہے کہ: بندہ اپنے دخولِ اسلام کا اعلان کرے، اگر چہ اس کے دل میں سچا اسلام نہ ہو، ایسا شخص باطنی طور پر کافر شمار ہوگا، اور اسی کو منافق کہتے ہیں۔

اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ انہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے اسلام لانے کے بعد کفر کیا، اور اسلام و ایمان کے درمیان بہت فرق ہے۔

● **یہ آیت چند اہم امور پر دلالت کرتی ہے:**

[1] اللہ کی تعظیم وتوقیر ضروری ہے، اور جو اللہ کی شان میں گستاخی کرے گا وہ کافر ہو جائے گا، جیسے یہود اس طرح کی گستاخی کی وجہ سے کافر قرار پائے: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ [المائدۃ:64] اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔

نیز یہود نے اللہ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے۔نعوذ باللہ۔یہاں تک کہہ ڈالا کہ: ﴿إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ﴾ [آل عمران:181] اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم تونگر ہیں۔

اور نصارٰی نے کہا: ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ [المائدۃ:17] مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔

اس طرح کی باتیں اللہ کی شان میں گستاخی ہے، اور یہ اللہ کے ساتھ کفر ہے۔

[2] اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور ان کا احترام بھی ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعظیم وتوقیر کا حکم دیا ہے، لہذا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بے ادبی یا گستاخی کرے گا وہ کافر ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ

عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾[الحجرات :1-5] اے ایمان والے لوگو! اللہ اوراس کے رسول کے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے، اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو، بیشک جولوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حضور میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیز گاری کے لئے جانچ لیا ہے۔ان کے لئے مغفرت اور بڑا ثواب ہے، جولوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں اکثر (بالکل) بے عقل ہیں، اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ آپ خود سے نکل کران کے پاس آجاتے تو یہی ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ غفور ورحیم ہے۔

اور اللہ تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ﴾[النور:63] تم اللہ تعالیٰ کے نبی کے بلانے کو ایسا بلاوا نہ کرلو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے سے ہوتا ہے۔

یعنی آپ ﷺ کی تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو رسول ونبی کے ذریعہ خطاب کیا جائے، آپ ﷺ کو آپ کا نام محمد لے کر مخاطب نہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نبی ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے آپ کا نام ذکر کرنے کے بجائے" یا أیھا الرسول"، "یا أیھا النبی" کے ذریعہ خطاب فرمایا ہے۔

البتہ جہاں آپ کے متعلق کوئی خبر بیان فرمایا ہے وہاں آپ کے نام کا ذکر کیا ہے، اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ [الأحزاب: 40] (لوگو) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔

اس آیت میں خبر دی گئی ہے۔

نیز ایک جگہ فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ [محمد: 2] اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور اس پر بھی ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتاری گئی ہے اور دراصل ان کے رب کی طرف سے سچا (دین) بھی وہی ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے من باب الاخبار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام "محمد" ذکر فرمایا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کے دوران آپ کا نام لینے کے بجائے نبی ورسول کا ذکر کیا جائے گا، چنانچہ آپ یہ نہ کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا، بلکہ آپ یوں کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اس لئے کہ اس میں تعظیم وتوقیر پائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کا حکم دیا ہے، اللہ کا ارشاد ہے: ﴿لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ [الفتح: 9] تاکہ (اے مسلمانو) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح وشام۔

﴿وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ﴾ میں "ہ" کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے، اور ﴿وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ [میں "ہ" کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ سو اللہ اور اس کے رسول کے حق میں یہ اعمال بجالانا ضروری ہے۔

[۳] تیسری چیز قرآن کا احترام وتعظیم بھی ضروری ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کا کلام ہے، نیز اللہ کا کلام اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے، اور اللہ کے کلام کی فضیلت دوسرے

تمام کلام پر ویسے ہی ہے جیسے اللہ کی فضیلت اس کی مخلوق پر ہے۔

۴ اسی طرح دینِ اسلام کا احترام بھی ضروری ہے، لہذا کسی کے لئے قطعاً درست نہیں کہ دینِ اسلام کی طرف نقص وعیب منسوب کرے، یا اسلام سے متعلق ایسا کلام کرے جس میں ذرہ برابر بھی استہزاو مذاق کا شائبہ ہو، اور نہ ہی اس کے کسی احکام کو تنقید کا نشانہ بنائے، کیونکہ دینِ اسلام اللہ کا دین وشریعت ہے، چنانچہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز دین اسلام کے تئیں اپنے دل میں عزت واحترام رکھنا ہر انسان پر واجب اور ضروری ہے۔

۵ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا احترام وتوقیر بھی ضروری ہے، کیونکہ سنت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے اور وہ اللہ کی جانب سے وحی کردہ ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [النجم: ۳،۴] اور وہ نہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں، وہ تو صرف وہی کہتے ہیں جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا احترام ضروری ہے اور جس نے اس کا مذاق اڑایا تو وہ دین اسلام سے مرتد ہوگیا۔

۶ علماء کا احترام اور ان کی توقیر بھی ضروری ہے، کیونکہ علماء نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے مقام ومرتبہ کو بلند کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ [المجادلۃ: 11] اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیئے گئے ہیں درجے بلند کردے گا۔

یاد رہے کہ غزوۂ تبوک میں موجود جن لوگوں نے صحابہ کرام کا مذاق اڑایا وہ۔نعوذ باللہ۔علماء کی تنقیص کے گناہ میں داخل ہیں، اس میں سے ایک بدبخت آدمی نے کہا کہ: ''ہم نے ان قراء جیسا پیٹو، جھوٹا اور بزدل نہیں دیکھا''۔قراء سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام تھے، اس زمانے میں قراء کا اطلاق ان قاریٔ قرآن پر ہوتا تھا جو عالم بھی ہوا کرتے

تھے، قرآن کریم کے معانی ومفاہیم کو سمجھنے والے ہوتے تھے، اور وہی دین کے فقیہ ہوا کرتے تھے، جبکہ اِس زمانے میں ہر اُس شخص کو قاری کہا جانے لگا جو قرآن پڑھنا سیکھ لے، اگرچہ وہ اس کے معانی مفاہیم کو نہ سمجھتا ہو، حالانکہ پہلے زمانہ میں معاملہ برعکس تھا۔

لہذا صحابہ کرام کا استہزا کرنے والے کا یہ کہنا کہ ''ہم نے ان قراء جیسا پیٹو، جھوٹا اور بزدل نہیں دیکھا''۔ یہاں پر قراء سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب ہیں۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص علماء کی شان میں ان کے علم کی وجہ سے تنقیص کرے گا، وہ اس آیت کے معنی میں داخل ہوجائے گا، کیونکہ یہ آیت کریمہ اِس قول پر نازل ہوئی تھی: ''ہم نے ان قراء جیسا پیٹو، جھوٹا اور بزدل نہیں دیکھا''۔ اور ''قراء'' کا لفظ ہر زمانے کے علماء کو شامل ہے، اور علماء کا احترام ہر انسان پر ضروری ہے، کیونکہ وہ حاملینِ کتاب وسنت ہیں، اور کتاب وسنت کے داعی ومبلغ بھی ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **''وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ''**[1]۔ ایک عالم کی فضیلت تمام لوگوں پر ایسے ہی ہے جیسے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے۔

نیز فرمایا: **''إنَّ العالِمَ يستغفرُ لَهُ كلُّ شيءٍ حتَّى الحيتانُ في البَحرِ''**[2]۔ بے شک عالم کے لئے ہر چیز بخشش کی دعا کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی اس کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ عالمِ دین کی بڑی قدر ومنزلت ہے، لہذا ہمارے لئے ان کا احترام ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ [فاطر:28] اللہ سے اس

---

[1] سنن اَبی داود: ۳۶۴۱، سنن الترمذی: ۲۶۸۲، سنن ابن ماجہ: ۲۲۳، علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔

[2] سنن اَبی داود: ۳۶۴۱، سنن الترمذی: ۲۶۸۲، سنن ابن ماجہ: ۲۲۳، علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔

کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

اللہ سے کما حقہ ڈرنے والے علماء ہی ہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح جانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں اوراس سے ڈرتے ہیں اور جیسے جیسے ان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے ان کا اللہ سے خوف وخشیت بڑھتا جاتا ہے، اسی لئے علماء کا احترام اوران کی عزت ضروری ہے اور جو شخص ان کی تنقیص کرے وہ اس آیت کے معنی میں داخل ہے: ﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ﴾ [التوبة:65] کہہ دیجئے کہ اللہ اس کی آیتیں اوراس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں۔

7 عام مسلمانوں کا احترام بھی ضروری ہے۔

8 سب سے تعجب خیز بات یہ ہے کہ مجلس میں ایک ہی شخص نے مذکورہ بات کہی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے استہزا کے جرم میں وہاں موجود سبھی کو شامل کردیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ﴾ [التوبة:65] کہہ دیجئے کہ اللہ اس کی آیتیں اوراس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے استہزاء کے عمل کو تمام لوگوں کی طرف منسوب کیا، ایسا کیوں؟ اس لئے کہ ان سبھوں نے جب استہزا کرنے والے شخص پر نکیر نہیں کی، اور منکر پر چپ سادھ لی تو سب اس جرم میں شریک ہو گئے، لیکن اسی مجلس میں بیٹھے ایک انصاری نوجوان نے جب اس پر نکیر کی تو وہ اس جرم سے بری ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق اپنی کتاب میں نازل فرمادی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ [الأنعام:68] اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہوجائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور

بات میں لگ جائیں اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں۔

نیز فرمایا: ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا﴾ [النساء:140] اور اللہ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقین کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔

مذکورہ آیتوں سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ، اس کے رسول، صحابہ، علماء اور دین اسلام کو گالی دینے والے پر نکیر نہ کرے، تو وہ بھی ہو بہو گالی دینے والے کی طرح ہے، کیونکہ غزۂ تبوک میں صحابہ کرام کا استہزا کرنے والا ایک ہی شخص تھا پھر بھی اللہ تعالیٰ نے استہزاء کی نسبت تمام لوگوں کی طرف کی، کیونکہ وہ سارے لوگ اس منکر پر خاموش تھے۔

اس آیت میں بڑی عبرتیں ہیں، مسلمان کو چاہئے کہ اس میں غور کرے، تا کہ وہ منع وحرام کردہ امور میں نہ پڑے۔ آج دیکھا جائے تو اس طرح کے امور لوگوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں؛ دین کا مذاق، علماء اور کتاب وسنت کا استہزاء تو کچھ زیادہ ہی عام ہو چکا ہے، یہاں تک کہا جانے لگا ہے کہ کتاب وسنت کی تعلیمات موجودہ وقت کے مطابق نہیں، اور کچھ تو یوں کہتے پھرتے ہیں کہ سنت سے حجت نہیں پکڑی جائے گی اس لئے کہ اس کو راویوں نے روایت کیا ہے، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ جیسے خبر واحد حجت نہیں ویسے ہی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی قابل حجت نہیں، کیونکہ اسے ہم جیسے انسانوں نے روایت کیا ہے، اور کتاب وسنت کی

وکالت کرنے والے موجودہ علماء کوصرف حیض نفاس کے مسائل معلوم ہیں، یہ علماء سلاطین ہیں، مداہنت پرست ہیں، وغیرہ۔

اوراس طرح دینِ اسلام کے خلاف اخبار، ریڈیو اور ٹیلویژن وغیرہ میں کئی قسم کے پروپیگنڈے پھیلائے جاتے ہیں، اگر یہ سب کفار کی جانب سے ہوتا تو قدرے غنیمت ہوتا، کیونکہ کفر سے بڑا کوئی گناہ ہی نہیں ہے (کفار کے یہاں کفر کے بعد سارے گناہ آسان ہیں)،لیکن تکلیف کی بات یہ ہے کہ اسلام کے خلاف اس طرح کی باتیں وہ لوگ کررہے ہیں جواپنے کومسلمان کہتے ہیں اورانہیں علم دین کا دعوٰی بھی ہے۔

یادرہے یہ ساری باتیں مذکورہ آیت کے ضمن میں داخل ہیں،اورایسی باتیں کرنے والے تمام لوگ آیت میں مذکوروعید کے مستحق ہیں۔

نیز واضح رہے کہ مومنوں کا مذاق اڑانا،اوران کی تنقیص کرنا کفار کا طریقہ رہاہے،(لہذا اس طرح کی سطحی حرکت کرنے والوں کوغورکرنا چاہئے کہ وہ کن لوگوں کی روش پر چل رہے ہیں؟ مومنوں کے یا کفار ومنافقین کے؟)۔اللہ تعالٰی کا فرمان ہے:﴿إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۝ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ۝ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۝ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ﴾ [المطففین:29-32]

گنہگارلوگ مومنوں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے،ان کے پاس سے گزرتے ہوئے آپس میں آنکھ کے اشارے کرتے تھے،اورجب اپنے ہی جیسوں کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے تھے،اورجب مومنوں کو دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ گمراہ ہیں۔

انہی کفار کی طرح نام نہاد مسلمان بھی مومنوں کواوران کے دین کوگمراہ کہتے پھررہے ہیں، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ دین دنیاوی ترقی، تہذیب وثقافت میں ہمارے آڑے آرہا ہے،لہذا دینِ اسلام اِس زمانہ کے لئے مناسب نہیں۔

اسی طرح وہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اتباعِ سنت میں کیا رکھا ہے یہ تو بس چھلکا ہے؛ داڑھی بڑھانے اور مونچھ کٹانے ،مسواک استعمال کرنے، ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانے پر انکار وغیرہ میں کیا رکھا ہے؟ یہ سب جزوی اور غیر اہم مسائل ہیں۔

لہذا کسی پر زور زبردستی نہ کی جائے ،مرد وخواتین کو ان کی مرضی کے مطابق آزاد چھوڑ دیا جائے؛ وہ جیسا لباس پہننا چاہیں پہنیں، خواتین کو پردہ وحجاب کی پابندی کرانا وغیرہ یہ سب بے کار کی چیزیں ہیں،عورت حجاب نہ کرنے کی صورت میں حسین جمیل مکمل خاتون لگتی ہے۔

جب سارے دینی مسائل غیر اہم اور بے کار ہیں تو دین کہنے کے لئے آخر بچا ہی کیا؟؟

آج کے نام نہاد مسلمان تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ: شرک اور قبروں کی عبادت وغیرہ یہ معمولی امور میں سے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ ہر کوئی اپنے عقیدے میں آزاد ہے، اپنی رائے کے مطابق جو جیسا عقیدہ رکھنا چاہتا ہے رکھے۔

یاد رہے کہ یہ ساری مصیبت احترام رائے کے نام پر پیدا ہوئی، اور یہیں سے یہ وبا بھی پھیلی کہ مختلف عقائد کے حاملین بہر حال مجتہد ہیں، لہذا تم ان پر تشدد کرو، نہ ہی ان پر کوئی نکیر کرو۔ بلا شک وشبہ یہ ساری باتیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہیں، نیز اس میں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص ہے۔ ذرا بتایئے! کہ جب قرآن کریم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی ساری چیزیں بے کار ہیں تو پھر دین میں باقی ہی کیا بچا؟

نام نہاد مسلمان یہ بھی کہتے ہیں کہ: ہم اپنے درمیان لوگوں میں اتحاد قائم کرنا چاہتے ہیں، اگر چہ ہمارے درمیان قبر پرست ،شیعہ ہوں ، ہم سب مل کر الحاد کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔

ہم ایسوں سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ الحاد کسے کہتے ہیں؟ وہ جواباً عرض کریں گے کہ الحاد خالق کے انکار کو کہتے ہیں۔

پھر ہم ان سے پوچھیں گے کہ شرک اور غیر اللہ کی عبادت کیا یہ عظیم ترین الحاد نہیں ہے؟ سچ کہیں تو یہ شدید ترین الحاد ہے؛ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دے وہ ملحد ہے، اسی طرح وہ بھی ملحد ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کرتا ہو، اور انہیں ایسے برے اوصاف سے متصف کرتا ہو جس سے اللہ نے انہیں پاک قرار دیا ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بھی گستاخی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گویا اس بات سے متہم کرنا ہے کہ آپ نے اپنے اہل خانہ میں برائی کو برقرار رکھا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لئے -نعوذ باللہ- ایک فاسقہ بیوی کا انتخاب فرمایا، غور کریں تو اس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؛ دونوں کی شان میں گستاخی ہے، اور اس طرح کی گستاخی صریح کفر ہے (اللہ ہمیں ایسی بدگمانی اور کفریہ عقائد سے محفوظ رکھے- آمین)۔

اسی طرح صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنے والے اللہ کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ملحد ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی بہت ساری آیتوں میں تعریف کی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ﴾[التوبۃ: 100] اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

یہاں آیت کریمہ میں جن انصار و مہاجرین کا تذکرہ ہوا ہے وہ صحابہ کرام ہی ہیں۔

جبکہ شیعوں کی ملحد جماعت کہتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد تمام صحابہ کرام مرتد ہو گئے، سوائے چار صحابہ کے کوئی بھی اسلام پر باقی نہ رہا، یہ صریح اللہ کی تکذیب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ

بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾[الفتح:29] محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں، آپس میں رحم دل ہیں، تو انہیں دیکھے گا رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے۔

اس کے باوجود یہ احمق کہتے ہیں کہ صحابہ کافر ہیں، اللہ نے جن کی تعریف فرمائی ہے ان کی مذمت کو انہوں نے اپنا دین ٹھہرالیا ہے۔ سبحان اللہ! حالانکہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾[الحشر:8] (فَئ کا مال) ان مہاجر مسکینوں کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی راست باز لوگ ہیں۔

یہ آیت مہاجرین کے سلسلے میں ہے، آگے اللہ تعالیٰ انصار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[الحشر:9] اور (ان کے لئے) جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی اور اپنی طرف ہجرت کرکے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب اور بامراد ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بعد آنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾[الحشر:10] اور (ان کے لئے) جو ان کے بعد آئیں اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے اور ایمانداروں کی طرف ہمارے دل میں کہیں (اور دشمنی) نہ ڈال اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔

قرآن کریم کے اس واضح پیغام کے باجود اگر کوئی آکر یہ کہے کہ: ابوبکر وعمر پر اللہ کی لعنت ہو، ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر اللہ کی لعنت ہو، اور اسی طرح فلاں فلاں صحابہ کرام پر لعنت ہو، اور ان کے حق میں برے کلمات استعمال کرے، تو اللہ کے نزدیک ایسے مجرموں کا کیا انجام ہونا چاہئے؟؟ نسأل الله العافية۔

اس لئے مسلم نوجوانوں کو چاہئے کہ ان سارے امور سے متنبہ رہیں، اور اس طرح کے گمراہ کن نعروں سے دھوکہ نہ کھائیں کہ: ''ایک کلمہ گو مسلمان سے جو کچھ بھی صادر ہو جائے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، لہذا ہم بلا تفریق مسلمانوں کو متحد کرنا چاہتے ہیں''۔

اس طرح کی نعرہ بازی کرنے والوں سے ہم کہنا چاہتے ہیں کہ: ہم تو نیک وصالح لوگوں کے مابین بلاشبہ کوئی تفریق نہیں کرتے ، البتہ ہم اچھے اور برے لوگوں کے درمیان اسلامی ہدایت کی روشنی میں ضرور تفریق کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾[المائدۃ:100] آپ فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو آپ کو ناپاک کی کثرت بھلی لگتی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو! تاکہ کامیاب ہو۔

سو واضح رہے کہ ہم عام مسلمانوں کے درمیان ہرگز تفریق نہیں کرتے، ہم تو صرف اچھے اور برے لوگوں کے درمیان تمیز کرتے ہیں، جس کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے: ﴿لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ [الأنفال:37] تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے الگ کردے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے، پس ان سب کو اکٹھا ڈھیر کردے پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دے ایسے لوگ پورے خسارے میں ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اچھے اور برے لوگوں کے درمیان تفریق کی ہے، لہذا جو اچھے اور بروں میں تفریق نہ کرپائے، اس کے پاس یا تو اتنی عقل نہیں کہ اس کے ذریعہ اچھے، برے کی تمیز کرسکے، یا پھر اس کے پاس ایمان ہی نہیں ہے جس کے ذریعہ وہ مومن ومنافق، مسلم وکافر، ملحد اور زندیق میں تمیز کرسکے، واقعی ایسا شخص یا تو فاسد العقل ہوگا، یا فاسد العقیدہ۔ والعیاذ باللہ۔

سو مسلمان پر ان امور کی معرفت ضروری ہے، نیز انہیں چاہئے کہ درج ذیل آیات میں غور وفکر کرتے رہیں!!

اللہ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ﴾ [التوبۃ:65-66] کہہ دیجئے کہ اللہ اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں، تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہوگئے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مذاق اڑائے تو اس کا عذر قابلِ قبول نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دے وہ کافر ہوجاتا ہے۔

● علماء نے استہزاء کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

① قول کے ذریعہ صراحت کے ساتھ استہزاء کرنا۔

② اشارہ وکنایہ سے استہزاء کرنا۔

اشارہ وکنایہ کے ذریعہ استہزاء کرنے والے کی مثال: جیسے کہ کوئی شخص ہونٹ یا آنکھ کو ہلاتے ہوئے اشارہ کرے یا پھر ایسا اشارہ کرے جس سے سمجھ میں آئے کہ وہ تنقیص و استہزاء کررہا ہے۔ ایسا شخص اگر چہ زبان سے صراحتاً استہزاء نہیں کررہا پھر بھی اس کا یہ عمل استہزاء میں شمار ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۝ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ﴾ [المطففين:29] گنہگار لوگ ایمانداروں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے، ان کے پاس سے گزرتے ہوئے آپس میں آنکھ کے اشارے کرتے تھے۔

مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان امور سے متنبہ رہیں، خاص کر دین اسلام اور علماءِ شریعت کے متعلق زبان درازی سے بچیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ [ق:18] (انسان) منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر اس کے پاس نگہبان تیار ہے۔

اور جان لیں کہ آپ حق و باطل کو علمِ نافع حاصل کئے بغیر نہیں پہچان سکتے، اگر یہ معرفت علم نافع کے بغیر حاصل ہوجاتی تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم کو بطور فرقان نازل نہ فرماتا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کو فرقان بنا کر اسی لئے نازل کیا تا کہ حق و باطل کے درمیان تمیز ہوجائے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ [الأنفال: 29] اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا۔

یعنی اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں میں ایسا نور پیدا کردے گا جس کے ذریعہ وہ حق و

باطل کو سمجھ سکیں گے، چنانچہ قرآن حق وباطل کے مابین تمیز کرنے والا ہے، اور یہی چیز اللہ تعالیٰ جب مومنوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے تو ان کے اندر حق وباطل میں تمیز کی صلاحیت آجاتی ہے، لہذا ان کے سامنے حق وباطل ملتبس نہیں ہوتے، اور نہ ہی ان پر گمراہ کن نعرے، اور شبہات اثر انداز ہوتے ہیں۔ لیکن اس مقام تک پہونچنے کے لئے خصوصی توجہ اور حصولِ علم کی ضرورت ہے، نیز مسلمانوں کی صفوں میں چھپے منافقین وزنادقہ سے بچنے کی ضرورت ہے؛ سوانہیں چاہئے کہ اولاً تو ایسوں کی مجلسوں میں شریک نہ ہوں، اور اگر کبھی حاضر بھی ہوں تو پوری تیاری کے ساتھ جائیں، تاکہ ان کے باطل شبہات اور منکر باتوں کا رد کرسکیں۔

٩ نیز مذکورہ آیتِ کریمہ میں ایک دقیق مسئلہ یہ بھی ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کتاب وسنت کو گالی دے وہ کافر ہوجاتا ہے، خواہ وہ جان بوجھ کر گالی دے یا مذاق کرتے ہوئے، کیونکہ یہ کوئی مذاق کی چیز نہیں ہے، چنانچہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا قرآن وسنت یا صحابہ کرام یا ان کے بعد کے علماءِ حق کو گالی دے اور تنقیص کرے تو وہ بھی اس سخت وعید کا مستحق ہوگا اگرچہ وہ مذاق میں کہہ رہا ہو، اس لیے کہ آیت کریمہ جن لوگوں کے سلسلے میں نازل ہوئی، ان لوگوں نے بھی کہا کہ ہم لوگ مذاق واستہزاء کررہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر کو قبول نہیں کیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ﴾ [التوبۃ:65] اگر آپ ان سے پوچھیں گے تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ [التوبۃ:65-66] کہہ دیجئے کہ اللہ اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں، تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان

کے بعد بے ایمان ہو گئے۔

اس آیت میں غور کریں کہ ان پر کفر کا حکم مجرد استہزاء کی وجہ سے لگا دیا گیا، سو معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اس کی آیات میں استہزاء و مذاق کی گنجائش نہیں، بلکہ ان امور کا حد درجہ احترام ضروری ہے۔

١٠ اسی طرح مذکورہ آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اگر استہزا کرنے والے کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ ایسا عمل کفر ہے تب بھی وہ کافر ہو جائے گا، کیونکہ غزوہ تبوک میں مذاق اڑانے والوں کو بھی یہ حکم نہیں معلوم تھا، اور وہ اہلِ ایمان تھے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے۔

اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر کو قبول نہیں کیا اور ان پر کفر کا حکم لگا دیا۔ تو ذرا بتائیں اس کا کیا حکم ہوگا جو جان بوجھ کر استہزاء کے کلمات کہے؟؟ اس کا معاملہ تو اور سخت ہوگا۔

یہ بڑا اہم مسئلہ ہے، اس باب میں عمداً اور مذاق میں کہنے والے کے درمیان کوئی فرق نہیں ، اور نہ ہی جان بوجھ کر اور انجانے میں کہنے والے کے درمیان کوئی فرق ہے، سب کا ایک ہی حکم ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اے اللہ تو اسلام اور مسلمانوں کی مدد فرما اور دشمنان اسلام کو ذلت ورسوائی سے دوچار کر۔ آمین

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين

۞۞۞

سوالات وجوابات

سوال: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ [التوبۃ:65-66] کہہ دیجئے کہ اللہ اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں، تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے۔

کیا اس آیت کریمہ میں مرجئہ کے عقیدہ کی تردید نہیں ہے؟ وہ اس طور پر کہ بسا اوقات انسان اپنے عمل اور قول کے ذریعہ بھی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں! بلا شبہ مذکورہ آیت میں مرجئہ کے اس عقیدہ کی تردید ہے کہ: ’ایک مسلمان اسی وقت کافر ہوگا جب دل سے کفریہ اعتقاد رکھے‘، حالانکہ اس آیت میں صراحت ہے کہ جو بھی شخص اسلامی تعلیمات کا استہزاء کرے وہ مطلق طور پر کافر ہو جائے گا، خواہ وہ دل سے اعتقاد رکھے یا نہ رکھے، اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ مذاق کرنے والا دل سے کفریہ اعتقاد نہیں رکھتا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسے کافر قرار دیا ہے: ﴿قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے۔

سوال: علی الأقل کس قدر استہزاء کرنے سے ایک شخص کافر جائے گا؟

جواب: استہزاء کی کوئی قلیل مقدار نہیں ہے بلکہ اس کا قلیل ہی کثیر ہے (والعیاذ باللہ)، ہر وہ چیز جو شریعت کے استہزاء اور سخریہ کے طور پر ہو وہ کفر ہے، حتی کہ ہونٹ، ہاتھ اور آنکھ کے اشارہ سے کیا گیا استہزاء بھی کفر شمار ہوگا اگرچہ زبان سے اس کا اظہار نہ ہوا ہو۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ﴾ اس آیت میں آیات سے کیا مراد ہے؟

کیا قرآنی آیات مراد ہے یا کائنات کی تمام نشانیاں؟

جواب: کائنات کی نشانیاں تو لوگوں کے سامنے موجود ہیں، سب اسے دیکھتے ہیں اس لئے اسے کوئی نہیں جھٹلاتا، جیسے: پہاڑ، درخت اور نہریں۔

یہاں آیات سے مراد پڑھی جانے والی قرآنی آیات اور وحی منزل مراد ہے، یعنی قرآن وسنت۔

سوال: استہزاء کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور علماء کرام کا مذاق اڑانا کب کفر ہوگا؟ اس کا کیا ضابطہ ہے؟

جواب: اکثر یہی دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص علماء کا مذاق اڑاتا ہے وہ اکثر علماء کے پاس موجود علمِ دین کا استہزاء و مذاق اڑاتا ہے، نہ کہ ان کی ذات کا مذاق اڑاتا ہے۔

علماء کی ذات سے استہزاء کی مثال: جیسے کہے کہ فلاں لنگڑا ہے یا اندھا ہے، یا اس کے جسم میں کچھ عیب ہے وغیرہ۔ اس طرح کسی مسلمان کا استہزاء و مذاق بھی جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ﴾ [الحجرات: 11] اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں۔

لیکن لوگوں کی اکثریت علماء کی ذات کا مذاق نہیں اڑاتی، بلکہ ان کے پاس موجود علمِ دین کی وجہ سے ان کا مذاق اڑاتی ہے، جو کہ کفر ہے۔

سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علماء حق کے استہزاء کا ایک ہی حکم ہے؟

جواب: بلاشبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استہزاء اشد ہے، مگر علماء کا استہزاء بھی قبیح جرم ہے، کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں، اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "**العلماء ورثة**

الأنبياء"۔

لہذا جو انبیاء کے وارث علماء حق کا استہزاء کرتا ہو وہ لازمی طور پر انبیاء کا استہزاء کر رہا ہے، کیونکہ وہ علماء کا استہزاء ورثۃ الأنبیاء ہونے کی وجہ سے کر رہا ہے۔

سوال: اس شخص کا کیا حکم ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے دین کا استہزاء کرتا ہے؟

جواب: جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے دین کا استہزاء کرتا ہو، خواہ وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہو یا انجانے میں؛ وہ کافر ہے، اس لیے کہ دینی امور میں استہزاء اور سخریہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

آٹھواں درس؛ ساتویں ناقض کی شرح

شیخ محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ساتواں ناقض: جادو، اوراسی میں صَرف اور عطف بھی ہے، چنانچہ جو جادو کرے گا یا اس سے راضی ہوگا؛ کفریہ کام کرے گا، اس کی دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر"۔

شرح:

سحر عربی زبان میں: پوشیدہ چیز کو کہتے ہیں، اسی لئے علماء کہتے ہیں: سحر: اس چیز کو کہتے ہیں جو پوشیدہ ہو اور اس کا سبب باریک ہو[1]۔

اور اسی سے السَّحَر بھی ہے، یعنی رات کا آخری حصہ، کیونکہ دن اپنے آغاز میں پوشیدہ طور پر ظاہر ہوتا ہے، جو رات کی تاریکی میں گھرا ہوتا ہے، پھر تھوڑا تھوڑا نمودار ہوتا ہے، یہاں تک کہ پورے طور پر روشن ہوجاتا ہے، سحر کو اس کی پوشیدگی کے سبب سحر کہا گیا ہے۔

● شریعت میں سحر (جادو) کی دو قسمیں ہیں:

[أ] حقیقی جادو: ایک ایسا عمل ہے جو جسموں یا دلوں میں اثر انداز ہوتا ہے، چنانچہ جسموں میں بیماری یا موت کے سبب اثر انداز ہوتا ہے، یا سوچ وفکر میں اثر انداز ہوتا ہے' بایں طور کہ انسان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ کوئی کام کرچکا ہے، جبکہ اس نے نہیں کیا ہوتا ہے۔

---

[1] دیکھئے: فتح المجید ص: ۲۹۵ طبع دارالافتاء۔

یا دل میں اثر انداز ہوتا ہے، بایں طور کہ اس میں غیر فطری نفرت یا محبت ڈال دیتا ہے، اور اسی کا نام صرف اور عطف ہے، اس طور پر کہ انسان کو مائل کرے اور اس میں کچھ چیزوں یا کچھ لوگوں سے غیر فطری محبت پیدا کر دے، یا اس کے سلسلہ میں اس کے دل میں نفرت و کراہت پیدا کر دے، مثلاً میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈال دے یا دونوں میں محبت ڈال دے، اسی کو "التولہ" بھی کہتے ہے۔

۲ **خیالی جادو:** وہ ہے جو نظروں اور نگاہوں میں اثر انداز ہوتا ہے، چنانچہ نگاہیں کسی چیز کو اس کی حقیقت کے برخلاف دیکھتی ہیں۔

پہلی قسم کے قبیل سے وہ جادو ہے جس کا ذکر سورۃ الفلق میں ہوا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِن شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِن شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝ وَمِن شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ﴾ آپ کہہ دیجئے! کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے، اور اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے جب اس کا اندھیرا پھیل جائے، اور گرہ (لگا کران) میں پھونکنے والیوں کے شر سے (بھی)۔

یہ حقیقی جادو ہے۔

"نفاثات" نفاثة کی جمع ہے، اس عورت کو کہا جاتا ہے جو گرہیں لگاتی ہے اور اس میں پھونک مارتی ہے، اور اس کا مقصد سحر زدہ شخص کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے، اور اسی قبیل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہونے والا وہ اثر بھی ہے جو لبید بن اعصم یہودی کے کئے ہوئے جادو کے سبب ہوا تھا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی چیز کر لی ہے جبکہ آپ اسے نہیں کئے ہوتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جادو سے متاثر ہوئے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام بشر ہیں انہیں وہ عوارض لاحق ہوتے ہیں جو بشر کو لاحق ہوتے ہیں، اور یہ ایک طرح کی بیماری ہے، لہٰذا انبیاء بھی بیمار ہوتے ہیں اور انہیں بھی وہ چیزیں پیش آتی ہیں جو انسانوں کو پیش آتی ہیں

اور اسی میں سے جادو ہے کیونکہ وہ بھی ایک بیماری ہے، بہر کیف اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے پاس دو فرشتوں کو بھیجا جو اس سورت کو پڑھ کر آپ پر دم کریں، وہ دونوں فرشتے آپ کے پاس ٹھہرے، اور دونوں میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا: اس شخص کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: اس پر جادو کیا گیا ہے، پوچھا: اسے کس نے جادو کیا ہے؟ کہا: لبید بن اعصم نے کنگھی اور کنگھی کے بالوں میں کر کے اسے کھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر ذروان کے کنوئے میں ڈال دیا ہے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ پر یہ سورت ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ پڑھ کر دم کیا، تو نبی کریم ﷺ اٹھے گویا کہ آپ رسی میں بندھے ہوئے تھے جسے کھول دیا گیا، اور آپ کے جسم سے جادو کا اثر ختم ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کا حکم دیا کہ اس کنوئے کے پاس جائیں، چنانچہ وہ گئے اور انہوں نے اس میں سے جادو کو نکالا اور اسے ضائع کیا، اور لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا: آپ اسے قتل کیوں نہیں کر دیتے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے شفا دے دی ہے، لہٰذا میں لوگوں پر شر وفتنہ کا دروازہ کھولنا نہیں چاہتا''[1]۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فتنہ کو ٹالنے کے لئے اسے چھوڑ دیا، جس سے معلوم ہوا کہ وہ قتل کا مستحق تھا؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں کہا کہ اسے قتل کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''میں لوگوں پر شر (فتنہ) کا دروازہ کھولنا نہیں چاہتا'' کیونکہ یہودیوں کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ معاہدہ تھا، لہٰذا اگر آپ سے قتل کر دیتے تو ان کی جانب سے شر وفتنہ کی آگ بھڑک اٹھتی؛ اور اس میں شک نہیں کہ مفاسد کا ٹالنا مصالح کے حصول پر مقدم ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا، کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا، یعنی نبی کریم ﷺ کو شفا مل گئی، یہ جادو کی حقیقی قسم ہے جو اثر انداز ہوتی ہے۔

---

[1] اسے امام بخاری (5765) ومسلم (2189) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

خیالی جادو: یہ نگاہوں کا جادو (نظر بندی) ہے، یہ وہ اس عمل کے قبیل سے ہے جو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا، جب جادوگروں کو موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے معجزات سے مقابلہ کرنے کے لئے اکٹھا کیا تھا، اور انہوں نے خیالی جادو (نظر بندی) کیا تھا، اسی لئے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿فَلَمَّآ أَلْقَوْا سَحَرُوٓا أَعْيُنَ ٱلنَّاسِ﴾ [الاعراف: ۱۱۶] (پس جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی)۔

اللہ نے یہ نہیں فرمایا: کہ انہوں نے جادو کر دیا بلکہ فرمایا: ﴿سَحَرُوٓا أَعْيُنَ ٱلنَّاسِ﴾ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ نیز اللہ نے فرمایا: ﴿وَٱسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَآءُو بِسِحْرٍ عَظِيمٍ﴾ [الاعراف: ۱۱۶] اور ان پر ہیبت غالب کر دی، اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھلایا۔

نیز اللہ نے سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: ﴿فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ﴾ [طٰہٰ: ۶۶] (اب تو موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں) یعنی ان کے جادو کے سبب موسیٰ علیہ السلام کو ایسا خیال ہوا کہ لاٹھیاں اور رسیاں دوڑ رہی ہیں، حرکت کر رہی ہیں اور چل رہی ہیں، جبکہ درحقیقت وہ بذات خود حرکت کر رہی تھیں نہ چل رہی تھیں، بلکہ انہیں اس میں ڈالا ہوا پارہ حرکت دے رہا تھا، جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے ﴿سَحَرُوٓا أَعْيُنَ ٱلنَّاسِ﴾ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔

یہ ایک تخییلی جادو ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے وہ جیسے ہی ختم ہوتا ہے چیزیں اپنی اصلی حالت میں لوٹ جاتی ہیں، اسی لئے جادوگر لوگوں کے پاس کیڑے مکوڑے، یا گندگی کے کیڑے لے کر آتا ہے اور اس پر جادو کر دیتا ہے' جس کے نتیجہ میں وہ ایسے نظر آتے ہیں جیسے بکرے ہوں، اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنی حالت میں لوٹ جاتے ہیں۔

اور اسی قبیل سے پاکٹ ماروں، اچکوں اور فریبیوں کی حرکتیں بھی ہیں جو کچھ لوگوں کے

پاس عام کاغذ لے کرآتے ہیں اوراس پر نظر بندی کا عمل کرتے ہیں، جس کے سبب لوگ ان کاغذات کو نقدی نوٹ خیال کرتے ہیں اور اس کے بالمقابل بہت سارا مال یا نوٹ کے بدلے نوٹ لیتے ہیں، اور جب جادوگر چلا جاتا ہے تو یہ چیزیں اپنی حقیقی حالت میں لوٹ جاتی ہیں' یعنی بے قیمت سادے کاغذ ہوجاتے ہیں ، یہ بڑی معروف چیز ہے اور جیب کتروں، اچکوں اورفریب کاروں کے ہاتھوں پر بکثرت انجام پاتی ہے، جولوگوں کا مال ناحق ہتھیاتے ہیں۔

بہرکیف جادو کی دونوں قسمیں انسانوں میں بڑی قدیم ہیں، اللہ تعالیٰ نے اسے قوم فرعون کے سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے، نیز یہ کہ فرعون اوراس کی رعایا میں جادوگر تھے، اور پیشہ ورانہ جادوگری کرتے تھے، چنانچہ جب اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کا پیغام لے کرآئے اورآپ کے ساتھ آپ کی سچائی پر دلالت کناں معجزات تھے، مثلاً لاٹھی جوسانپ ہوجایا کرتی تھی، آپ کا ہاتھ جسے آپ اپنے بغل میں ڈالتے تھے تو نہایت روشن نکلتا تھا اس میں کوئی عیب یا برص کی بیماری وغیرہ نہیں ہوتی تھی وغیرہ ، یہ معجزات اللہ کی جانب سے تھے، ان میں کسی انسان کی کاریگری کا کوئی دخل نہ تھا، کیونکہ اللہ کی جانب سے آنے والے معجزات میں کسی فرد بشر کا کوئی دخل ہوتا ہے نہ کسی انسان کواس جیسی چیز پیش کرنے کی طاقت ہوتی ہے، کیونکہ وہ اللہ عزوجل کی جانب سے ہوتے ہیں، خود نبی کو بھی قدرت نہیں ہوتی ہے کہ وہ معجزہ بنالے، بلکہ وہ اللہ کی جانب سے ہوتا ہے جسے وہ اپنے نبی ورسول کے ہاتھ پراس کی سچائی کی دلیل کے طور پر ظاہر فرماتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [العنكبوت: ٥٠]انہوں نے کہا کہ اس پر کچھ نشانیاں (معجزات) اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتارے گئے۔آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔

لہٰذا رسول کو اس بات کی استطاعت نہیں ہوتی کہ وہ کوئی معجزہ پیش کر دے، سوائے اس کے کہ اللہ کی جانب سے عطا کردہ معجزات پیش کرے۔

لیکن جادو ایک انسانی عمل اور کاریگری ہے، جسے لوگ سیکھتے اور اس میں مہارت حاصل کرتے ہیں، یہ جن وشیاطین کا عمل ہوتا ہے، معجزات نہیں ہوتے، بلکہ شیطانی شعبدہ بازیاں ہوتی ہیں، جسے انسان کرنے یا سیکھنے کی استطاعت رکھتا ہے، لیکن معجزہ کا معاملہ یہ ہے کہ اس کو وجود میں لانے کی قدرت اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہوتی، ارشاد باری ہے: ﴿وَقَالُوا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ [العنکبوت: ۵۰] انہوں نے کہا کہ اس پر کچھ نشانیاں (معجزات) اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتارے گئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں میں تو صرف کھلم کھلا آگاہ کر دینے والا ہوں۔

لہٰذا آیات ومعجزات اللہ عزوجل کی جانب سے ہوتے ہیں، رسول کو استطاعت نہیں ہوتی کہ اسے پیش کرے یا بنا لے، جبکہ جادو سیکھنا اور کرنا مخلوق کے بس میں ہوتا ہے، اور معجزہ حق ہے اور جادو باطل، اور اسی لئے جب موسیٰ علیہ السلام واضح نشانیاں اور معجزات لے کر آئے تو لوگوں نے کہا: یہ جادو ہے اور موسیٰ جادوگر ہیں، اور فرعون نے کہا: ﴿فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ﴾ [طٰہٰ: ۵۸] اچھا ہم بھی تیرے مقابلے میں اسی جیسا جادو ضرور لائیں گے۔

چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے جادوگروں کو جمع کیا، اس کے لئے ایک دن متعین کیا، اور لوگ اکٹھا ہوئے تاکہ جادوگروں اور موسیٰ علیہ السلام کے مابین جو کچھ پیش آتا ہے اس کا مشاہدہ کریں، کہ کیا جادوگر موسیٰ پر غالب ہوتے ہیں یا موسیٰ جادوگروں پر؟ اور یہ حق کے غلبہ اور موسیٰ علیہ السلام کی مدد کے لئے اللہ عزوجل کی توفیق ارزانی تھی، بہر کیف جادوگر اکٹھا ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام سے طلب کیا کہ وہ اپنی چیز پیش کریں، تو موسیٰ

علیہ السلام نے ان سے کہا: نہیں پہلے تم ہی اپنی چیز پیش کرو، چنانچہ انہوں نے اپنے پاس موجود عظیم جادو پیش کیا اور لوگوں کو اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کے ذریعہ خوف ودہشت میں مبتلا کردیا، حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام بھی گھبرا گئے:

﴿فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَى ۝ وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا﴾ [طٰہ: ٦٧-٦٩] پس موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے دل ہی دل میں ڈر محسوس کیا۔ ہم نے فرمایا کچھ خوف نہ کر یقیناً تو ہی غالب اور برتر رہے گا۔ اور تیرے دائیں ہاتھ میں جو ہے اسے ڈال دے کہ ان کی تمام کاریگری کو وہ نگل جائے۔

اور اب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ میں جو لاٹھی تھی اسے ڈال دیا، وہ یکایک بہت بڑا اژدھا بن گئی، جس سے وہ ڈر گئے اور اس نے وادی میں ان کے کئے ہوئے تمام جادوؤں کو نگل لیا، اور انہیں ڈر ہوا کہ اژدھا کہیں انہیں بھی نہ نگل جائے، پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑا تو وہ لاٹھی بن گیا، تب جادوگروں نے جان لیا کہ جو کچھ موسیٰ کے پاس ہے وہ جادو نہیں ہے، اور انہیں خوب علم ہوگیا کہ وہ انسانی کاریگری نہیں' بلکہ اللہ کی جانب سے ہے، لہٰذا وہ ایمان لے آئے، اللہ سے توبہ کیا اور اسکے لئے سجدہ ریز ہوگئے:

﴿وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ۝ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ﴾ [الأعراف: 120-122] اور وہ جو ساحر تھے سجدہ میں گر گئے۔ کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر۔ جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے۔

اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس عظیم موقع پر فرعون کو رسوا کردیا، اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو رسوا کیا اور ان کے کرتبوں کو برباد کردیا، اور وہ ربانی معجزہ ظاہر وغالب ہوا جس میں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں، تب فرعون جبر وتشدد اور تکبر وسرکشی پر اتر آیا اور جادگروں کو اپنی گرفت اور ظلم وستم سے دھمکانے لگا! لیکن بالآخر کیا ہوا؟ انہوں نے اعلان کردیا:

﴿فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾[طہ:72،73] اب تو تو جو کچھ کرنے والا ہے کرگزر، تو جو کچھ بھی حکم چلاسکتا ہے وہ اسی دنیوی زندگی میں ہی ہے۔ہم (اس امید سے) اپنے پروردگار پر ایمان لائے کہ وہ ہماری خطائیں معاف فرمادے اور (خاص کر) جادوگری (کا گناہ،) جس پر تم نے ہمیں مجبور کیا ہے، اللہ ہی بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اور انہیں دھمکی دیا کہ انہیں قتل کر کے کھجور کی ٹہنیوں پر سولی دے دے گا، لیکن وہ اپنے ایمان پر ڈٹے رہے، اور کہا: ﴿رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ﴾ [الأعراف: 126] اے ہمارے رب! ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال۔

چنانچہ انجام کار اہل ایمان یعنی اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام اور ایمان والوں کے حق میں رہا، حق غالب ہوا اور ان کے کرتب خاک میں مل گئے، اس سے واضح ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اللہ کی کاریگری ہیں کسی فرد بشر خواہ کوئی بھی ہو، یا فرشتے کو ان میں کسی چیز کے ایجاد کرنے کی کوئی طاقت نہیں، بلکہ وہ اللہ کی تخلیق و کاریگری ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور جادو میں یہی فرق ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جادو انسانی تاریخ میں بہت قدیم فرعون کے دور ہی سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے، بلکہ اس سے بھی پہلے سے ہوسکتا ہے۔ اور جادو بنی اسرائیل میں باقی رہا، اور اسی لئے سلیمان علیہ السلام کے دور میں جو بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک بادشاہ نبی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دیوہیکل جنوں اور شیطانوں کو مسخر کردیا تھا جو اُن کے حکم پر عمل کرتے تھے، کیونکہ جب انہوں نے اللہ سے سوال کرتے ہوئے کہا: ﴿وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي

﴿لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي﴾[ص:35] اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو۔

تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی بادشاہت سے نوازا جیسی بادشاہیت دنیا میں کسی کو نہیں دیا۔

اور اسی بادشاہت میں یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہیکل جنوں کو ان کے تابع کر دیا تھا۔

﴿وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ۝ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ﴾[ص:37-38] اور (طاقت ور) جنات کو بھی (ان کا ماتحت کر دیا) ہر عمارت بنانے والے کو اور غوطہ خور کو۔ اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے۔

سلیمان علیہ السلام جس طرح چاہتے تھے ان میں تصرف فرماتے تھے، اور وہ آپ کے لئے بہت بڑے بڑے کام کیا کیا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، پھر جب سلیمان علیہ السلام کی موت ہوگئی تو شیاطین آئے اور سلیمان علیہ السلام پر جھوٹا بہتان باندھتے ہوئے کہا: سلیمان علیہ السلام نے شیاطین کو محض جادو کے ذریعہ اپنے تابع کر رکھا تھا، چنانچہ وہ اپنے جادو کے ذریعہ ہی جن و شیاطین کو استعمال کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے سلیمان علیہ السلام کی براءت فرمائی کیونکہ جادو کفر ہے اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام کے شایان شان نہیں کہ وہ کفریہ کام کریں، ارشاد باری ہے:

﴿وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَى مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ﴾ اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین (حضرت) سلیمان کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان نے تو کفر نہ کیا تھا۔

یعنی سلیمان نے جادو نہیں کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جادو کو کفر کہا: ﴿وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ

بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ [البقرة:102، 103] بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے، اور بابل میں ہاروت ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا، وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر، پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے خاوند و بیوی میں جدائی ڈال دیں اور دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے، اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں، کاش کہ یہ جانتے ہوتے۔ اگر یہ لوگ صاحب ایمان متقی بن جاتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین ثواب انہیں ملتا، اگر یہ جانتے ہوتے۔

ان آیات میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جادو شیاطین کا عمل ہے' یہ اللہ کے نبی کے بیٹے اللہ کے نبی سلیمان علیہما السلام کو زیب نہیں! بلکہ یہ تو یہودیوں کا بہتان ہے جسے شیاطین نے ان پر القاء کیا ہے، بہر کیف یہ آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جادو کفر ہے، اور اسی لئے مصنف کتاب نے ان آیات سے استدلال کیا ہے کہ جادو کفر ہے اور اسلام کو برباد کرنے والے امور میں سے ہے، اور اس کی دلیل کئی جگہوں پر ہے:

① **اولاً:** فرمان باری: ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ﴾ (سلیمان نے تو کفر نہ کیا تھا)۔ یعنی جادو نہیں کیا، کیونکہ جادو کفر ہے اور یہ اللہ کے نبی کو زیب نہیں دیتا۔

② **ثانیاً:** فرمان باری: ﴿وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ (بلکہ

یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جادو سکھانا بھی کفر ہے، اور جادو شیاطین کی تعلیم ہے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم نہیں ہے۔

③ **ثالثاً:** فرمان باری: ﴿وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ﴾ (وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے)۔ یعنی وہ دونوں فرشتے، ﴿حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ (جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر) یعنی تم جادو نہ سیکھو کہ کفر کر بیٹھو گے، کیونکہ جس نے جادو سیکھا اس نے کفر کیا۔

④ **رابعاً:** فرمان باری: ﴿وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ (اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں)۔

بلاشبہہ یہ بات کافر ہی کے سلسلہ میں ہے، کیونکہ کافر ہی کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا، یعنی اسے جنت نصیب نہ ہوگی۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ جادو کفر ہے' دخول جنت سے مانع ہے۔

⑤ **خامساً:** فرمان باری: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا﴾ (اگر یہ لوگ صاحب ایمان متقی بن جاتے) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جادو ایمان اور تقویٰ کے منافی ہے۔

بہر حال یہ مذکورہ آیات میں چند مقامات ہیں' جو سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جادو کا سیکھنا سکھانا کفر ہے، اور جس نے اسے اپنایا درحقیقت اس نے ایمان کے بدلے کفر کو اپنایا، اور اس کے سبب کافر ہو گیا، اس کا جنت میں کوئی حصہ نہیں ہے، نیز یہ کہ جو جادو سیکھے گا اس کا ایمان ختم ہو جائے گا، ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا﴾ (اگر یہ لوگ صاحب ایمان متقی بن جاتے) اس سے معلوم ہوا کہ جادو ایمان کے منافی ہے اور اسلام کو اکارت کرنے والے اعمال میں سے ایک عمل ہے، ان آیات سے شیخ رحمہ اللہ کا یہ وجہ استدلال ہے۔

لیکن آپ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ فرشتوں نے جادو کیوں سیکھا جبکہ جادو سیکھنا کفر ہے؟

ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ: یہ اللہ کی جانب سے انسانوں کی آزمائش اور امتحان کے طور پر ہے کہ کون ایمان لاتا ہے اور کون کفر کرتا ہے؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں فرشتوں کو لوگوں کا امتحان لینے کی غرض سے جادو سکھانے کے لئے اتارا کہ کون ایمان لاتا ہے اور کون کفر کرتا ہے؟

اسی لئے وہ دونوں کسی شخص کو اس وقت تک جادو نہیں سکھاتے تھے ﴿حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ (جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر) [البقرۃ:102]

چنانچہ وہ دونوں سیکھنے والے کو نصیحت کرتے تھے کہ جادو نہ سیکھے اور بتاتے تھے کہ جادو کفر ہے، یعنی وہ دونوں خاموش رہ کر نہیں سکھاتے تھے، بلکہ نصیحت کرتے تھے کہ جادو کفر ہے' لٰہذا اگر وہ اپنے اختیار سے جادو سیکھے گا تو کفر کرے گا، خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں فرشتوں کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کو ان کا امتحان لینے کے لئے جادو سکھائیں، اس لئے نہیں کہ جادو میں کوئی حرج و گناہ نہیں' بلکہ وہ مباح ہے' بلکہ اس لئے کہ تا کہ واضح ہو جائے کہ کون کفر کرتا ہے، اور کون ایمان لاتا ہے اور نصیحت قبول کرتا ہے۔ لٰہذا ہمیں اس سے معلوم ہوا کہ جادو کا سیکھنا سکھانا کفر ہے۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یا اس جادو سے راضی ہو'' یعنی اگر جادو سیکھے نہ سکھائے بلکہ اس سے راضی ہو، اس پر نکیر نہ کرے، تو محض رضامندی کے سبب بھی وہ کافر ہو جائے گا، کیونکہ کفر سے راضی ہونے والا بھی کافر ہو جاتا ہے، اس لئے کہ مومن کبھی کفر سے راضی نہیں ہوسکتا۔

خلاصۂ کلام اینکہ جادو سیکھنا، سکھانا، اس پر عمل کرنا، اور اس سے راضی ہونا کفر ہے، یہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جادو کا انکار کرنا، جادوگروں کی روک تھام اور معاشرہ سے ان کا خاتمہ کرنا واجب ہے، تا کہ اس میں شر و فساد نہ پھیلائیں، اسی لئے جادوگر کو قتل کرنے کی بابت حدیثیں وارد ہوئی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''**حد الساحر**

ضربة بالسيف"[1]۔

اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا، چنانچہ جادگروں کو قتل کیا:

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو خط لکھا کہ "ہر جادوگر اور جادوگرنی کو قتل کردو"[2]۔

اور ام المؤمنین حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا نے اس لونڈی کو قتل کرنے کا حکم دیا جس نے ان پر جادو کیا تھا[3]۔

اسی طرح صحابی رسول جندب بن کعب رضی اللہ عنہ نے بنو امیہ کے ایک امیر کی موجودگی میں جادوگر کو اس وقت قتل کیا جب وہ ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ جادوگر امیر کے پاس کرتب دکھا رہا ہے اور تخییلی (نظر بندی کے) جادو کے ذریعہ لوگوں کو یہ خیال دے رہا ہے کہ وہ ایک شخص کو قتل کرتا ہے پھر اسے زندہ کر دیتا ہے، اس کا سر قلم کرتا ہے پھر دوبارہ لوٹا دیتا ہے، چنانچہ جندب رضی اللہ عنہ اس کے قریب گئے اور تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا اور فرمایا: "إن كا صادقاً فليحي نفسه"[4]۔ اگر سچا ہے تو خود کو زندہ کر لے۔

---

① سنن الترمذی: ۱۴۶۰، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۶۶۵، سنن الدارقطنی: ۳/ ۱۱۴، مستدرک الحاکم: ۴/ ۳۶۰، بروایت جندب رضی اللہ عنہ۔ یہ حدیث مرفوعاً ضعیف ہے، جندب رضی اللہ عنہ سے موقوفاً صحیح ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ جندب سے موقوفاً صحیح ہے۔

② مسند احمد: ۱۶۵۷، سنن أبی داود: ۳۰۴۳، علامہ سلیمان بن عبداللہ نے تیسیر العزیز الحمید، ص ۳۹۵ میں فرمایا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔

③ اسے عبد اللہ بن امام احمد نے اپنے والد سے اپنے مسائل میں روایت کیا ہے، ۱۵۴۳، والسنن الکبریٰ للبیہقی، ۱۶۸۶۷، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے اسے کتاب التوحید میں صحیح قرار دیا ہے۔

④ التاریخ الکبیر للبخاری: ۲/ ۲۲۲، السنن الکبری للبیہقی: ۱۶۹۷۰، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے اسے کتاب التوحید میں صحیح قرار دیا ہے۔ اور علاوہ سلیمان رحمہ اللہ (تیسیر العزیز الحمید ص: ۳۹۶)، میں اس قصہ کے بارے میں فرماتے ہیں: اس کی بکثرت سندیں ہیں۔

اسی لئے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے تین صحابہ عمر، حفصہ اور جندب بن کعب رضی اللہ عنہم سے جادوگر کو قتل کرنا صحیح طور پر ثابت ہے۔

اگر جادوگر توبہ ظاہر کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی بلکہ اس پر حد قائم کی جائے گی، کیونکہ اس کی توبہ پر اعتماد نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ وہ زندیق (کافر) ہے، ہوسکتا ہے وہ بظاہر توبہ کر رہا ہو لیکن اس کے دل میں جادو موجود ہو، بنا بریں اسے بہر صورت قتل کر دیا جائے گا، اگر وہ اپنی ذات اور اللہ کے درمیان اپنی توبہ میں سچا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا، لیکن ہم اس پر حد قائم کریں گے اور ہر حال میں اسے قتل کر دیں گے۔

اس سے ہمارے سامنے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ جادو باطل، ملت سے خارج کر دینے والا کفر اکبر، دین اسلام سے ارتداد اور اسلام کو اکارت کر دینے والا عمل ہے، اور اس کے مرتکب کی حد بہر صورت قتل ہے، کیونکہ وہ معاشرہ کو بگاڑتا ہے، اور لوگوں کے درمیان عداوت ونفرت پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے یہاں حیواناتی سرکس نامی کھیل کود یا ''جوکروں' مداریوں کے کھیل'' کے نام سے جو کچھ کیا جاتا ہے'' کہ لوگ جلسوں' پارکوں اور سیر وتفریح کے مقامات پر جادوگر کو لاتے ہیں تا کہ وہ نظر بندی کے کرتب دکھائے، کہ یہ سراسر جادو ہے، گرچہ لوگوں کے یہاں اس کا نام کچھ بھی ہو۔

نیز اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں کسی بھی شکل میں جادو کو برقرار رکھنا جائز نہیں، ممکن ہے لوگوں کی جانب سے یہ بھی کہا جائے کہ وہ بیماریوں کا علاج کرتے ہیں' لہٰذا اسے روایتی علاج کہیں، جبکہ وہ جادو ہوتا ہے، یا انہیں رقیہ اور دم کے نام سے لے کر آئیں، اور وہ دم کریں، لیکن وہ جادوگر ہوتے ہیں، جاہل لوگ انہیں مشائخ کا نام دیتے ہیں جبکہ وہ جادوگر ہوتے ہیں، اور عوام سمجھتے ہیں کہ وہ اطباء اور مشائخ ہیں۔

اسی طرح مداریوں کے کرتب یا سرکس وغیرہ ناموں سے بھی جادو کا استعمال کرنا جائزنہیں، جیسے کوئی اپنے بال سے گاڑی کھینچے، یا اس پر گاڑی چڑھ جائے اوراسے کوئی نقصان نہ پہنچے، یا اپنی آنکھ میں لوہے کی سلاخ گھونپے اوراسے کوئی تکلیف نہ ہو، یا اپنے جسم میں چھری گھونپے یا لوگوں کے سامنے آگ کھائے وغیرہ، کہ یہ ساری چیزیں سراسر جھوٹ اور تخییلی جادو ہیں، نہ اسے کرنا جائز ہے نہ اس سے راضی ہونا، نہ ایسا کرنے والوں کو بلوانا تاکہ لوگوں کے سامنے کرکے دکھائیں، کیونکہ ایسا کرنا علانیہ منکر ہے، جس پرنکیر کرنا، اس کا خاتمہ کرنا اور مسلم مما لک کو اس سے پاک کرنا ضروری ہے۔

● مسئلہ: سحرزدہ سے سحر نکالنے کا کیا حکم ہے؟

اس میں شک نہیں کہ جادو ایک اذیت اور بیماری ہے جس کے لئے علاج درکار ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری اتاری ہے اس کا علاج بھی اتارا ہے، تو ہم سحرزدہ شخص کا علاج کیسے کریں گے؟ ہم اس کا علاج شرعی رقیہ کے ذریعہ کریں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علاج بھی رقیہ کے ذریعہ کیا گیا تھا، جبریل علیہ السلام نے سورۃ الفلق کے ذریعہ رقیہ کیا تھا، لہٰذا مریض کا علاج قرآن کریم، دعاؤں اور شرعی دواؤں کے ذریعہ کیا جائے گا، اوراس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ سحرزدہ کا علاج اللہ عزوجل کے مشروع کردہ امور کے ذریعہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری اتاری ہے اس کا علاج بھی اتارا ہے۔

رہا مسئلہ جادو کا علاج اسی کے مثل جادو کے ذریعہ کرنا تو وہ ناجائز ہے، کیونکہ اللہ کے حرام کردہ امر کے ذریعہ علاج کرنا ہے بلکہ کفر کے ذریعہ علاج کرنا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

”تداووا، ولا تداووا بحرامٍ“[1]۔ علاج کراؤ، لیکن حرام کے ذریعہ علاج نہ کراؤ۔

---

① سنن أبی داود: ۳۸۷۴، بروایت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ۔

اور جادو نہایت عظیم حرام امور میں سے ہے، تو ہم سحر زدہ کا علاج اس کے ذریعہ کیسے کر سکتے ہیں، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "**إنَّ اللّٰهَ لم يجعَلْ شفاءَكُم فيما حرَّمَ عليكُم**"[1]۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں تمہاری شفا نہیں رکھی ہے جنہیں تم پر حرام قرار دیا ہے۔

اور چونکہ جادو سخت ترین حرام امور میں سے ہے لہٰذا ہمارے لئے اس سے سحر زدہ کا علاج کرانا جائز نہیں، بلکہ ہم سحر زدہ کا علاج بھی انہی چیزوں سے کریں گے جن سے دیگر امراض کا علاج کراتے ہیں، یعنی قرآن کریم اور دعاؤں کے ذریعہ دم، شرعی معوذات اور مباح دواؤں کے ذریعہ، سحر زدہ کا علاج بھی اسی سے کیا جائے گا، اس کے برخلاف جادو کے ذریعہ جادو کے علاج کے جواز کی جو بات کہی جاتی ہے وہ باطل اور مردود ہے، اسے اپنانا جائز نہیں، کیونکہ وہ کتاب وسنت کے شرعی دلائل کے خلاف ہے، بلکہ واجب یہ ہے کہ مسلم معاشروں کو جادوگروں اور ان کے کاموں سے پاک کیا جائے، انہیں لوگوں کے درمیان شہر میں نہ رہنے دیا جائے کہ وہ لوگوں کے درمیان جادو کی نشر واشاعت کریں، بلکہ ان سے لڑنا اور ان کا خاتمہ کرنا ضروری ہے، اور جس کے بارے میں پتہ چل جائے کہ وہ جادو کا کام کرتا ہے اسے عدالت میں پیش کیا جانا چاہئے تاکہ اسے اپنے کئے کی شرعی سزا ملے تاکہ بندوں اور شہروں کو ان سے راحت ملے، ہمیں ان کے لئے موقع فراہم کرنا، انہیں بلوانا یا ان کا دفاع نہیں کرنا چاہئے، اور یہ نہیں کہنا چاہئے کہ انہیں چھوڑ و لوگوں کا علاج کرنے دو! کیونکہ وہ جادو لائیں گے اور اس کے نتیجہ میں ہم شر وفساد اور جادو میں مزید اضافہ کریں گے!۔

۞۞۞

[1] صحیح البخاری تعلیقاً: ۱۰/۸۱، فتح الباری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے وہاں دیگر سندوں کے ساتھ موصول کرنے والوں کا ذکر کیا ہے اور ان اسانید کے بارے میں کہا ہے کہ وہ صحیح ہیں۔

سوالات وجوابات

سوال: جادو کا علاج جادو سے کرنے یا اس کے لئے جانے کا کیا حکم ہے؟ بسا اوقات یہ چیز شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ انہوں نے اس کی گنجائش دی ہے اور یہ فقہاء حنابلہ کی کتابوں میں بھی موجود ہے؟

جواب: رہا مسئلہ اسے شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنے کا تو یہ سراسر جھوٹ ہے، کیونکہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا فتویٰ یہ ہے کہ جادو حرام ہے' اس سے علاج کرانا جائز نہیں ہے، اور اس سلسلہ میں ان کا ''**إقامة البراهين في الرد على المشعوذين والسحرة والدجالين**'' نامی ایک رسالہ بھی ہے جو آپ کے جوابات اور فتاویٰ کے ضمن میں موجود ہے، لہٰذا جادو کا علاج جادو سے کرانے کے جواز کی بات کی نسبت شیخ ابن باز رحمہ اللہ پر جھوٹ ہے، اور رہا مسئلہ یہ کہ بعض قدیم علماء نے یہ بات کہی ہے' تو ہر ایک کی بات لی بھی جا سکتی ہے اور چھوڑی بھی جا سکتی ہے، اس لئے مفتیان کی باتیں اگر کتاب وسنت کے خلاف ہوں تو انہیں لینا جائز نہیں' اور نہ وہ حجت ہیں، دلیل دراصل اللہ کی کتاب' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یا مسلمانوں کے اجماع سے لی جاتی ہے۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف (میاں بیوی میں تفریق) کے جادو کے علاج کا ایک طریقہ یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدے، جس سے ان شاء اللہ جادو ختم ہو جائے گا، پھر اس کے بعد رجوع کرلے، کیا یہ عمل ٹھیک ہے؟ اور کیا اس کا کوئی شرعی وجہ جواز ہے، آپ کس بات کی وصیت کرتے ہیں؟

جواب: میرے علم کے مطابق اہل علم نے یہ بات نہیں کہی ہے، اور یہ بات صحیح نہیں ہے،

جادو کا علاج طلاق کے ذریعہ نہیں ہوگا، بلکہ جادو کا علاج شرعی علاج کے ذریعہ ہوگا طلاق سے نہیں، اللہ عزوجل طلاق کو ناپسند کرتا ہے، سوائے اس صورت کے کہ حاجت متقاضی ہو مثلاً میاں بیوی کے درمیان حسن معاشرت یا باہمی نباہ نہ ہوسکے، لیکن علاج کے لئے طلاق دینے کی بات، تو میرے علم کے مطابق اہل علم میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی ہے۔

سوال: اگر مجھے جادو مل جائے تو کیا میں اسے جلا کر یا پھاڑ کر اسے دور کرسکتا ہوں؟

جواب: اگر تمہیں جادو مل جائے تو اسے برباد کردو' خواہ آگ سے جلا کر یا پھاڑ کر، اہم بات یہ کہ اسے باقی نہ رہنے دو۔

سوال: بعض ممالک میں پایا جاتا ہے کوئی شخص لوگوں کی بھیڑ میں کھڑے ہوکر انہیں بھڑکانے والے کرتب دکھلاتا ہے؛ مثلاً اپنے پیٹ میں تلوار یا چھری گھونپتا ہے اور اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے، اور اس جیسی دیگر ایسی حرکتیں کرتا ہے جن کا لوگوں کی عام زندگی میں تصور نہیں کیا جاسکتا ہے؛ اس طرح کے کاموں میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ جھوٹا شعبدہ باز ہے، اور اس کا یہ عمل تخلیلی جادو ہے، یہ اسی قبیل سے ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرعون کے جادوگروں کے بارے میں کیا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ﴾ [طہ: 66] اب تو موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں۔

نیز ارشاد ہے: ﴿فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ﴾ [الأعراف: 116] پس جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کردی اور ان پر ہیبت غالب کردی۔

یہ وہ چیز استعمال کرتے ہیں جسے قمرہ (نظر بندی) کہا جاتا ہے، یعنی لوگوں کو حقیقت کے خلاف خیال دلانا، یا کچھ ایسی خفیہ چالیں کرتے ہیں جو لوگوں کے سامنے ایسے ظاہر کرتے

ہیں گو یا حقیقت ہوں' جبکہ وہ جھوٹ ہوتے ہیں؛ بایں طور کہ لوگوں کو دکھا تا ہے کہ اپنے آپ کو چھری گھونپتا ہے، یا کسی کو قتل کرتا ہے پھر اسے پہلی حالت میں لوٹا دیتا ہے، جبکہ حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہوتا ہے، یا لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ آگ میں داخل ہورہا ہے اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا ہے، جبکہ وہ درحقیقت داخل ہی نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ خفیہ حیلہ اپناتا ہے جسے لوگ حقیقت گمان کرتے ہیں! ان لوگوں کو اس بات کی اجازت دینا جائز نہیں اس باطل کو دکھائیں اور پھیلائیں اور اپنی جعل سازیوں کے ذریعہ لوگوں کو فریب میں مبتلا کریں؛ کیونکہ یہ چیز عوام الناس پر اثر انداز ہوتی ہے، بنوامیہ کے کسی امیر کے پاس ایک شخص تھا جو اس طرح کے کھیل اور کرتب دکھاتا تھا، چنانچہ اس نے ایک شخص کو ذبح کرکے اس کا سر تن سے جدا کردیا، پھر پہلی حالت میں لوٹا دیا، حاضرین کو بڑا تعجب ہوا، اسی دوران جندب الخیر ازدی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اسے قتل کردیا، اور فرمایا: ''اگر سچا ہے تو اپنے آپ کو زندہ کرکے دکھائے''[1]۔

اور مسلمان کے لئے بھی جائز نہیں اس دجل وفریب اور شعبدہ بازی کا تماشائی بنے، یا اس کی تصدیق کرے، بلکہ واجب ہے کہ اس کا انکار کرے، اور مسلم حکمرانوں پر واجب ہے کہ اسے منع کریں اور ایسا کرنے والوں کو سزا دیں، اگر چہ وہ اسے کھیل کود اور فنکاری کا نام دے!! کیونکہ ناموں سے حقائق نہیں بدل سکتے ہیں نہ حرام حلال ہوسکتا ہے! اسی طرح وہ شخص بھی اسی کے مثل ہے جو لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے بال کے ذریعہ گاڑی کھینچتا ہے، یا چلتی گاڑی کے پہیوں تلے سوتا ہے، اور اس قسم کی دیگر فریب کاری، نظر بندی اور جادوگری کے کام۔

سوال: جو لوگ مداریوں کے کھیل تماشے وغیرہ جو جادو پر مبنی ہوتے ہیں' دیکھنے آتے ہیں،

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۳/۱۷۶-۱۷۷۔

کیا وہ کافر ہو جائیں گے جبکہ وہ اس سے راضی نہ ہوں؟

جواب: اگر اس سے راضی نہ ہوں تو وہ ایک حرام کے مرتکب ہیں جس کے سبب وہ گنہ گار ہوں گے، لیکن اگر وہ یہ جانتے ہوئے کہ وہ جادو ہے' اس سے راضی ہوں تو کافر ہو جائیں گے۔

سوال: میں اپنی ہدایت یابی، نماز کے اوقات میں نمازوں کی پابندی اور تلاوت قرآن کے اہتمام سے پہلے ایک جادوگرنی کے پاس گئی، اس نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ ایک مرغی کا گلا گھونٹ کر اسے دوں تا کہ وہ مجھے ایک ایسا پردہ بنا کر دے جس سے میرے اور میرے شوہر میں رابطہ مضبوط ہو، کیونکہ میرے اور ان کے درمیان ہمیشہ کشاکش اور مشکلات رہتی تھیں، اور واقعی میں نے اپنے ہاتھ سے ایک مرغی کا گلا گھونٹ کر اسے دیا، کیا اس کام کے سبب میں گنہ گار ہوں؟ اور میں کیا کروں جس سے مجھے اس خوف وقلق سے چھٹکارا مل جائے جو ہمہ وقت میرے دل میں گردش کرتا رہتا ہے؟

جواب: **اولاً:** جادوگرنیوں کے پاس جانا حد درجہ حرام کام ہے، کیونکہ جادو کفر اور اللہ کے بندوں کو نقصان پہنچانے کا عمل ہے، لہٰذا ان کے پاس جانا بہت بڑا جرم ہے، اور جو تم نے مرغی کا گلا گھونٹنے کی بات ذکر کی ہے وہ دوسرا جرم ہے، کیونکہ اس میں حیوان کو عذاب دینا، ناحق اسے قتل کرنا اور اس عمل کے ذریعہ غیر اللہ کی قربت حاصل کرنا ہے، جو کہ شرک ہے، لیکن چونکہ تم اللہ سے سچی توبہ کر چکی ہو، اس لئے تمہارے پچھلے گناہ کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا، اور اب مستقبل میں دوبارہ یہ جرم نہ کرنا، اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی مغفرت فرماتا ہے، اور مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ جادوگروں کو چھوڑ دیں وہ مسلمانوں کے درمیان جادوئی کام کرتے رہیں، بلکہ ان پر انکار کرنا واجب ہے، اور مسلم حکمرانوں پر واجب ہے کہ انہیں قتل کریں اور ان کے شر سے مسلمانوں کو راحت پہنچائیں۔

سوال: رقیہ ودم کرنے کے لئے خاص مراکز اور دسپنسریاں کھولنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: یہ سلف کا عمل نہیں رہا ہے کہ انہوں نے رقیہ ودم وغیرہ کے ادارے یا جگہیں کھولا ہو، اس سلسلہ میں توسع برتنا شر وفساد کا پیش خیمہ ہے، اس میں وہ بھی داخل ہوں گے جو اسے اچھی طرح انجام نہیں دے سکتے ہیں، کیونکہ لوگ طمع ولالچ کے پیچھے بھاگتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ حرام چیزیں کر کے ہی سہی لوگوں کو اپنی طرف کھینچیں اور آمادہ کریں۔

نواں درس؛ آٹھویں ناقض کی شرح

شیخ محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”آٹھواں ناقض: مسلمانوں کے خلاف مشرکین کا سپورٹ اوران کی مدد کرنا، اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ [المائدۃ:51]

تم میں سے جو بھی ان میں کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا“۔

شرح:

شیخ رحمہ اللہ نے کافروں سے محبت کی قسموں میں سے ایک قسم ساتھ دینا بیان کی ہے، ورنہ موالاۃ ومحبت میں: دل سے محبت، مسلمانوں کے خلاف مشرکین کا ساتھ دینا اور اور کافروں کی مدح وثنا کرنا وغیرہ کئی چیزیں شامل ہیں؛ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں سے دشمنی، نفرت اور اظہار بیزاری واجب قرار دیا ہے، اور اسی کو اسلام میں ولاء و براء کا باب کہا جاتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کے قول ”مسلمانوں کے خلاف مشرکین کا سپورٹ اوران کی مدد کرنا“ میں معاونت ہی مظاہرت ہے، بظاہر لگتا ہے کہ یہ عطف تفسیر ہے، کیونکہ مظاہرت کا معنیٰ مدد کرنا ہے۔

پھر مصنف رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ

﴿وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾[المائدۃ:51] اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں، تم میں سے جو بھی ان میں کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا۔

چنانچہ فرمان باری: ﴿وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ تم میں سے جو بھی ان میں کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے۔

ایسا کرنے والوں کے کفر کی دلیل ہے، کیونکہ ''وہ بیشک انہی میں سے ہے'' کا ظاہری معنیٰ یہ ہے کہ کافر ہونے میں وہ انہی کے مثل ہے، یہ شیخ رحمہ اللہ کا وجہ استدلال ہے۔

ہم نے ذکر کیا کہ موالاۃ ومحبت کی کئی قسمیں ہیں: ان میں سے دلوں کی محبت بھی ہے خواہ مدد نہ بھی کرے، اور ان میں سے ان کی مدد سپورٹ اور تعاون ہے خواہ محبت نہ بھی کرے، اور ان میں سے ان کی' اور ان کے دین کی مدح وستائش بھی ہے، یہ تمام چیزیں محبت میں داخل ہیں۔ ﴿وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ تم میں سے جو بھی ان میں کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے۔ یعنی جو ان سے محبت کے ذریعہ موالات رکھے، یا مسلمانوں کے خلاف مدد کے ذریعہ موالات رکھے یا ان کی اور ان کے دین وعقیدہ کی مدح وثنا کے ذریعہ موالات رکھے، اس میں سب شامل ہے، کیونکہ آیت کریمہ عام ہے۔

● اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی مدد کرنے کی کئی قسمیں ہیں:

[1] پہلی قسم: کافروں کے کفر وشرک اور گمراہی سے محبت رکھتے ہوئے' مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرنا، یہ قسم بلاشبہ کفر اکبر اور دین سے خارج کردینے والی ہے، کیونکہ جو شخص اختیاری طور پر بلا کسی جبر واکراہ کے مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد، تعاون اور

حمایت کرے گا اور ساتھ ہی ان کے دین اور عقائد ونظریات سے محبت کرے گا اور اس سے راضی وخوش ہوگا، وہ کفر اکبر کا مرتکب ہوکر دین اسلام سے خارج ہو جائے گا، جیسا کہ فرمان باری ﴿فَإِنَّهُ مِنۡهُمۡ﴾ ''وہ بے شک انہی میں سے ہے'' دوٹوک ہے۔

۲ **دوسری قسم:** یہ کہ مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرے لیکن چاہتے ہوئے نہیں، یعنی اسے ان سے حقیقی محبت نہ ہو، بلکہ اُن کے درمیان رہنے کے سبب وہ اسے مجبور کرتے ہوں، تو ایسے شخص پر سخت وعید ہے، اور دین سے خارج کردینے والے کفر اکبر کا اندیشہ ہے، کیونکہ جنگ بدر کے موقع پر جب مشرکین نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے اپنے ساتھ نکلنے پر مجبور کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ان پر نکیر فرمائی، کیونکہ انہوں نے ہجرت نہیں کیا مشرکین کے درمیان ہی رہتے رہے اور اپنے آپ کو اس صورتحال سے دو چار کرلیا کہ انہیں مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے نکلنے پر مجبور کیا گیا، جبکہ وہ کافروں کے دین سے نفرت اور مسلمانوں کے دین سے محبت کرتے تھے، لیکن اپنے مال وطن اور اولاد کی لالچ میں مکہ ہی میں پڑے رہے [1]۔

انہیں کافروں سے یا ان کے دین سے محبت نہ تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ﴾ جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں، تم کس حال میں تھے؟

یعنی تم کس فریق کے ساتھ تھے؟ یہ نفرت واستنکار ہے، مقصد یہ ہے کہ مسلمان ہوتے

---

① صحیح البخاری: ۴۵۹۶، بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وتفسیر ابن جریر: ۵/ ۲۷۴-۲۷۵، نیز دیکھئے: تفسیر بغوی: ۱/ ۴۶۹ طبع دار المعرفہ۔

ہوئے تم مشرکین کے ساتھ کیوں تھے؟ ﴿قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ﴾ انہوں نے کہا: ہم کمزور اور مغلوب تھے، ہمارے پاس کوئی راستہ نہ تھا، انہی لوگوں نے ہمیں اس چیز پر مجبور کیا: ﴿قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا﴾ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یعنی تم مسلمان ہوتے ہوئے کیونکہ مشرکین کے ساتھ اقامت پر ٹکے رہے؟ اور اس خوفناک صورتحال میں اپنے آپ کو جھونک دیا؟ ﴿فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے۔ یہ ان کے لئے سخت وعید ہے،

﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا﴾ [النساء: 97-99] مگر جو مرد عورتیں اور بچے بے بس ہیں جنہیں نہ تو کسی چارہ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کرے، اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔

چنانچہ جس نے استطاعت کے باوجود ہجرت نہیں کی، مشرکین کے درمیان ہی رہتا رہا، اور مشرکین نے اسے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکالا، اس کے لئے سخت وعید ہے، ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ گر جو مرد عورتیں اور بچے بے بس ہیں۔ تو ایسے لوگ وہ وہاں رہنے میں معذور ہیں، کیونکہ انہیں ہجرت کرنے کی استطاعت نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرۃ: 286] اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

۳ **تیسری قسم:** جو مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد کرے درانحالیکہ وہ بااختیار ہو مجبور نہ ہو، ساتھ ہی اسے کافروں کے دین سے بغض ونفرت بھی ہو، تو بلاشبہ ایسا شخص گناہ کبیرہ کا

مرتکب ہے، اوراس پر کفر کا اندیشہ ہے۔

۴ **چوتھی قسم:** جو ان کفار کے خلاف کفار کی مدد کریں جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہو، تو یہ حرام اور ناجائز ہے کیونکہ ایسا کرنا مسلمانوں کا عہد و پیمان توڑنا ہے، اس لئے جن کافروں کے ساتھ معاہدہ ہے تمام مسلمانوں کے لئے اس معاہدہ کو پورا کرتے ہوئے' ان سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے، اور جو ان سے لڑنے والے کافروں کی مدد کرے گا، مسلمانوں کے عہد کو توڑنے والا ہوگا، نیز یہ مسلمانوں کے ذمہ کے ساتھ غدر اور دھوکہ ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الجَنَّةِ"[1] ۔جس نے کسی کافر کو قتل کردیا جس کے ساتھ معاہدہ تھا' وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔

اور اللہ تعالیٰ نے تو مسلمانوں کو کافروں کے خلاف بایں صورت کہ کافروں کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہو' مسلمانوں کی مدد کرنے سے منع فرمایا ہے' تو اس کا کیا حکم ہوگا جو مسلمانوں کا معاہدہ توڑنے میں کافروں کی مدد کرے، اللہ کا ارشاد ہے:﴿وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ﴾ [الأنفال:72] ہاں اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے، سوائے ان لوگوں کے کہ تم میں اوران میں عہد و پیمان ہے۔

لہٰذا اگر مسلمان ہم سے کافروں کے خلاف مدد چاہیں گے تو ہم پر ان کی مدد کرنا واجب ہوگا، سوائے ایک حالت میں: جب کافروں کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہو، تو ہمارے لئے ان کے خلاف مسلمانوں کی مدد کرنا جائز نہ ہوگا، بھلا ہم مسلمانوں کے حلیفوں کے خلاف کافروں کی مدد کیسے کریں گے، یہ چیز ناجائز ہے، اور یہ سب محض وعدہ وفائی کے لئے ضروری ہے۔

---

① بخاری ۳۱۶۶، بروایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما۔

⑤ **پانچویں قسم:** مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد کے بغیر ان سے محبت و دوستی رکھنا، اس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور ایسا کرنے والے سے ایمان کی نفی فرمائی ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ﴾ [المجادلة: 22] اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے) کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے۔

نیز ارشاد ہے: ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ﴾ [التوبة: 114] اور ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت مانگنا وہ صرف وعدہ کے سبب سے تھا جو انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے، واقعی ابراہیم (علیہ السلام) بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔

نیز ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ إِنْ يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ۝ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ﴾ [الممتحنة: 1-4]

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور (خود) اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آچکا ہے کفر کرتے ہیں، پیغمبر کو اور خود تمہیں بھی محض اس وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان رکھتے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کے لیے اور میری رضا مندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو)، تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا، تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بہک جائے گا۔ اگر وہ تم پر کہیں قابو پالیں تو وہ تمہارے (کھلے) دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور (دل سے) چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ۔ تمہاری قرابتیں، رشتے داریاں، اور اولاد تمہیں قیامت کے دن کام نہ آئیں گی، اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔ (مسلمانو!) تمہارے لیے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ۔

چنانچہ سورۃ الممتحنہ پوری کی پوری کافروں سے محبت کی حرمت کے سلسلہ میں ہے' اگرچہ وہ مسلمان کے قریب ترین لوگ ہی کیوں نہ ہوں، اور اس کے اختتام پر اللہ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ

﴿كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ﴾ [الممتحنۃ:13] اے مسلمانو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے جو آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسے کہ مردہ اہل قبر سے کافر ناامید ہیں۔

چنانچہ سورۃ الممتحنہ اول تا آخر مکمل طور پر کافروں سے دشمنی اور عدم محبت کے موضوع پر مشتمل ہے[1]۔

---

① **شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی بات نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:**

''رہا تیسرا مسئلہ: جس میں آدمی مشرکین کی موافقت اور انکی اطاعت کے اظہار میں معذور ہوسکتا ہے، تو جاننا چاہئے کہ **مشرکین سے اظہار موافقت کی تین حالتیں ہیں:**

[1] پہلی حالت: یہ کہ ظاہر و باطن دونوں میں ان کی موافقت کرے، چنانچہ ظاہر میں بھی ان کا تابع فرمان ہو اور باطن میں بھی ان کی طرف مائل اور ان سے محبت رکھے، تو ایسا شخص اسلام سے خارج ہے، خواہ اسے اس پر مجبور کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی بابت اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [النحل:106] مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

[2] دوسری حالت: یہ کہ باطن میں ان کی موافقت کرے اور ان کی جانب مائل ہو، لیکن ظاہر میں ان کی مخالفت کرے، تو ایسا شخص بھی کافر ہے، لیکن اگر ظاہر میں اسلامی احکام پر عمل پیرا ہو تو اس کی جان و مال محفوظ ہوگا، اور وہ منافق قرار پائے گا۔

[3] تیسری حالت: یہ کہ ظاہر میں ان کی موافقت کرے اور باطن میں ان کی مخالفت کرے، تو اس کی دو صورتیں ہیں:

① **پہلی صورت:** وہ ایسا اس لئے کرے کہ وہ ان کے حکومت و اقتدار میں ہو، ساتھ ہی وہ اسے ماریں پیٹیں اور قید و بند کی سزائیں دیں اور قتل کی دھمکی دیتے ہوئے کہیں: تمہاری ہماری موافقت کرو اور ہماری فرمانبرداری کرو، ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے، تو ایسی صورت میں اس کے لئے دل کے ایمان پر مطمئن ہوتے ہوئے ظاہر میں ان کی موافقت کرنا جائز ہے، جیسا کہ عمار کے ساتھ پیش آیا اور اس وقت اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ [النحل:106] جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔

....

● چند مسائل:

[1] پہلا مسئلہ: مسلم خاتون سے کافر کے نکاح کا حکم:

کسی کافر کا مسلم خاتون سے نکاح کرانا جائز نہیں، خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی یا بت پرست یا ملحد دہریہ، کسی کافر کا مسلم خاتون سے نکاح کرانا مطلق طور پر ناجائز ہے، کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ أُولَئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ﴾ [البقرة:221] اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں اپنی عورتوں کو دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، ایمان والا غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے، گو مشرک تمہیں اچھا لگے۔ یہ لوگ جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلاتا ہے۔

فرمان باری: ﴿وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ﴾ (اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح

....

نیز اللہ کا ارشاد ہے: ﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ [آل عمران:28] مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو۔ چنانچہ یہ دونوں آیتیں اس حکم پر دلالت کناں ہے، جیسا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے آل عمران کی آیت کریمہ کے تحت اس سلسلہ میں تنبیہ فرمائی ہے۔

(۲) **دوسری صورت:** وہ ظاہر میں ان کی موافقت کرے، باطن میں ان کی مخالفت کرے، لیکن وہ ان کی حکومت واقتدار میں نہ ہو، بلکہ اسے یا تو کسی سرداری، یا مال کی لالچ، یا وطن پرستی یا اہل وعیال کی محبت، یا مستقبل کے انجام بد کے خوف وغیرہ نے اس پر آمادہ کیا ہو، تو ایسی حالت میں مرتد ہوگا، اس کی باطن میں ان سے نفرت ومخالفت کوئی نفع نہ دے گی، بلکہ وہ ان لوگوں میں سے ہوگا، جن کی بابت اللہ کا ارشاد ہے: ﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ [النحل:107] یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہ راست نہیں دکھاتا"۔ ((کتاب مجموعۃ التوحید، رسالہ شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ ص: ۲۹۵-۲۹۶)۔

میں اپنی عورتوں کو دو) کا معنیٰ یہ ہے کہ مشرکوں کو مسلم عورتوں سے نہ بیاہو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، چنانچہ اگر وہ کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جائیں تو انہیں مسلمہ عورتوں سے بیاہنا جائز ہے۔

نیز اللہ کا ارشاد ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾ [الممتحنۃ:10] اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو۔ دراصل ان کے ایمان کو بخوبی جاننے والا تو اللہ ہی ہے لیکن اگر وہ تمہیں ایمان والیاں معلوم ہوں تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، یہ ان کے لیے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لیے حلال ہیں۔

چنانچہ جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومنہ ہیں تو انہیں ان کے کافر شوہروں کو نہ لوٹاؤ، کیونکہ ان کا رشتہ کٹ چکا ہے، اور مسلم خاتون اور کافر کے مابین نکاح ختم ہو چکا ہے، اسی طرح کافر شخص کا نکاح مسلم خاتون سے ابتداء بھی نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت میں ہے:﴿وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا﴾ اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں اپنی عورتوں کو دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔

اور نہ ہی عورت کے اسلام لانے اور مرد کے کافر ہونے کی صورت میں نکاح کو باقی رکھا جائے گا، بلکہ اسے کافر سے فوراً جدا کر دیا جائے گا،﴿فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ﴾ لیکن اگر وہ تمہیں ایمان والیاں معلوم ہوں تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو۔

لہٰذا کافر کا مسلم خاتون سے نکاح کرانا نہ ابتداء جائز ہے نہ اس پر باقی رکھنا، یہ اہل علم کے یہاں اجماعی مسئلہ ہے۔

رہا مسلم مرد کا کافرہ عورت سے نکاح کرنا تو اگر وہ کافرہ اہل کتاب میں سے نہ ہوتو بالاجماع حلال نہیں، کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ﴾ [البقرۃ:221] (مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں)۔

البتہ اس آیت کریمہ سے مسلمان مرد کا کتابیہ سے نکاح کرنا مستثنیٰ ہے، اور اس آیت کے عموم کی تخصیص سورۃ المائدہ کی آیت کریمہ سے کی گئی ہے، اللہ کا ارشاد ہے: ﴿الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ پاکیزہ چیزیں آج تمہارے لئے حلال کی گئیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے۔ یہاں کھانے سے مراد ان کے ذبیحے ہیں۔

﴿وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ﴾ [المائدۃ:5] اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے، اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور جو لوگ تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں ان کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں۔

المحصنات: سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنی عزت وآبرو میں پاکدامن ہوں، لہٰذا جو پاکدامن نہ ہوں تو ان سے نکاح کرنا جائز نہیں خواہ کافرہ ہوں یا مسلمہ، کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَالزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ [النور:3] اور زناکار عورت بھی بجز زانی یا مشرک مرد کے اور سے نکاح نہیں کرتی اور ایمان والوں پر یہ حرام کر دیا گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مرد کے کافرہ عورت سے نکاح کو دو شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے:

① **اول:** یہ کہ وہ پاکدامن ہو، علانیہ فحش کار یا پوشیدہ یارانہ رکھنے والی نہ ہو۔

② دوم: یہ کہ اہل کتاب میں سے یعنی یہودیہ یا نصرانیہ ہو۔

تو ایسی خاتون سے مسلمان مرد کا نکاح کرنا جائز ہے۔

لیکن یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ بات معلوم ہے کہ میاں بیوی کے درمیان محبت والفت ہوتی ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ [الروم:21] (اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی۔) تو ایک مسلمان مرد ایک کتابیہ کافرہ سے نکاح کر کے اس سے کیسے محبت کرے گا، کیا ایک مسلمان مرد کا کافرہ عورت سے محبت رکھنا جائز ہے؟ ساتھ ہی اللہ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ﴾ [المائدۃ: 51] (تم یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ)

ہم اس کے جواب میں کہیں گے ازدواجی محبت شادی کے سبب ایک فطری محبت ہے، لیکن دینی محبت جائز نہیں ہے۔

۲ دوسرا مسئلہ: کفار سے بطور محبت نہیں بلکہ اگر وہ کوئی احسان کریں تو اس کی تلافی کے طور پر اس کا بدلہ دینا جائز ہے، ارشاد باری ہے: ﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ [الممتحنۃ:8] جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

لہٰذا اگر کفار مسلمانوں سے جنگ وجدال نہ کریں نہ ان سے لڑنے والوں کی مدد کریں، اور ان کا مسلمانوں پر احسان ہو تو مسلمان انہیں ان کے احسان کا بدلہ چکائیں گے، اسلام احسان اور حسن تلافی پر ابھارتا ہے، اس لئے بھی کہ کسی کافر کا مسلمان پر کوئی احسان باقی نہ رہے، کیونکہ حسن تلافی میں کئی فوائد ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ چیز انہیں اسلام کی

رغبت دلانے کا سبب ہوگی، اگر ہم ان کے ساتھ اچھا معاملہ کریں گے، وہ ہم سے لڑیں گے نہ ہم سے لڑنے والوں کی مدد کریں گے' اور ہم ان کے ساتھ اچھا معاملہ کریں گے تو یہ چیز انہیں اسلام کی دعوت کا سبب ہوگی۔ نیز یہ مسلمانوں کے ساتھ ان کے احسان کی عمدہ تلافی ہوگی۔ اسی طرح اگر ہم ان کی عمدہ تلافی کریں گے تو مسلمانوں پر ان کا احسان باقی نہ رہ جائے گا، ہم کہہ سکیں گے: جیسے آپ نے ہمیں دیا ہم نے بھی آپ کو دیا، آپ کا ہم پر کوئی احسان نہ رہا جس کی بنا پر آپ ہمیں رسوا کرسکیں۔

۳ **تیسرا مسئلہ:** کافروں کے ساتھ دنیوی معاملہ جیسے تجارتوں اور منافع کا باہمی تبادلہ وغیرہ جائز ہے، مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے ہی کافروں سے سامان درآمد کرتے رہے ہیں اور ان سے کپڑے، مویشی، اسلحے وغیرہ خریدتے رہے ہیں، یہ محبت وموالات کے قبیل سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے لئے منافع اور مصلحتوں کے تبادلے کے قبیل سے ہے، اس میں محبت نہیں ہے، بلکہ یہ کاروبار ہے۔

۴ **چوتھا مسئلہ:** جن کاموں کو بحسن وخوبی کفار ہی انجام دے سکتے ہوں ان میں مسلمانوں کے لئے کافروں کو استعمال کرنا جائز ہے، ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم ان کے ان تجربات سے فائدہ اٹھائیں جو انہی کے پاس ہوں، یا وہ اسے زیادہ بہتر اور عمدگی سے انجام دے سکتے ہوں، نیز انہیں مزدوری پر رکھنا بھی جائز ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن اریقط کو اجرت پر رکھا تھا تاکہ وہ آپ کو راستے کی رہنمائی کرے' جبکہ وہ کافر تھا، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کافر کے تجربہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے اسے اجرت پر رکھنا جائز ہے، کیونکہ وہ ہماری خدمت کرتا ہے اور ہم اسے اس کی مزدوری دیتے ہیں، یہ ان منافع میں خرید وفروخت کے قبیل سے ہے جس کی ہمیں ضرورت ہوتی ہے۔

۵ **پانچواں مسئلہ:** کافر باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔

اللہ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ﴾ [المجادلۃ:22] اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے) کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں۔

چنانچہ کافر اور مسلمان کے درمیان محبت جائز نہیں ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ تم میں سے جو بھی ان میں کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے۔

اگر چہ باپ، یا بھائی یا کوئی اور کوئی قریبی ہو۔لیکن مسلمان اولاد اپنے کافر باپ کے ساتھ حسن تلافی اور احسان کے بدلہ احسان کے طور پر نیک سلوک برتاؤ کرے گی، کیونکہ اسلام احسان وکرم اور وفا شعاری کا دین ہے، اور اسی میں مسلمان اولاد کا کافر باپ کے ساتھ حسن سلوک بھی ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ [لقمان:14، 15] ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکرگزاری کر، (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر

کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو تمہارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبردار کروں گا۔

اس لئے اولاد اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے گی، اور ان پر خرچ کر کے اور ان کی ضروریات کی تکمیل کر کے ان کے ساتھ عمدہ سلوک کرے گی، اگرچہ اس کا باپ کافر ہو؛ کیونکہ یہ حسن تلافی کے قبیل سے ہے، ﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو۔

یعنی دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنا اپنے والدین کے دین کی پیروی نہ کرنا، لیکن چونکہ ان دونوں نے ان کے ساتھ احسان کیا ہے، تمہیں پالا پوسا ہے، تم پر مال خرچ کیا ہے، اس لئے تم ان کے عمدہ سلوک کی تلافی کرو گے' اگرچہ وہ کافر ہوں۔

اسماء بنت ابی بکر کی والدہ ان کے پاس آئیں جو کافرہ تھیں' اور ان سے مدد مانگا، تو اسماء نے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا، کہا: میری ماں میرے پاس ئی ہے مجھ سے کچھ عطیہ چاہتی ہے' کیا میں ان کی صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"نعم، صلي أمك"[1]۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جواب دیا کہ اپنی کافرہ ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہیں، یہ دینی محبت والفت کے قبیل سے نہیں ہے، بلکہ باپ کے ساتھ حسن تلافی کے قبیل سے ہے جس نے آپ کی پرورش کی ہے اور عمدہ برتاؤ کیا ہے، یہ دنیوی سلوک و برتاؤ کے قبیل سے ہے، لیکن محبت، مدد اور تعاون کے ذریعہ دینی تعامل جائز نہیں۔

حاصل اینکہ دین اسلام کرم نوازی اور وفا شعاری کا دین ہے بھلائی کو کبھی فراموش نہیں

---

① اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

کرتا حتیٰ کہ کافروں کی جانب سے ہوتو بھی، بلکہ بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دیتا ہے،

﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾[لقمان:14،15] ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو تمہارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبر دار کروں گا۔

[٦] **چھٹا مسئلہ:** اسی طرح مسلمانوں کے لئے کافروں کے ساتھ رواداری کرنا جائز ہے اگر مسلمانوں کو کافروں کی شر انگیزی کا اندیشہ ہو تو وہ ان کے ساتھ رواداری کریں گے، ارشاد باری ہے:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ﴾ مومنوں کو چاہئے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حمایت میں نہیں۔

یعنی جو مسلمان کافروں کے ساتھ محبت، اور نصرت و مدد کے ذریعہ ولایت و دوستی رکھے گا اللہ نے اس سے بیزاری فرمائی ہے۔ ﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو۔

یہی رواداری ہے جب مسلمانوں کو ان کے شر و فساد کا ڈر ہو، یہ محبت و ولایت نہیں بلکہ مسلمانوں سے ضرر و نقصان ٹالنے کے قبیل سے ہے، چنانچہ ہم ان کی شر انگیزی سے بچنے کے لئے ان کے ساتھ رواداری برتیں گے بایں طور کہ انہیں مال، یا دنیوی امور میں سے جو وہ چاہیں گے انہیں دیں گے۔ یہ موالات و محبت کے قبیل سے نہیں بلکہ ان کے شر کے دفعیہ کے لئے رواداری کے قبیل سے ہے، کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾[آل عمران:28] مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو۔

اور تقاۃ، تقیہ اور رواداری سب ایک ہی معنیٰ میں ہیں۔

کچھ لوگ رواداری اور دینی معاملہ میں تنازل میں فرق نہیں کرتے، جبکہ رواداری کافروں کا شر ٹالنے کے لئے حسب ضرورت جائز ہے، لیکن مداہنت یعنی کافروں کو خوش کرنے کے لئے دین کی کسی چیز سے تنازل اور سمجھوتہ کرنا' مطلق طور پر ناجائز ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾ [القلم: 8،9] پس تو جھٹلانے والوں کی نہ مان۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اتارنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ﴾ [الواقعۃ: 81] پس کیا تم ایسی بات کو سرسری (اور معمولی) سمجھ رہے ہو؟ یعنی اسے کافروں کو خوش کرنے کے لئے چھوڑ رہے ہو؟ یہی مداہنت ہے۔

نیز مروی ہے کہ جب کافروں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ ایک وہ اللہ کی عبادت کریں اور ایک سال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے معبودوں کی عبادت کریں، تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے منع فرمایا، اور یہ سورت نازل فرمائی: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ [الکافرون: 1-6][1] آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں عبادت کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کر رہا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔

اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی بات ماننے یا ان کو خوش کرنے کے لئے دین کی

[1] تفسیر ابن جریر: ۳۰/ ۴۰۳-۴۰۴، وابن ابی حاتم جیسا کہ: الدر المنثور: ۸/ ۶۵۴ میں ہے۔

کسی چیز سے تنازل کرنے سے منع فرما دیا، لہٰذا کفار کو خوش کرنے کے لئے دین کی کسی چیز سے تنازل کرنا جائز نہیں' خواہ معاملہ کتنا ہی مشکل ہو، اور امام ابن کثیر فرماتے ہیں: یعنی میں تمہاری والی عبادت نہیں کرسکتا، بلکہ میں تو اللہ کی عبادت کروں گا جیسے اللہ کو محبوب اور پسند ہے، ﴿وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ﴾ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کررہا ہوں۔ یعنی تم اللہ کی عبادت میں اللہ کے اوامر واحکام کی پابندی نہیں کروگے۔

نیز ارشاد ہے: ﴿وَإِن كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ۝ وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا﴾ [الاسراء:73-75] یہ لوگ آپ کو اس وحی سے جو ہم نے آپ پر اتاری ہے بہکانا چاہتے کہ آپ اس کے سوا کچھ اور ہی ہمارے نام سے گھڑ گھڑا لیں، تب تو آپ کو یہ لوگ اپنا ولی دوست بنالیتے۔ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ ان کی طرف قدرے قلیل مائل ہو ہی جاتے۔ پھر تو ہم بھی آپ کو دوہرا عذاب دنیا کا کرتے اور دوہرا ہی موت کا، پھر آپ تو اپنے لئے ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار بھی نہ پاتے۔

لہٰذا کافروں کو خوش کرنے کے لئے دین اسلام کی کسی چیز سے تنازل کرکے ان کے ساتھ مداہنت جائز نہیں ہے، مداہنت سرے سے جائز نہیں ہے البتہ رواداری حسب ضرورت جائز ہے، اللہ کی جانب سے رخصت ہے، ﴿إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ [آل عمران:28] مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو، تاکہ ان کا شر وفساد ٹالیں۔

لہٰذا ان مسائل کی معلومات ضروری ہے، کیونکہ بعض لوگ کافروں سے محبت کا پروپیگنڈہ کرنے میں مبالغہ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ حسن معاملہ اور اسلام کو نرم روی اور تسامح کی صورت میں ظاہر کرنے' نیز یہ کہ اسلام میں ناپسندیدگی اور نفرت نہیں ہے' وغیرہ کے قبیل سے

ہے، یہ بے سر و پا بات ہے، کیونکہ اسلام میں نفرت و محبت اور دوستی و دشمنی دونوں ہے، اسلام صرف محبت کا دین نہیں ہے ُ جیسا کہ لوگ کہتے ہیں، یہ بے اصل بات ہے، صحیح بات یہ ہے کہ اسلام غالب اور ٹھوس دین ہے اس میں کافروں کے ساتھ کوئی تسامح یا دین کے کسی معاملہ میں ان کے ساتھ تنازل نہیں ہے، ایک طبقہ ایسا ہے جو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ مسلمان کافروں سے جہاد و قتال نہ کریں کیونکہ اسلام رحمت کا دین ہے اس میں قتال نہیں ہے۔

جبکہ ایک دوسرا طبقہ شدت پسندی کا شکار ہے وہ کافروں کے ساتھ تعامل کو مطلق طور پر محبت و موالات سمجھتا ہے، اور اللہ کی کتاب میں ذکر کردہ اس تفصیل کو یکسر نظر انداز کر دیتا ہے، لہٰذا مسائل کی معلومات ہونی چاہئے اور شرعی احکام کو اپنے مقام پر رکھنا چاہئے، ہمیں حق و باطل کو گڈ مڈ نہیں کرنا چاہئے، نہ ہمیں یہ کہنا چاہئے کہ اسلام کفار کے ساتھ تعامل روا نہیں رکھتا اور وہ سختی کا دین ہے، اس میں رحمت و نرمی نہیں ہے، بلکہ اسلام میں رحمت بھی ہے اور سختی بھی ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً﴾ [التوبۃ: 123] اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہئے۔

نیز ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ [المائدۃ: 54] اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے۔

نیز ارشاد ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ [الفتح:29] محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں۔

یعنی مسلمانوں کے لئے رحمدل ہیں، لیکن کافروں پر سخت ہونے اور ان کی بابت اپنے دل میں سختی رکھنے کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے مباح کردہ دائرہ میں ان کے ساتھ تعامل نہ رکھیں، یا کتابیہ عورتوں سے نکاح نہ کریں ان کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ نہ کریں، یہ مطلوب نہیں ہے، بلکہ جن مصلحتوں کی مسلمانوں کو ضرورت ہے ان کا ان کے ساتھ تبادلہ کریں گے، کیونکہ مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہے، لیکن رہا مسئلہ دین کا تو اس میں دین کفر کے ساتھ کوئی سمجھوتہ یا تنازل جائز نہیں ہے، لہٰذا اس بات کو اچھی طرح جان لینا چاہیئے، کیونکہ یہ مسئلہ بہت سارے لوگوں پر گڈ مڈ ہو گیا، کوئی متساہل ہے اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ اسلام ہمیشہ صلح و سمجھوتہ کا دین ہے، اور کوئی شدت پسند ہے اس کا خیال ہے کہ کافروں کے ساتھ کسی بھی طرح کا تعامل جائز نہیں ہے، یہ دونوں ہی طبقے غلط ہیں اور اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ ان مسائل کو پڑھا جائے اور ان کے احکام کا علم حاصل کیا جائے؛ کیونکہ یہ بڑا اہم باب ہے بالخصوص اس دور میں، واللہ اعلم۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله و أصحابه أجمعين

❁❁❁

سوالات وجوابات

سوال: کیا مسلم ممالک میں فوجی ٹریننگ پراجیکٹ قائم کرنے کے لئے کافروں کے ساتھ معاہدے کرنا، ان کی مدداور تائید شمار کیا جائے گا؟

جواب: ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کی مصلحت کی چیز ہے، ہمیں جنگی اموراور جنگ کے اسالیب وغیرہ سیکھنے کی ضرورت ہے، اور چونکہ وہ اس میں ہم سے زیادہ ماہراور تجربہ کار ہیں، اس لئے ہمارے لئے ان کے تجربات سے فائدہ اٹھانے میں کوئی مانع نہیں، اور یہ موالات کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ مصلحتوں کے تبادلہ کے قبیل سے ہے جس کی مسلمانوں کو ضرورت ہے۔

سوال: کچھ لوگ ہیں جو جزیرۂ عرب میں رہنے والے کافروں کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں اوراس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ وہ معاہدہ کے تحت نہیں ہیں، اوراس لئے بھی ان کی حکومت دہشت گردی کے نام پر مسلمانوں کو قتل کررہی ہے، کیا یہ فتویٰ صحیح ہے؟

جواب: یہ جاہلوں اور علم کے جھوٹے دعویداروں کا فتوی ہے، جو کفار عہد و پیمان کے ساتھ آئے ہیں اور امان کے ساتھ داخل ہوئے ہیں انہیں قتل کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ خیانت اور غداری ہے، ایسا کرنا جائز نہیں اگرچہ جزیرۂ عرب میں ہوں، ان کے لئے باہمی مصلحتوں کے لئے جزیرۂ عرب میں داخل ہونا جائز ہے، خواہ سفراء ہوں، یا تاجران ہوں، یا کام کرنے والے ہوں جو ایسے کرتے ہوں جنہیں دوسرے لوگ اچھی طرح نہیں کرسکتے، یہ تمام چیزیں جائز ہیں۔ ممنوع یہ ہے کہ کافر جزیرۂ عرب میں بسیں یا انہیں آباد ہونے دیا جائے' ورنہ جہاں تک رہا مسئلہ یہ کہ کسی معاملہ یا تعامل کے لئے وہ جریرۂ عرب میں داخل ہوں' اور پھر

نکل جائیں تو اس میں کوئی مانع نہیں، اور کافروں کو نکالنے اور انہیں بود و باش اختیار کرنے سے روکنے کا اختیار حاکم وقت کو ہے، یہ ہر ایک کا حق نہیں ہے، کیونکہ خطاب مسلم حکمرانوں کو ہے' وہیں انہیں نکالیں گے جب انہیں قدرت ہوگی۔

سوال: کیا جن کافروں نے مسلمانوں سے لڑائی کی ہے نہ انہیں اپنے گھروں سے نکالا ہے' ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا ان سے محبت اور ان کی مدد ہے، اور کیسے؟

جواب: اگر وہ ہمارے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے، ارشاد باری ہے: ﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ [الممتحنۃ: 8] جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یہ ان کی طرف سے اچھا برتاؤ ہے، اگر وہ ہمارے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے تو ہم بھی دنیوی امور میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے، اگر وہ تمہیں ہدیہ دے تو تم بھی اسے ہدیہ دو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافروں کا ہدیہ قبول کیا ہے، کیونکہ ہدیہ دنیوی تعامل کا حصہ ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال: کچھ لوگ کہتے ہیں: کافروں سے محبت اور ان کے مدد کی تین صورتیں ہیں:

ا۔ یہ کہ بالکل پورے طور پر اور مکمل ولایت و محبت ہو، یہ کفر ہے جو ملت سے خارج کر دینے والا ہے۔

۲۔ یہ کہ کسی خاص مصلحت کے حصول کے لئے ہو، کسی خوف وغیرہ نے اس کے لئے مجبور نہ کیا ہو، یہ حرام ہے کفر نہیں۔

۳۔ یہ کہ کافروں کے خوف و ڈر کے سبب ہو، اس کا حکم جواز کا ہے، بشرطیکہ یہ محبت ظاہر میں ہو باطن میں نہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ تقسیم صحیح ہے؟

جواب: محبت وولایت کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ کافروں سے ان کے دین کے لئے محبت رکھنا، یہ کفر ہے اس کا مرتکب دین سے خارج ہے۔

۲۔ کافروں سے اور ان کے دین سے بغض ونفرت رکھتے ہوئے کسی دنیوی لالچ کے سبب ان سے محبت رکھنا، یہ حرام ہے کفر نہیں۔

سوال: جو ہتھیار یا کسی اور چیز کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی مدد کرے' بایں طور کہ اسے مجبور کیا گیا ہو، یا اسے اپنی آبرو کا خطرہ لاحق ہو، تو کیا ایسا شخص بھی نواقض اسلام میں سے ایک ناقض کا مرتکب سمجھا جائے گا؟

جواب: یہ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں اگر مجبور کیا گیا ہو تو کمزور و بے بس لوگوں میں سے ہوگا، ﴿لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا﴾ [النساء:98] جنہیں نہ تو کسی چارۂ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم ہے۔

اگر اسے کسی چارۂ کار کی طاقت اور کسی راستے کا علم نہ ہو اور وہ مجبوراً کافروں کے ساتھ رہ جائے تو اللہ نے اسے معذور قرار دیا ہے، ارشاد ہے: ﴿فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا﴾ [النساء: 99] بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کرے، اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔

بشرطیکہ وہ کافروں سے اور ان کے دین سے نفرت کرنے والا ہو۔

سوال: کیا اللہ کی نازل کردہ کے علاوہ سے فیصلہ کرنا کفر اصغر ہے یا کفر اکبر؟ اور کتاب و

سنت سے اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب: یہ واضح مسئلہ ہے جسے علماء وائمہ کی تصریحات میں کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ جو اللہ کی نازل کردہ کے علاوہ سے اس عقیدہ کی بنا پر فیصلہ کرے کہ ایسا کرنا جائز ہے، یا یہ اللہ کے فیصلے سے بہتر ہے، یا اللہ کے فیصلہ کے برابر ہے، یا اسے اختیار ہے چاہے تو اللہ کے فیصلہ سے فیصلہ کرے اور چاہے تو اس کے علاوہ سے فیصلہ کرے، تو وہ بالا جماع کافر ہے۔

البتہ اگر یہ عقیدہ ہو اللہ کی شریعت سے فیصلہ کرنا واجب ہے، اور وہی حق ہے، اس کے علاوہ کا فیصلہ باطل ہے، لیکن وہ اس کے علاوہ سے فیصلہ رشوت کے لئے، یا کسی مسئلہ میں حصول رشوت یا مداہنت یا خواہش نفسانی کی غرض سے کسی مسئلہ میں جان بوجھ کر اللہ کے حکم کی مخالفت کیا ہو، اس کے سبب کرے' تو وہ گناہ کبیرہ ہے' اس سے دائرۂ اسلام سے خارج ہو کر کافر نہ ہوگا، کیونکہ وہ اس کی حرمت کا عقیدہ رکھتا ہے، نیز یہ کہ وہ خطا کار اور خلاف ورزی کرنے والا ہے، لہٰذا یہ گناہ کبیرہ ہوگا، اس مسئلہ میں یہی تفصیل ہے۔

سوال: کیا خوارج کو اہل قبلہ میں شمار کیا جائے گا؟ کیا ان کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ اہل قبلہ میں سے جن کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے اس کا کیا ضابطہ ہے؟

جواب: خوارج کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا وہ کافر ہیں، یا گمراہ فاسق ہیں؟ مسئلہ میں ان کے دو قول ہیں: اور کافر قرار دینے کا قول قریب تر ہے، کیونکہ دلائل ان کے کفر پر دلالت کرتے ہیں، رہا مسئلہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا تو ان کے کافر ہونے کی بنا پر ان کے پیچھے نماز جائز نہیں، ہاں اگر وہ کسی ملک پر جبراً قابض ہو جائیں، جیسا کہ فقہاء نے ذکر کیا ہے، تو مسلمان ان کے پیچھے نماز پڑھے گا[1]۔

---

[1] خوارج کی تکفیر کا موقف جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے: امام بخاری، قاضی ابو بکر، سبکی، قرطبی وغیرہ کا ہے، نیز صاحب الشفاء قاضی عیاض اور صاحب الروضۃ امام نووی سے بھی انہوں نے نقل کیا ہے۔ دیکھئے: فتح الباری: ۱۲/ ۳۰۰۔

سوال: جو حکمرانوں کو کافر قرار دے اور مسلمانوں سے ان حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنے کا مطالبہ کرے، کیا وہ خوارج میں سے ہے؟

جواب: یہی خوارج کا موقف ہے، اگر مسلم حکمرانوں کے خلاف بغاوت کا قائل ہو، اور اس سے بھی سنگین یہ کہ ان کی تکفیر کرے، تو یہی خوارج کا مذہب ہے۔

سوال: آج کل مسلم حکمرانوں کو اجمالی و تفصیلی طور پر کافر قرار دینے والوں کے بارے میں ہمارا کیا موقف ہونا چاہیے؟ کیا وہ خوارج ہیں؟ رہنمائی فرمائیں، اللہ آپ کو برکت دے اور جزائے خیر سے نوازے۔

جواب: جو مسلم حکمرانوں کی تکفیر کرتے ہیں وہ خوارج میں سے ہیں۔

دسواں درس؛ نویں ناقض کی شرح

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”نواں ناقض: جو یہ عقیدہ رکھے کہ کچھ لوگوں کو شریعت محمدیہ سے نکلنے کی گنجائش ہے جیسے خضر علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے نکلنے کی گنجائش تھی، تو وہ کافر ہے“۔

شرح:

اس میں شک نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرب وعجم، اہل کتاب، ان پڑھ، اور جنات وانسان سمیت تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، اور جن وانس پر مشتمل تمام مخلوق پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کو واجب قرار دیا ہے، اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ”وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً“[1]۔ پہلے نبی کو خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، اور مجھے سارے لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ [سبأ: 28] ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

نیز ارشاد ہے: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ [الأعراف: 158] آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں، جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور

---

[1] صحیح البخاری: ۳۳۵، مسلم: ۵۲۱، بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔

زمین میں ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو تاکہ تم راہ پر آجاؤ۔

اور یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [الأعراف: 157] جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر واجب قرار دیا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کریں، ان کی مدد کریں اور ان کا ادب واحترام کریں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: **"لَا يَسْمَعُ بِي يَهُودِيٌّ، وَلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمّ لَا يُؤْمِنْ بي وبِالَّذِي جئت بِهِ، إِلَّا دخل النَّارَ"**[1]۔ جو بھی یہودی یا نصرانی میرے بارے میں سنے گا پھر مجھ پر اور جو کچھ میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان نہیں لائے گا، وہ جہنمی ہوگا۔

---

[1] اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کے کچھ اوراق دیکھے تو ان پر نکیر کیا اور فرمایا: ”أمتهوكون يا ابن الخطاب، لوكان أخي موسى حياً ما وسعه إلا اتباعي“۔ اے ابن الخطاب کیا تم بہک رہے ہو، اگر میرے بھائی موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میرے اتباع کے سوائی کوئی چارا نہ ہوتا۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہم اللہ کو رب مان کر، اسلام کو دین مان کر اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی اور رسول مان کر راضی ہوئے“[1]۔

اور اللہ عزوجل نے انبیاء علیہم السلام سے عہد و پیمان لیا تھا کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوں اور ان میں سے کوئی باحیات ہو تو وہ اس کی اتباع کرے، ارشاد باری ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ﴾ [آل عمران:81-83]۔

چنانچہ اس بات پر دلائل واضح ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت عام ہے اور آپ کا دین تمام ادیان کا ناسخ ہے، نیز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کے لائے ہوئے دین اسلام کے علاوہ کوئی دین باقی نہ رہے گا، اور اسی لئے جب آخری زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کریں گے اور اسلامی شریعت کا فیصلہ نافذ کریں گے، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار ہوں گے، بنا بریں جن وانس میں سے کسی کو بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت سے نکلنے کی گنجائش نہیں ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا

---

① مسند احمد:۱۵۱۵۶، والسنۃ لابن ابی عاصم:۵۰، ومصنف عبدالرزاق:۱۰۱۶۴، والجامع لابن عبدالبر:۱۴۹۷۔

﴿فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَى قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ۝ قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَمَن لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءُ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ [الأحقاف:29-32] اور یاد کرو! جبکہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں، پس جب (نبی کے) پاس پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے خاموش ہو جاؤ، پھر جب پڑھ کر ختم ہو گیا تو اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لئے واپس لوٹ گئے۔ کہنے لگے اے ہماری قوم! ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو سچے دین کی اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کے بلانے والے کا کہا مانو، اس پر ایمان لاؤ، تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں المناک عذاب سے پناہ دے گا۔ اور جو شخص اللہ کے بلانے والے کا کہا نہ مانے گا پس وہ زمین میں کہیں (بھاگ کر اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتا، نہ اللہ کے سوا اور کوئی اس کے مددگار ہوں گے، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

نیز ارشاد ہے: ﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا﴾ [الجن:1] (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیں کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا اور کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے۔

چنانچہ سورۃ الجن میں جنوں کی طرف رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے عموم کا ذکر ہے، آپ ﷺ کی رسالت جن وانس کو عام ہے، تمام جن وانس پر آپ کی اطاعت واجب ہے، اور جو آپ کی بات نہیں مانے گا اور آپ کی اتباع نہیں کرے گا، وہ قطعی طور پر جہنمی ہوگا، کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا کافر ہے، اس لئے جو لوگ کہتے ہیں کہ کسی کو محمد ﷺ کی

شریعت سے نکلنے کی گنجائش ہے اور اس پر موسیٰ کے ساتھ خضر علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں' تو خضر علیہ السلام کے واقعہ میں جیسا کہ اللہ نے سورۃ الکہف میں ذکر کیا ہے یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے، تو انہوں نے آپ سے پوچھا: کیا روئے زمین پر کوئی آپ سے بھی زیادہ علم والا موجود ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ تو اللہ نے فرمایا: فلاں فلاں جگہ میرا ایک بندہ موجود ہے جس کے پاس وہ علم ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اس بندہ کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے تشریف لے گئے، اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا﴾ [الکھف:60] جب کہ موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ میں تو چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچوں، خواہ مجھے سالہا سال چلنا پڑے۔

یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام اس سرزمین میں پہنچے جہاں خضر علیہ السلام تھے، اور فرمایا: ﴿هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ [الکھف:66] اس سے موسیٰ نے کہا کہ میں آپ کی تابعداری کروں؟ کہ آپ مجھے اس نیک علم کو سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔

اور وہ کسی سختی کے بغیر نرمی سے ان سے پوچھتے رہے، اور شاگرد کو استاذ کے ساتھ باآدب ہونا ہی چاہئے ﴿هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ [الکھف:66،67] اس سے موسیٰ نے کہا کہ میں آپ کی تابعداری کروں؟ کہ آپ مجھے اس نیک علم کو سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔

یہاں تک واقعہ مکمل ہوا، جسمیں کشتی میں سوراخ کرنے، بچے کو قتل کرنے اور دیوار بنانے کا ذکر ہے، موسیٰ علیہ السلام ان واقعات سے بڑے متعجب ہوئے، کیونکہ انہیں اس کے اسباب کا علم نہ تھا، بہر کیف خضر علیہ السلام نے انہیں بتلایا کہ یہ تمام کام انہوں نے کیوں کیا،

اور یہ کہ سب اللہ کے حکم سے تھا، اور فرمایا: ﴿وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي﴾ [الکھف:82] میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا۔

بلکہ یہ سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے ہے، اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

" إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَّمَنِيهِ لاَ تَعْلَمُهُ أَنْتَ. وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ لاَ أَعْلَمُهُ"[1]۔ مجھے کچھ ایسی باتوں کا علم ہے جسے اللہ نے مجھے سکھایا ہے اسے آپ نہیں جانتے ہیں، اور آپ کو کچھ ایسی باتوں کا علم ہے جسے اللہ نے مجھے سکھایا ہے اسے میں نہیں جانتا ہوں۔

● **خضر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا وہ نبی ہیں یا ولی؟ دو اقوال ہیں:**

① **پہلا قول:** وہ نبی ہیں، کیونکہ یہ خلاف عادت معجزات نبی ہی پر ظاہر ہو سکتے ہیں۔

② **دوسرا قول:** وہ نبی نہیں ولی ہیں، اور یہ ساری چیزیں اولیاء کی کرامتوں کا حصہ ہیں، معجزات نہیں ہیں، کیونکہ اولیاء کے ہاتھوں پر بھی کرامتیں اور خلاف عادت واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔

اسی طرح یہ بھی اختلافی مسئلہ ہے کہ خضر زندہ ہیں یا ان کی موت ہو چکی ہے؟

صحیح احادیث سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خضر کی موت ہو چکی ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ﴾ [الأنبیاء: 34] آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہمیشگی نہیں دی، کیا اگر آپ مر گئے تو وہ ہمیشہ کے لئے رہ جائیں گے۔

اللہ عزوجل نے یہ بتلایا ہے کہ اس مخلوق میں سے کسی کے لئے دوام و بقا نہیں ہے، ساری

---

① صحیح البخاری: ۷۴، ومسلم: ۲۳۸۰، بروایت ابن عباس عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔

مخلوق کو موت آنی ہے۔ ﴿كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ﴾ [الرحمن:26] زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں۔

اور خضر علیہ السلام بھی اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے ہیں، بنی آدم میں سے ہیں، دوسروں کی طرح انہیں بھی فنا ہونا ہے۔ نیز اگر وہ زندہ ہوتے تو انہیں اس کے سوا کوئی چارا نہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ کی اتباع کریں، اس لئے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، لہٰذا اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت زندہ ہوتے تو آپ کے پاس ضرور آ کر آپ کی اتباع کرتے، اور اس بات کا ذکر کہیں نہیں ملتا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے ہوں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی موت ہو چکی ہے، اور یہی حق بات بھی ہے، اور جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ زندہ ہیں اس کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔

اور عجیب بات تو یہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک رسالہ ہے، جس میں ہے کہ خضر زندہ ہیں، اور وہ رسالہ غلطی سے مجموع الرسائل میں [1] مطبوع بھی ہے، جبکہ ایک دوسرا رسالہ ہے جس میں خضر علیہ السلام کی زندگی کی نفی ہے، اور وہ بھی مجموع الرسائل میں مطبوع ہے [2]۔

چنانچہ خضر کی زندگی کے سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب یہ رسالہ صحیح نہیں ہے، اور اگر (بالفرض) صحیح بھی ہو تو اعتماد ان کے دوسرے رسالہ پر کیا جائے گا جس میں انہوں نے دلائل بھی بیان فرمائے ہیں، اور اگر کسی انسان کے دو قول ہوں ایک دلائل کے موافق ہو اور دوسرا دلائل کے خلاف، تو اس کا دلائل کے موافق قول لیا جائے گا۔

---

① مجموع فتاوی ۴/ ۳۳۸، اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہوا ہے: یہ رسالہ اسی طرح ملا ہے۔

② مجموع فتاوی: ۴/ ۳۳۷۔

● خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کیوں نہیں کی؟

جواب: یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت عام نہیں تھی، بلکہ آپ کی رسالت بنی اسرائیل کے لئے خاص تھی، آپ تمام لوگوں کی طرف مبعوث نہیں کئے گئے تھے، چنانچہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر دیگر انبیاء کی طرح تھے، جن کی رسالتیں ان کی قوموں کے لئے خاص تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً"[1]۔

پہلے نبی کو خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، اور مجھے سارے لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

تو موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے، سارے لوگوں کی طرف نہیں بھیجے گئے تھے۔

اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے نکل گئے تھے، کیونکہ دراصل وہ موسیٰ علیہ السلام کی امت میں تھے ہی نہیں' کہ کہا جائے: نکل گئے۔

● محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت سے نکلنے کی کئی قسمیں ہیں:

کچھ قسمیں کفر ہیں، اور کچھ کفر سے کمتر گمراہی ہیں۔

اور کچھ مکمل خروج ہیں، کچھ جزئی خروج ہیں، چنانچہ جو شریعت سے یا شریعت کے بعض حصہ سے نکل جائے گا اور اسے حلال سمجھے گا وہ کافر ہو جائے گا، اور جو نکلے گا لیکن نکلنے کو حلال نہیں سمجھے گا وہ گمراہ ہوگا کافر نہیں ہوگا۔

ایسے لوگ موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں کو شریعت محمدیہ سے نکلنے کی گنجائش ہے

---

[1] اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

جیسے خضر علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے نکلنے کی گنجائش تھی'، یہ غالی صوفیاء ہیں، چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ: صوفی جب اللہ کی معرفت کے ایک مرتبہ پر فائز ہوجاتا ہے تو اسے رسول کی حاجت نہیں رہتی! کیونکہ وہ اللہ تک پہنچ چکا ہے، اور رسول کو عوام الناس کے لئے بھیجا گیا ہے، یہ خواص ہیں اور اللہ تک پہنچ چکے ہیں لٰہذا انہیں رسول کی حاجت نہیں ہے!!

نیز کہتے ہیں: یقیناً ہم اپنا علم اللہ تعالیٰ سے براہ راست لیتے ہیں، اور تم اپنا علم مردوں سے لیتے ہو، مردہ مردہ سے روایت کرتا ہے۔ان کی مراد احادیث اور سندیں ہیں۔لیکن ہم بلا واسطہ اللہ سے لیتے ہیں! وہ ایسا کہتے ہیں؟

بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ: شرعی احکام کی پابندی ان سے ساقط ہوجاتی ہے کیونکہ وہ اللہ تک پہنچ چکے ہیں؛ بنابریں وہ نماز پڑھتے ہیں نہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں، عبادت ان کے یہاں محض عوام الناس کے لئے ہے، اسی طرح ان پر کوئی چیز حرام نہیں ہے، اوامر ونواہی اور حلال وحرام ان کے نزدیک عوام کے لئے ہیں جو اللہ تک نہیں پہنچے ہیں، لیکن چونکہ وہ پہنچ چکے ہیں اس لئے ان کے حق میں حلال وحرام کی کوئی پابندی نہیں ہے، اسی لئے وہ زنا کاری، اغلام بازی اور دیگر محرمات کو مباح سمجھتے ہیں۔

نیز یہ کہتے ہیں: ہم پر کسی حرام کی پابندی نہیں ہے کیونکہ ہم ایک مقصد تک پہنچ چکے ہیں جو ہمیں پابندئ شریعت کے دائرہ سے خارج کردیتا ہے، اور حقیقت میں ان کی بات سچ ہے کیونکہ وہ پابندئ شرع کے دائرہ سے نکل کر پاگلوں کے دائرہ میں جا چکے ہیں، کیونکہ جو اس حد کو پہنچ جاتا ہے وہ پاگل ہی ہے اس پر کوئی پابندی نہیں ہے، البتہ یہ کہ چونکہ پہنچ چکے ہیں اس لئے ان پر اللہ کی جانب سے شریعت کا کوئی حکم لاگو نہیں ہے' تو یہ اللہ تعالیٰ پر سراسر جھوٹ اور اس کی رسالتوں کا کفر ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت سے نکلنے کی گنجائش کسی کو بھی نہیں ہے خواہ وہ عبادت اور اللہ کی بابت علم ومعرفت کے کتنے ہی اونچے مقام پر فائز

ہوجائے، بلکہ اس کا علم جتنا ہی زیادہ ہوگا اس کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع بھی بڑھتی جائے گی، چنانچہ دیگر کم علموں کی بہ نسبت اس پر اطاعت و اتباع اور زیادہ واجب ہوگی، شیخ رحمہ اللہ کے قول ''جس کا یہ گمان ہو کہ اسے شریعت محمدیہ سے نکلنے کی گنجائش ہے'' کا یہی معنیٰ ہے، چنانچہ جس کا ایسا خیال ہو وہ دین اسلام سے مرتد ہے، کیونکہ اس نے قرآن کریم اور رسول ﷺ کا کفر کیا ہے، لہٰذا ایسا شخص بالاجماع کافر ہے۔ اور غالی صوفیا۔ جو آج بکثرت ہیں۔ کی کتابوں میں اس قسم کی خرافات، اکاذیب اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جرأت بکثرت موجود ہیں، اہل علم نے ان کی تردید فرمائی ہے اور ان کے شبہات اور بکواس کو بے نقاب کیا ہے، اور سب سے ٹھوس رد شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد امام ابن القیم رحمہما اللہ نے فرمایا ہے، اسی طرح معاصر علماء کی ایک جماعت نے بھی ان کی تردید فرمائی ہے، جیسے عبد الرحمن الوکیل رحمہ اللہ، چنانچہ اس سلسلہ میں ''مصرع التصوف'' نامی ان کی ایک کتاب ہے۔

یہ ناقض علمانیوں (سیکولرزم کے قائلین) کو بھی شامل ہے جو دین کو حکومت سے جدا کرنے کے قائل ہیں، نیز یہ کہ دین اور عبادات مساجد میں ہوتی ہیں، رہے معاملات اور ان کے احکام اور سیاسی مسائل تو یہ رسول ﷺ کے دین میں داخل نہیں ہیں بلکہ لوگ خود ہی اس میں فیصلہ کریں گے، یہ علمانیوں کا کہنا ہے۔ نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں: کہ دین اللہ کا ہے اور وطن سب کا ہے، یہ لوگ غالی صوفیوں کے طبقہ میں شامل ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کسی کو شریعت محمدیہ سے نکلنے کی گنجائش ہے، اسی طرح علمانی حضرات کہتے ہیں کہ کسی کے لئے سیاست اور معاملات میں شریعت محمدیہ سے نکلنے کی گنجائش ہے!!

اسی طرح علماء کلام اور منطق کا بھی اس ناقض میں حصہ ہے جو عقائد کو کتاب وسنت کے دلائل سے خارج کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کتاب وسنت کے دلائل سمعی ہیں ظن وگمان کا

فائدہ پہنچاتے ہیں، جبکہ عقلی دلائل یقینی ہیں یقین کا فائدہ پہنچاتے ہیں، اور عقائد پر کتاب و سنت کے دلائل سے استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ ظنی دلائل ہیں، اس کے برخلاف علم کلام ومنطق کے دلائل ان کے نزدیک یقینی دلائل ہیں، اسی لئے آپ دیکھیں گے ان کے عقائد علم کلام، حجت وتکرار اور علم منطق پر مبنی ہوتے ہیں، یہ لوگ کسی آیت یا نبی کریم ﷺ کی کسی حدیث سے استدلال نہیں کرتے ہیں، چنانچہ یہ عقیدہ جیسی اہم ترین چیز میں نبی کریم ﷺ کی شریعت سے خروج ہے۔

جبکہ مسلمان پر واجب ہے کہ آداب، عقائد، معاملات، اخلاق اور تمام امور میں کتاب وسنت کی اتباع کرے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی رسالت تا قیامت ہر زمان ومکان کو شامل اور اس کے لائق ومناسب ہے، اس لئے کہ جس نے اسے اتارا ہے وہ اللہ غالب وحکمت والے کی ذات بابرکات ہے جو جانتا ہے کہ یہ تا قیامت ہر وقت کے لائق ومناسب ہے، چنانچہ یہ شریعت حکمت والے قابل تعریف وستائش رب کی جانب سے نازل کردہ ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ۝ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ [فصلت: 41،42] یہ بڑی باوقعت کتاب ہے، جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ ہے نازل کردہ حکمتوں والے خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے۔

لہٰذا یہ شریعت ہر زمان ومکان کو شامل اور اس کے لائق ہے، مسلمان کے لئے اس سے نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

اسی طرح اس ناقض میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو کہتے ہیں کہ: شریعت اسلامیہ زمانۂ ماضی کے لئے ہے، رہا دور حاضر تو شریعت اس کے لائق نہیں ہے، کیونکہ نئے نئے معاملات اور مسائل پیدا ہو چکے ہیں جن کو شریعت شامل نہیں ہوتی، اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے نزدیک

شریعت ناقص ہے حکمت والے قابل حمد وثنا رب کی جانب سے نہیں ہے، اوراس میں شک نہیں کہ ایسا کہنے والا کافر ہے، اور یہ بھی ان میں شامل ہے جن کا کہنا ہے کہ کسی کو شریعت محمدیہ سے نکلنے کی گنجائش ہے، اور یہ کہتا ہے کہ: شریعت اسلامیہ اس زمانہ پر منطبق نہیں ہوتی بلکہ زمانۂ ماضی پر منطبق ہوتی ہے، اور ایسا کہنے والوں کی بکثرت ہیں۔ جبکہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "**لایصلح آخر هذه الأمة إلا ما أصلح أولها**"[1]۔ اس امت کے آخر کی اصلاح وہی چیز کرسکتی ہے جس نے اس کے اول کی اصلاح کی تھی۔

اور جس چیز سے اس کے اول کی اصلاح ہوئی تھی وہ کتاب وسنت ہیں، لہٰذا اس کے آخر کی اصلاح بھی کتاب وسنت ہی سے ہوگی، لہٰذا شریعت اسلامیہ تاقیامت ہر زمان ومکان کے لائق ہے، اسے نقص وکمی کے عیب سے متہم نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کمال کا فیصلہ فرمایا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلۡإِسۡلَٰمَ دِينٗا﴾[المائدة:3] آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کردیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہوگیا۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک جب دین مکمل اور شامل ہو چکا، اور اس کے کمال میں یہ بھی ہے کہ وہ ہر زمان ومکان کے لائق ہے، اور اگر ہر زمان ومکان کے لائق نہ ہوتا تو کامل نہ ہوتا بلکہ ناقص ہوجاتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کے کمال کی شہادت دی ہے اور یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ نہ وہ کامل ہے نہ اس دور کے لائق ہے۔

اسی طرح اس میں وہ بھی داخل ہے جو دین میں کوئی بدعت ایجاد کرے، یا نئی نئی بات

---

[1] اس آثر کو ابن عبد البر نے: التمہید: ۱۵/ ۲۹۲ طبع الفاروق، میں امام مالک سے بسند صحیح روایت کیا ہے فرماتے ہیں: وہب بن کیسان ہمارے پاس بیٹھا کرتے تھے اور یہ کہے بغیر کبھی نہ اٹھتے تھے: جان لو کہ اس امت کے آخر کی اصلاح وہی چیز کرسکتی ہے جس نے اس کے اول کی اصلاح کی تھی۔

نکالے، جس کے بارے میں اس کا گمان ہو کہ وہ بہتر اور اللہ عزوجل کی قربت کا ذریعہ ہے، یہ بھی شریعت محمدیہ سے خروج کی ایک قسم ہے، کیونکہ انہیں اللہ کی مشروع کردہ باتیں کافی نہ ہوئیں اس لئے انہوں نے نئے نئے اضافے کئے، اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ دین مکمل نہیں ہے، اس میں نئے اضافوں کی ضرورت ہے، اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ''[1]۔ جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں، وہ مردود ہے۔

نیز ارشاد ہے: ''مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ''[2]۔ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں، تو وہ مردود ہے۔

اسی طرح ارشاد ہے: ''وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ''[3]۔ اور نئی نئی باتوں سے بچو، کیونکہ ہر نئی ایجاد کردہ بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

چنانچہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خروج ان تمام قسموں کو شامل ہے، البتہ بعض قسمیں بعض سے زیادہ سخت اور سنگین تر ہیں، چنانچہ بعض قسمیں کفر وارتداد ہیں، اور بعض کفر سے کمتر گمراہی ہیں، چنانچہ صوفیوں کے گروگھنٹال شریعت محمدیہ سے خروج کی جس قسم میں ہیں وہ صریح کفر ہے۔

اسی طرح جو کچھ چیزوں میں ان کی مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی کے بقدر شریعت محمدیہ سے نکل جائے گا۔ اس لئے مسلمان پر واجب ہے کہ کتاب وسنت کی پابندی کرے اور یہ

---

① اس کی تخریج گزر چکی ہے۔
② اس کی بھی تخریج گزر چکی ہے۔
③ اس کی بھی تخریج گزر چکی ہے۔

عقیدہ رکھے کہ کتاب وسنت کامل، شامل اور ہر زمان ومکان کے لائق ہیں، اسے اس میں کبھی بھی ادنیٰ شک یا تردد نہیں ہونا چاہئے۔

ہاں، اتنا ضرور ہے کہ بعض چیزیں بعض لوگوں سے پوشیدہ رہ جاتی ہیں جس کا حکم انہیں کتاب وسنت میں نہیں ملتا ہے، یہ ان کے فہم کی کمی کے سبب ہوتا ہے، نہ کہ کتاب وسنت میں کمی کے باعث، ورنہ اگر ان کے پاس صحیح علم اور گہری بصیرت ہو تو وہ پائیں گے کہ کتاب و سنت تاقیامت انسانیت کی تمام ضرورتوں پر مشتمل اور محیط ہیں، اور جو یہ چیز نہ پائے اسے چاہئے کہ اپنے علم وفہم کو الزام دے، کتاب وسنت کو متہم کر کے نہ کہے کہ: اس میں فلاں فلاں چیزیں شامل نہیں ہیں۔

پھر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ عادات اور مباح امور بدعت ایجاد کرنے میں شامل نہیں ہوتیں، جیسے کام کاج، پیشے اور کاریگریاں، اور کتاب وسنت میں ایسے دلائل موجود ہیں جو ان امور کو شامل ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ﴾[الجاثية:13] اور آسمان وزمین کی ہر ہر چیز کو بھی اس نے اپنی طرف سے تمہارے لیے تابع کر دیا ہے۔

حتیٰ کہ مباح امور، جدید اختراعات، نئی ایجادات اور کاریگریوں کو بھی کتاب وسنت شامل ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دنیوی امور، انہیں اپنانے، ان سے فائدہ اٹھانے اور ان سے مدد لینے کی طرف توجہ دلائی ہے، لیکن بسا اوقات لوگوں کی سمجھ بوجھ اور ان کے مذاہب اس سے قاصر رہ جاتے ہیں، یہ دراصل لوگوں کے علم وادراک کا عیب ونقص ہے، ورنہ کتاب وسنت کامل، شامل، ہر زمان ومکان کے لائق اور تمام جن وانس کے لئے عام ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کی شریعت سے نکلنے کی گنجائش کسی کو نہیں ہے خواہ کوئی بھی ہو، لیکن اگر کوئی پورے طور پر نکل جائے تو وہ کافر ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

”لَا يَسْمَعُ بِي يَهُودِيٌّ، وَلَا نَصْرَانِيٌّ،ولم يُؤْمِنْ بي ، إِلَّا دخل النَّارَ“[1]۔جوبھی یہودی یا نصرانی میرے بارے میں سنے پھر مجھ پر ایمان نہ لائے، وہ جہنمی ہوگا۔

اور اگر یہ بات اہل کتاب کے بارے میں ہے تو دیگر لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ کیونکہ سابق کتاب منسوخ ہوکر ختم ہوگئی، اس لئے کہ اس کتاب (قرآن کریم) نے سابقہ تمام کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت نے تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے، اور شریعتیں وقتی ہوتی ہیں اللہ عزوجل ہر امت کے لئے اس کے مناسب، اور اس دور کے لائق چیزیں مشروع فرماتا ہے، اللہ کا ارشاد ہے: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾[المائدۃ:48] تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ہر امت کے لئے جو اس دور میں ان کے لئے مناسب ہوتا تھا' مشروع فرماتا تھا، پھر وہ چیز دوسری شریعت سے ختم ہوجاتی تھی، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قیامت تک کے لئے شریعت اسلامیہ آئی، جو تمام زمانوں کے لئے عام ہے، تمام مکانوں کے لئے عام ہے، اور تا قیامت تمام بندگان الٰہی کے لئے عام ہے، اس میں کسی قسم کے تغیر وتبدیلی کا کوئی امکان نہیں، لہٰذا جس نے گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاص عربوں کے لئے بھیجے گئے ہیں، جیسا کہ عیسائیوں کا ایک طبقہ کہتا ہے، تو وہ اللہ کا کفر کرنے والا ہے، چنانچہ بعض نصرانی کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی جانب سے رسول ضرور ہیں لیکن آپ کی رسالت صرف عربوں کے لئے ہے، یہ بھی اللہ کا کفر کرنے والا ہے کیونکہ یہ رسالت کے عموم کا منکر ہے، اور اسی لئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا ہے، ارشاد باری ہے:

---

[1] اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ [الاحزاب 40] (لوگو) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے۔

اور خاتم وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "سيكون بعدي كذابون ثلاثون كلهم يدعي أنه نبي، وأنا خاتم النبيين لا نبي بعدي"[1]۔ میرے بعد تیس جھوٹے پیدا ہوں گے، ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے، جبکہ میں نبیوں کا خاتم ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

لہٰذا اب لوگوں کو کسی نبی کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ نبی لوگوں کی ضرورت کے لئے بھیجا جاتا تھا اور اللہ نے انہیں کتاب وسنت کے ذریعہ بے نیاز کر دیا ہے جو قیامت تک ہمیشہ رہیں گے، لہٰذا انہیں شریعت محمدیہ کے علاوہ اب کسی نبی یا شریعت کی ضرورت نہیں ہے، اور اب قیامت تک کی ساری مدت شریعت اسلامیہ سے بھری رہے گی، جبکہ دیگر انبیاء کی شریعتوں پر ان کے زمانوں میں عمل کیا جاتا تھا، ہر شریعت پر اپنے دور میں عمل ہوتا تھا، وہ شریعت اس سے متجاوز نہیں ہوسکتی ہے، لیکن اس شریعت کا زمانہ یہ ہے جو بڑا وسیع ہے' بعثت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیامت تک پھیلا ہوا ہے، لہٰذا یہ بے نیاز شریعت ہے اس کے احکام اور قرآن وسنت میں تجدد اور تازگی ہے، اب بشریت کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی رسول کی ضرورت ہے نہ قرآن کریم کے بعد کسی کتاب کی اور نہ شریعت محمدیہ کے بعد کسی شریعت کی ضرورت ہے، اسی لئے جو نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا اور جو اس کی تصدیق کرے گا' وہ کافر اور دین اسلام سے مرتد ہوجائے گا، اور اللہ' اس کے رسول اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے عموم پر قائم مسلمانوں کے

---

[1] مسند احمد: ۲۷۸/۵، وسنن الترمذی: ۲۲۱۹، وسنن أبی داود: ۴۲۵۲، وسنن ابن ماجہ: ۳۹۵۲، ومستدرک الحاکم: ۴۴۹/۴، اور انہوں نے شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے، اور امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اجماع کا جھٹلانے والا ہوگا، لہٰذا کسی کو بھی شریعت محمدیہ سے نکلنے کی گنجائش نہیں ہے خواہ کوئی بھی ہو۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر عمل کی توفیق بخشے اور ہمیں ضلالت وگمرہی کی راہ سے بچائے۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

سوالات وجوابات

سوال: کیا شریعت محمدیہ سے نکلنے کا دعویٰ کرنے والا مدعیٔ نبوت قرار پائے گا اور اس کے سبب وہ کافر ہوجائے گا؟

جواب: شریعت سے نکلنے والا ہر شخص مدعیٔ نبوت نہیں ہوتا، البتہ جو عبادت سے نکلنے کا دعویٰ کرے اور اس کا خیال ہو کہ اس پر طریقۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اللہ کی عبادت کرنا لازم نہیں ہے، جیسے صوفیاء حضرات کہتے ہیں کہ ہمیں رسول کی ضرورت نہیں ہے، ہم پہنچ چکے ہیں اور ہمیں معرفت حاصل ہوچکی ہے، اور جو رسالت ونبوت کا انکار کرے وہ دوسری قسم ہے، لیکن جس کا دعویٰ ہو کہ اس کے لئے شریعت سے نکلنے کی گنجائش ہے، وہ کافر ہوجائے گا گرچہ نبوت کا دعویٰ نہ کرے۔

سوال: کیا جسے اس بات میں شک ہو کہ کچھ لوگوں کو شریعت محمدیہ سے نکلنے کی گنجائش ہے، اس کا بھی حکم وہی ہے جس کا یہ عقیدہ ہو؟

جواب: جی ہاں جسے شریعت محمدیہ سے نکلنے کے عدم جواز میں شک ہو وہ محض شک اور تردد کے سبب کافر ہوجائے گا۔

❁❁❁

گیارہواں درس؛ دسویں ناقض کی شرح

مصنف رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اسلام کو ڈھا دینے والا دسواں کام:

”جو اللہ کے دین سے اعراض کرے؛ نہ اسے سیکھے اور نہ اس پر عمل کرے (وہ بھی کافر ہے)، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ﴾ [السجدة:22] اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے وعظ کیا گیا پھر بھی اس نے ان سے منہ پھیر لیا (یقین مانو) کہ ہم بھی گناہ گار سے انتقام لینے والے ہیں“۔

شرح:

دین سے اِعراض اور روگردانی کفر ہے، اس پر بہت سی آیتیں دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنْذِرُوا مُعْرِضُونَ﴾ [الأحقاف:3] اور کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں۔

نیز فرمایا: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ﴾ [الكهف:57] اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے وہ پھر بھی منہ موڑے رہے اور جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھا ہے اسے بھول جائے۔

نیز فرمایا: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا﴾ [النساء:61] ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف آؤ تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ منافق آپ سے منہ پھیر کر رکے جاتے ہیں۔

نیز فرمایا: ﴿وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ﴾ [الزخرف :36] اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے غفلت کرے ہم اس پر شیطان مقرر کردیتے ہیں وہی اس کا ساتھی رہتا ہے۔

نیز فرمایا: ﴿وَمَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا﴾ [الجن :17] اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیر لے گا تو اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

نیز فرمایا: ﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۝ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا ۝ قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ﴾ [طہ:123-126] اب تمہارے پاس جب کبھی میری طرف سے ہدایت پہنچے تو میری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بہکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا، اور (ہاں) جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی، اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے، وہ کہے گا کہ الٰہی! مجھے تو نے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو دیکھتا بھالتا تھا، (جواب ملے گا کہ) اسی طرح ہونا چاہیے تھا تو میری آئی ہوئی آیتوں کو بھول گیا تو آج تو بھی بھلا دیا جاتا ہے۔

نیز فرمایا: ﴿وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ﴾ [التوبۃ :127] جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں پھر چل دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا دل پھیر دیا اس وجہ سے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں۔

نیز فرمایا: ﴿لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ

الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[النور:63] تم اللہ تعالیٰ کے نبی کے بلانے کو ایسا بلاوا نہ کرلو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے سے ہوتا ہے تم میں سے انھیں اللہ خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر چپکے سے سرک جاتے ہیں، سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انھیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انھیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مختلف دھمکیوں کے ذریعہ اپنے ذکر سے اعراض کرنے والوں کو ڈرایا ہے، اعراض کی صورت یہ ہے کہ قرآن وسنت کو نہ سیکھا جائے اور نہ ہی ان پر عمل کیا جائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو علم نافع کے حصول اور اس پر عمل کی رغبت دلائی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾[التوبۃ:122] اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں، ڈرائیں تاکہ وہ ڈر جائیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّين"[1].

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی سمجھ دے دیتا ہے۔

سو دین میں تفقہ اور سمجھ اور علم نافع کا حصول اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں مشغول شخص کے لئے خیر چاہتا ہے، اور تفقہ فی الدین سے اعراض شر کی علامت ہے۔

---

① صحیح البخاری: ۷۱، صحیح مسلم: ۱۰۳۷۔

● حصولِ علم دو طرح کا ہے:

① **فرض عین:** وہ علم جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس میں کسی کی جہالت قابلِ عذر نہیں ہوگی، وہ ایسا علم ہے جس کے بغیر بندے کا دین درست نہیں رہ سکتا، یعنی اسی علم کے ذریعہ عقیدۂ صحیحہ اور اس کے مخالف امور کی معرفت، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، عمرہ؛ ارکان خمسہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، لہذا ان امور کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر ضروری ہے، ورنہ ان احکام کو جانے بغیر مشروع طریقے پر عمل کیسے کر سکتا ہے؟

② **فرض کفایہ:** وہ علم جس کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض نہیں، صرف اس پر واجب ہوگا جو اس کی استطاعت رکھتا ہو، اس سے مراد وہ علم ہے جس کا تعلق بقیہ ابوابِ علم سے ہے، جیسے: معاملات، میراث، نکاح اور حدود وغیرہ کا علم، ان مسائل کا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے؛ یعنی کچھ لوگ سیکھ لیں تو تمام لوگوں کی طرف سے فرضیت ساقط ہو جائے گی، لیکن باقی لوگوں کے لئے اس کا سیکھنا افضل ترین سنتوں میں سے ہوگا۔ چونکہ ان مسائل کا سیکھنا ہر ایک کے لئے آسان نہیں، اس لئے یہ مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔

"**الاعراض**" اعراض کا معنی یہ کہ کسی چیز سے اعراض کرتے ہوئے منہ موڑ لیا جائے۔

"**لا یتعلمه**" اس کا معنی یہ ہے کہ قدرت کے باوجود دین سے اعراض کرتے ہوئے اسے نا سیکھا جائے، لہذا اگر کوئی دین سے اعراض کرتے ہوئے بنیادی تعلیم نہ سیکھے تو وہ کافر ہو جائے گا، کیونکہ وہ دین نہیں چاہتا، اگر اس کے دل میں دینی رغبت ہوتی تو اسے ضرور حاصل کرتا، آج کل ایسے ہی قسم کے لوگ یہ آواز لگاتے پھرتے ہیں کہ مدارس کے نصاب سے دینی علوم کو خارج کر دیا جائے، کیونکہ ان کے گمان کے مطابق دینی علوم ہی نوجوانوں میں تشدد، غلو اور دہشت گردی وغیرہ کی بیج بوتا ہے۔

اسی طرح جو شخص علم تو حاصل کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے (بالکلیہ عمل ترک کردے) تو وہ بھی کافر و مرد ہو جائے گا، کیونکہ جو شخص نہ نماز پڑھے، نہ روزہ رکھے، نہ زکوٰۃ کی ادائیگی کرے، نہ حج کرے، اور نہ ہی دین اسلام کے دیگر شعائر کی پابندی کرے اسے دینی عمل میں کوئی دلچسپی نہیں، سو ایسا شخص کافر ہے۔

اس میں فرقۂ مرجیہ کے اس قول کا رد بھی ہے کہ ''ایمان میں داخل ہونے کے لئے عمل شرط نہیں، بلکہ دل سے اعتقاد و تصدیق ہی کافی ہے''۔

چنانچہ مؤلف رحمہ اللہ یہاں کہتے ہیں: ''ولا يعمل به'' یعنی جو قدرت کے باوجود دین پر عمل چھوڑ دے، اور نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ سے منہ موڑ لے، اور محرمات سے اجتناب نہ کرے، تو وہ کافر ہو جاتا ہے، کیونکہ اس نے دین پر عمل ہی نہیں کیا، اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [المائدۃ:5] منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں۔

✷ لہذا ایمان باقی رکھنے کے لئے دونوں چیزیں ضروری ہیں؛

① دینی امور کا علم سیکھنا: اس سے مراد وہ دینی امور ہیں جس کے بغیر دین قائم نہیں رہ سکتا۔

② عمل کرنا: یعنی دین پر علم کی رہنمائی میں عمل کرنا۔

لہذا علم و عمل دونوں ضروری ہیں، کیونکہ علم بغیر عمل کے فائدہ نہیں دے سکتا، اور عمل بغیر علم کے درست نہیں ہو سکتا، گویا دونوں لازم و ملزوم ہیں، اللہ کا فرمان ہے: ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ [التوبۃ:33] اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے تمام مذہبوں پر غالب کردے۔

یہاں ﴿الْهُدَىٰ﴾ سے مراد علم نافع ہے، اور ﴿دِينِ الْحَقِّ﴾ سے مراد عمل صالح ہے، معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو امر دے کر بھیجے گئے؛ صرف علم دے کر نہیں بھیجے گئے بلکہ اس کے ساتھ عمل دے کر بھی بھیجے گئے، سو معلوم ہوا کہ علم وعمل ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں۔

جن لوگوں نے علم حاصل کیا اور عمل کو چھوڑ دیا وہ؛ ﴿الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ﴾ [الفاتحۃ:7] ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔

یعنی یہود اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے؛ جنہوں نے علم تو سیکھا لیکن اس پر عمل نہیں کیا، اور وہ لوگ جنہوں نے علم کے بغیر عمل کیا وہ نصاریٰ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے متصوفہ وغیرہ ہیں، جو جہالت وضلالت کے باجود بغیر علم کے اللہ کی عبادت کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ: 'حصولِ علم عمل سے روک دیتا ہے، اور عمل سے خود بخود علم آجاتا ہے؛ اس طور پر کہ دل کا دروزاہ کھلے گا اور بغیر علماء سے حاصل کئے علم آجائے گا'۔

صوفیہ حضرات لوگوں کو حصولِ علم اور علماء کی مجالس میں شرکت سے دور کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اصل مطلوب عمل ہے، لہذا جب تم عملِ عبادت میں مشغول رہو گے، تو اللہ تعالیٰ تم پر بغیر سیکھے علم کا دروازہ کھول دے گا'۔ یہ ان صوفیوں کی واضح گمراہی ہے۔ والعیاذ باللہ۔

چنانچہ جو اعراض کرتے ہوئے علم حاصل کرنا چھوڑ دے، اور جو بالکیہ علم کے مطابق عمل چھوڑ دے تو وہ کافر شمار ہوگا۔ اسی لئے شیخ رحمہ اللہ نے کہا: ''جو دین سے اعراض کرے، اسے سیکھے نہ اس پر عمل کرے''۔

علم کے بغیر عمل کرنا گمراہ نصاریٰ اور متصوفہ وغیرہ کا طریقہ ہے، اور علم ہونے کے باوجود عمل سے عاری ہونا یہود اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے حضرات کا طریقہ ہے۔

حصولِ علم کا مقصد اس کے مطابق عمل کرنا ہے، لہذا جس کا مقصد مجرد معرفت (نالج) کے لئے ہو، یا عالم کہلوانے اور تعریف کے لئے ہو، اور اس کا مقصد عمل کرنا نہ ہو، بلکہ علم کے ذریعہ

لوگوں کے نزدیک اپنا مقام بلند کرنا چاہتا ہو، تو ایسا شخص جہنم میں سب سے پہلے جھونکا جائے گا، اُسی کے ذریعہ جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ جیسا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے کہ سب سے پہلے جن تین لوگوں کے ذریعہ جہنم کو بھڑکایا جائے گا وہ؛ مجاہد ہوگا، صدقہ کرنے والا ہوا، اور عالم ہوگا۔

مجاہد شخص جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے قتل کردیا گیا، قیامت کے دن اس سے اللہ پوچھے گا تونے کیا کیا؟ وہ جواب دے گا: میں تیرے راستے میں جہاد کرتے ہوئے قتل کردیا گیا، اس سے کہا جائے گا تو جھوٹ بول رہا ہے، بلکہ تونے جہاد اس لئے کیا تھا تاکہ تجھے بہادر کہا جائے، تو دینا میں تجھے بہادر کہا جاچکا ہے، پھر اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر صدقہ وخیرات کرنے والے کو لایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ تونے کیا کیا؟ وہ جواب دے گا: اے میرے رب! میں نے ہر قسم کا مال تیری راہ میں خرچ کیا، اللہ تعالیٰ کہے گا: تو جھوٹ بول رہا ہے، تونے خرچ اس لئے کیا تاکہ تجھے سخی اور فیاض کہا جائے، سو تجھے دنیا میں کہا جاچکا ہے، پھر اسے بھی چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر عالم کو لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تونے کیا کیا؟ وہ کہے گا یا اللہ! تیری رضا کے لئے علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا، اللہ تعالیٰ کہے گا تو جھوٹا ہے، تونے علم اس لئے حاصل کیا تاکہ تجھے عالم کہا جائے سو تجھے دنیا میں کہا گیا، پھر اسے بھی چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں داخل کردیا جائے گا[1]۔

مذکورہ لوگوں کو غیر اللہ کی پرستش کرنے والوں سے پہلے جہنم میں ڈالا جائے گا، تو وہ لوگ کہیں گے کہ ہمیں بت پرستوں سے پہلے کیوں جہنم میں ڈالا جارہا ہے؟ ان سے کہا جائے گا

---

① صحیح مسلم: ۱۹۰۵۔

کہ جاننے والا نا جاننے والے کی طرح نہیں ہوتا۔

سو علم و عمل کا معاملہ بڑا سنگین ہے، جس نے دونوں کو چھوڑ دیا، یا دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑ دیا وہ گویا مرتد گیا۔

بعض لوگ قبولِ علم کی راہ چھوڑ کر حق کے خلاف سرکشی کا راستہ اختیار کرتے ہیں، ایسوں کا انجام سرکشوں کے ساتھ ہوگا، اور حق کے خلاف استکبار و سرکشی بھی کفر کی ایک قسم ہے۔

کچھ حضرات حصولِ علم کی راہ چھوڑ کر اعراض کی راہ اختیار کرتے ہیں، ایسوں کا انجام اعراض کرنے والوں کے ساتھ ہوگا، فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنْذِرُوا مُعْرِضُونَ﴾[الأحقاف: ۳] اور کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں۔

اور کچھ لوگ جب ان کے سامنے دلیل اور حق کو بیان کیا جاتا ہے تو وہ اسے قبول نہیں کرتے، بلکہ جاہلی حمیت انہیں اپنے باپ، دادا کے دین کی حفاظت اور پابندی کی دعوت دیتی ہے، جیسا کہ مشرکوں کا طریقہ کار رہا ہے۔ چنانچہ جو قبر پرستی میں مبتلا ہیں وہ حق قبول کرنا نہیں چاہتے، وہ لوگ جس بھی گمراہی میں ہیں راضی ہیں، وہ کوئی بھی توجیہ وارشاد قبول کرنے کو تیار نہیں، انہوں نے اپنے کانوں کو حق بات سننے سے بند کر رکھا ہے، اور اپنے عمل پر ڈھٹائی سے اڑے ہیں، بلکہ بسا اوقات اپنے خود ساختہ دین کی حفاظت میں قتال بھی کر بیٹھتے ہیں، حتی کہ ان باطل عقائد کی حفاظت کے لئے اپنے نفس کو داؤں پر لگا دیتے ہیں، وہ دعوتِ حق ہرگز قبول نہیں کرنا چاہتے۔ وہ شرک سے روکنے اور توحید کا حکم دینے والی آیات وحدیث جتنا بھی سنتے ہوں، قرآن کریم کی طرف التفات نہیں فرماتے، وہ تو بس اعراض کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں، وہ حق کے مقابلے میں باطل سے راضی ہو چکے ہیں، افسوس کہ اس طرح کے لوگ آج بکثرت پائے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾[العنكبوت: 52] جو لوگ باطل کے ماننے والے اور اللہ تعالیٰ سے کفر

کرنے والے ہیں وہ زبردست نقصان اور گھاٹے میں ہیں۔

ایسے لوگ باطل پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ کے ساتھ اعلانیہ کفر کرتے ہیں، غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، انہیں سے دعا واستغاثہ طلب کرتے ہیں، نیز غیر اللہ کی عبادت پر ایمان رکھتے ہیں، اور یہی اعراض کفر ہے۔ والعیاذ باللہ

جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس آئے اور کہا: چچا لا الہ الا اللہ ایک مرتبہ کہہ دیجئے، میں اللہ کے پاس آپ کے لئے شفاعت کروں گا وہاں پر کچھ مشرکین حاضر تھے، انہوں نے کہا اے اُبو طالب کیا تم عبد المطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ تو کہتے ہیں: نہیں بلکہ اپنے باپ کے دین پر ہی مروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر تلقین کی، تو مشرکین نے پھر سے وہی بات دہرائی، اور دینِ عبد المطلب کی حمیت پر ان کی وفات ہوگئی، چنانچہ اُبو طالب نے کلمۂ طیبہ کہنے سے اعراض کیا جس کے نتیجے میں وہ جہنم کے مستحق ہو گئے، حالانکہ دین اسلام کے تئیں ان کی جو قربانی ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے، اسی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ میں اپنے چچا کے لئے اس وقت تک دعا استغفار کرتا رہوں گا جب تک منع نہ کر دیا جائے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ [التوبة:113] پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔

اور ابو طالب کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ [التوبة :56] آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ ہے۔

اسی طرح ایک واقعہ ہے کہ تین لوگ مسجد نبوی میں داخل ہوئے ،آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ محوِ گفتگو تھے، ان میں سے ایک علم کی رغبت کی وجہ سے مجلس میں بیٹھ گیا، دوسرا شرم کی وجہ سے مجلس میں بیٹھ گیا اور نہ نکل پایا، جبکہ تیسرے نے اعراض کیا اور وہاں سے نکل گیا، جس پر رسول اللہ ﷺ نے کہا :''**ألا أخبركم بخبر ثلاثة؟**''کیا تم لوگوں کو نہ بتادوں کہ ان تینوں کے ساتھ کیا ہوا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: کیوں نہیں! ضرور بتائیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے پہلا جس نے دینی مجلس میں شرکت کی اور اللہ کی طرف متوجہ ہوا، تو اللہ نے اس کو اپنے یہاں پناہ دی، اور دوسرے نے شرم کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی شرم کا لاج رکھا، جبکہ تیسرے نے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے اعراض کرلیا[1] ۔

یہ ہے دینی امور کے متعلق حصول علم سے اعراض کا انجام۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ لوگوں کو توحید اور عقیدہ کا علم نہ سکھاؤ، کیونکہ وہ مسلم گھرانہ میں پیدا ہوئے ہیں، اور مسلم ماحول میں رہتے ہیں سوانہیں توحید سیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ذرا بتائیں! کیا یہ دین سیکھنے سے اعراض نہیں ہے؟ یہی تو اعراض ہے، کیونکہ دین وراثت اور ماحول سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اسے سیکھنا پڑتا ہے، لہذا دین کو سیکھنا، سکھانا اور اس پر عمل کرنا ضروری امر ہے، پس جو شخص اعراض کرتے ہوئے دین کو نہ سیکھے یا سیکھ کر اس پر عمل نہ کرے، اگرچہ وہ لا الہ الا اللہ کا ورد کرے پھر بھی وہ مرتد ہی شمار ہوگا۔ یہ معاملہ بڑا خطرناک ہے۔

معلوم ہوا کہ دین کے اصول اور عقیدہ کو سیکھنے سے اعراض کرنا نواقض اسلام میں سے ہے، البتہ دین کے تفصیلی احکامات کو سیکھنے سے اعراض سستی یا عدم تفرغ کی وجہ سے کرنا، یہ معصیت ہے، لیکن اسے نواقضِ اسلام میں سے نہیں شمار کیا جائے گا۔

---

[1] صحیح البخاری: ٦٦، صحیح مسلم: ٢١٧٦۔

علی کل حال حصولِ علم ہی دراصل زندگی ہے اور نور ہے، اور اس کو سیکھنے کا حکم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا اور اس کی ترغیب دلائی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "**وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا ؛ سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ. وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ، وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ ؛ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ**"[1] . جو آدمی علم حاصل کرنے کے لئے راستہ میں چل پڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، اور جب لوگ اللہ کے کسی گھر میں بیٹھ کر کتاب اللہ کی تلاوت اور آپس میں دراسہ کرتے ہیں، تو ان پر سکنیت نازل ہونے لگتی ہے، اور رحمت ان کو ڈھاپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں ڈھانپ لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود فرشتوں سے ان کا ذکر کرتا ہے۔

اس حدیث میں حصول علم کی ترغیب ہے، تاکہ بندے کا دین قائم رہ سکے، اور اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی پہونچائے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب علماء کو اٹھا کر علم قبض کر لیا جائے گا تو امت ہلاک ہوجائے گی، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "**إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا**"[2].

لہذا بغیر علم کے فتویٰ دینا ضلالت اور گمراہی ہے، فتویٰ کا کتاب وسنت کے مطابق ہونا

---

① صحیح مسلم: ۲۶۹۹۔

② صحیح البخاری: ۱۰۰، صحیح مسلم: ۲۶۷۳۔

ضروری ہے، ورنہ وہ ضلالت وہلاکت ہے، اور یہ علم سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے، قبل اس کے کہ وقت فوت ہوجائے، لہذا جب تک علماء موجود ہیں،۔ قبل اس کے کہ علما نہ بچیں۔ علم حاصل کر لیا جائے ، ورنہ علماء کی عدم موجودگی میں لوگ جہال ، متعالمین اور قراء کی طرف رخ کریں گےاور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

بارہواں درس: نواقضِ عشرہ کے خاتمہ کی شرح

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"مذکورہ تمام نواقضِ اسلام کا مرتکب مرتد کہلائے گا، چاہیئے وہ اس کا ارتکاب مذاق واستہزاء میں کیا ہو، یا سنجیدگی میں، یا خائف ہو کر، اس میں کوئی فرق نہیں، البتہ وہ شخص مرتد نہ ہوگا جسے نواقضِ اسلام کے ارتکاب پر اس قدر مجبور کر دیا گیا ہو کہ اسے اپنی جان کا خطرہ ہو"۔

شرح:

مصنف رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کی دلیل وہ قصہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے، یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک واپس ہو رہے تھے، چنانچہ کچھ لوگوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر بیٹھ کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا: یہ لوگ سب سے جھوٹے، پیٹ بھرنے والے اور سب سے بزدل لوگ ہیں، انہیں کی مجلس میں عوف بن مالک رضی اللہ نامی ایک نوجوان صحابی بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے ان کی تردید کی اور کہا کہ میں اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ضرور باخبر کروں گا، پھر وہ آپ کے پاس پہنچے ہی تھے کہ آپ پر پہلے وحی آچکی، پھر وہ لوگ آپ کے پاس عذر پیش کرتے ہوئے آئے، لیکن آپ نے ان کی طرف التفات نہ فرمائی، صرف یہ آیت پڑھ کر سناتے رہے: ﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ [التوبۃ: 65-66] کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے کہہ دیجئے کہ اللہ اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں، تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم

اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے۔

آیت میں انہیں کافر گردانا گیا ہے، حالانکہ وہ لوگ اس بات کا عذر پیش کررہے تھے کہ ہم نے قصداً ان باتوں کونہیں کہا ہے، ہم بس یوں ہی مذاق کررہے تھے۔ اس کے باوجود اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے عذر کو قبول نہ فرمایا، سو معلوم ہوا کہ نواقضِ اسلام کا ارتکاب مذاق واستہزاء میں کیا گیا ہو، یا سنجیدگی میں، اس میں کوئی فرق نہیں۔

اور **مصنف رحمہ اللہ** کا یہ قول کہ "خائف ہو کر ارتکاب کرنے والا بھی مرتد ہے": یعنی جو کفار کے ڈر سے کفریہ کلمہ کہے یا کفریہ عمل کرے وہ بھی معذور نہیں، جیسے کوئی کفار کے (غیر یقینی) ڈر سے کفریہ کلمہ کہے، یا غیر اللہ کے لئے ذبیحہ پیش کرے، اسلام اور مسلمانوں کو گالی دے، کیونکہ ایسی صورت میں یہ مداہنت کہلائے گا، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾ [القلم:9] وہ چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔

نیز اللہ کا ارشاد ہے: ﴿أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ﴾ [الواقعۃ:81] کیا تم اس قرآن کی تعلیم کے بعد بھی مداہنت سے کام لیتے ہو۔

اور مزید اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِن كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ۝ وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا﴾ [الاسراء:73-74] یہ لوگ آپ کو اس وحی سے جو ہم نے آپ پر اتاری ہے بہکانا چاہتے ہیں تاکہ آپ اس کے سوا کچھ اور ہی ہمارے نام سے گھڑ لیں، تب تو آپ کو یہ لوگ اپنا ولی دوست بنا لیتے، اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ ان کی طرف قدرے قلیل مائل ہو ہی جاتے۔

معلوم ہوا کہ دین میں مداہنت جائز نہیں اگرچہ انسان خائف ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اس پر خوف کے باوجود دین پر تمسک واجب ہے، جب تک کہ خوف اکراہ کی حد تک نہ پہونچ جائے۔ چنانچہ خوف جب اکراہ کی (شرعی) حد تک پہونچ جائے تو اس کے لئے کفار کی طلب

کے مطابق کچھ کفریہ کلمات کہہ دینا جائز ہے، بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا﴾[النحل:106] بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں۔

نیز فرمایا: ﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾[آل عمران:۲۸]

● اکراہ ومجبوری میں درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

① **پہلی شرط:** وہ شخص واقعی کفریہ کلمات کہنے پر مجبور کیا گیا ہو، چنانچہ مجرد خوف کی وجہ سے ایسا نہ کہا ہو، اور نہ ہی دنیوی لالچ کی خاطر کفار سے مجاملت میں ایسا کیا ہو۔

② **دوسری شرط:** اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، وہ صرف زبان سے کفریہ کلمات کہے۔

③ **تیسری شرط:** اس کا مقصد صرف اور صرف اکراہ ومجبوری کو دور کرنا ہو، نہ کہ کفار کو خوش کرنا، جیسا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا کہ کافروں نے انہیں پکڑ کر اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اللہ کے رسول کو گالی دیں، چنانچہ عمار رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شرمندہ ہو کر آئے، تو آپ نے فرمایا: تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا: کہ ایمان پر مطمئن پاتا ہوں، آپ نے فرمایا: اگر وہ لوگ دوبارہ ایسا کریں تو تم اسی پر عمل کرو[1]۔

چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾[النحل:106-107] جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس

---

[1] اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لئے بہت بڑا عذاب ہے، یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

لہذا جو آدمی دنیوی لالچ یا کافروں کو خوش کرنے کے لئے اپنے دین سے تنازل اختیار کرے، وہ اللہ کے دین میں مداہنت کا مرتکب ہے، برخلاف اس کے جو حالتِ اضطرار واکراہ میں تقیہ اختیار کرے، اور یہ تقیہ بھی صرف مجبوری کو دور کرنے کے لئے ہو۔ البتہ اگر وہ کفار کی طرف سے دی جانے والی تکلیف پر صبر کرے، اور رخصت پر عمل نہ کرے تو یہ افضل ہے، جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ نے فتنۂ خلقِ قرآن میں کیا تھا۔

۞۞۞

● **شیخ الاسلام محمد بن عبد الوھاب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:**

''اور مذکورہ بالا تمام نواقضِ اسلام سب کے سب بڑے خطرناک ہیں، اور بکثرت لوگوں سے صادر ہوتے رہتے ہیں''۔

شرح:

مصنف رحمہ اللہ نے صرف اِنہیں دس نواقض کو ہی کیوں منتخب فرمایا ہے، جبکہ نواقضِ اسلام تو بہت زیادہ ہیں؟

مصنف رحمہ اللہ نے اِنہیں دس کا انتخاب اس لئے فرمایا کیونکہ لوگوں سے اکثر یہی نواقض صادر ہوتے ہیں، اور اس لئے بھی کہ یہ دیگر نواقض سے زیادہ خطرناک ہیں۔ لہذا جن نواقض کا معاملہ ایسا ہو ان کا خصوصی ذکر تو ہونا ہی چاہیے۔

۞۞۞

شیخ الاسلام رحمہ اللہ آگے لکھتے ہیں:

"(ہم نے اہم ترین نواقضِ اسلام کا ذکر کر دیا ہے) لہذا اب مسلمان کی ذمہ داری ہے وہ ان سے بچے، اور اپنے نفس پر ان کا خوف کھائے"۔

شرح:

مصنف رحمہ اللہ نصیحت کر رہے ہیں کہ مسلمان کو اپنے نفس کی پاکی نہیں بیان کرنی چاہئے، اسے یہ نہیں کہنا چاہئے کہ میں جانکار ہوں، مجھے اِن نواقضِ اسلام کو سیکھنے کی چنداں ضرورت نہیں، اور اسی طرح لوگوں کو بھی توحید سیکھنے کی حاجت نہیں، کیونکہ یہاں سارے لوگ مسلمان ہیں، انہیں کسی خطرے کا ڈر نہیں۔

حالانکہ انسان جب تک بقیدِ حیات ہے تب تک فتنوں سے اس کا سامنا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ نبی ابراہیم علیہ السلام بھی۔ جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے بتوں کو توڑا، اور اس کی وجہ سے آگ میں ڈالے گئے۔ اپنے رب سے یہ دعا کر رہے ہیں: ﴿وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۝ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ﴾ [ابراهيم:35] (اے میرے رب) تو مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچا، (بے شک) انہوں نے اکثر لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام اپنے نفس پر بتوں کی پرستش سے خوف کھا رہے ہیں، کیونکہ بندوں کا دل رحمٰن کے انگلیوں کے درمیان ہوتا، اور اس لئے بھی کیونکہ انسان بسا اوقات ہدایت کے بعد بھی راہِ حق سے بھٹک کر گمراہ ہو جاتا ہے، لہذا انسان جب تک زندہ ہے اپنے نفس پر خوف کھاتا رہے، خاص طور پر اس پرفتن زمانہ میں، کیونکہ کتنے ہی عالم گمراہ ہو گئے اور کتنے ہی متقی فاسق و فاجر بن گئے۔ ﴿رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ﴾۔

❁❁❁

مصنف رحمہ اللہ اخیر میں دعا کرتے ہیں:

''ہم غضبِ الٰہی اوراس کے اسباب سے نیز اس کے عذاب کی سختی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں''۔

شرح:

مؤلف رحمہ اللہ نے اس رسالہ کو اعتصام باللہ اور غضبِ الٰہی کے اسباب وانجام سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہوئے ختم کیا ہے۔

یہاں مسلمان کے لئے ایک پیغام ہے کہ وہ اللہ عزوجل سے خوف کھائے، اور وہ جب تک زندہ ہے اپنے آپ پر ضلالت وگمراہی اور فتنوں سے خوف کھاتا رہے، اپنے آپ کو کبھی فتنوں سے مامون نہ سمجھے۔

اسی لئے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ: ''مَن كانَ مُستنًّا: فليستَنَّ بمَن قَد ماتَ فإنَّ الحيَّ لا تُؤمَنُ علَيهِ الفِتنةُ''[1]۔ جو کسی کے طریقہ پر چلنا چاہتا ہو، وہ گذرے ہوئے صالحین کے طریقہ پر چلے، کیونکہ زندہ شخص کو فتنوں سے مامون نہیں سمجھا جا سکتا۔

سو معلوم ہوا کہ زندہ شخص فتنے سے مامون نہیں اگرچہ وہ سب سے بڑا متقی و پرہیزگار، اور سب سے بڑا عالم ہی کیوں نہ ہو۔

[1] اصول السنۃ للالکائی: ۱۳۰-۱۳۱، والفقیہ والمتفقہ للخطیب: ۴۶۰، وجامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر: ۱۸۸۱، قریب قریب الفاظ کے ساتھ بروایت علی رضی اللہ عنہ، امام ہیثمی مجمع الزوائد (۱/ ۱۸۰) میں فرماتے ہیں اس کے راویان صحیح کے راویان ہیں۔

پھر مؤلف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وصلى الله وسلم علىٰ خير خلقه محمد، وآله وصحبه أجمعين"۔

شرح:

مصنف رحمہ اللہ نے اس رسالہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے ہوئے ختم کیا ہے، اور یہی خاتمہ لکھنے کا بہترین طریقہ ہے، کیونکہ اعمال کے آغاز وانتہا میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و بھینا مشروع ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [الأحزاب:56] اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو۔

لہذا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم ان پر درود وسلام بھیجا کریں۔

✷ جب درود کا اطلاق اللہ کی طرف سے بندے پر ہو تو اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ملأ أعلیٰ میں اس کی تعریف کرتا ہے، اور اگر درود کا اطلاق فرشتوں کی جانب سے ہو تو اس کا معنی ہے کہ فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں، اور درود اگر آدمیوں کی طرف سے ہو تو اس کا معنی دعا ہوتا ہے۔

چنانچہ اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہوئے صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تو گویا ہم اللہ سے دعا کر رہے ہیں کہ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملأ اعلیٰ میں تعریف فرمائے۔

❁❁❁

سوالات وجوابات

سوال: ایک جماعت ہے جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتی ہے، وہ صرف قرآن پر عمل کرتی ہے، سنت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے تو کیا اس جماعت پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا؟

جواب: ہاں، ان کے کفر میں کوئی شک نہیں، کیونکہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ' ہم صرف قرآن کے مطابق عمل کریں گے '۔ حالانکہ قرآن ہی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا حکم دیتا ہے، اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سنت کے مطابق عمل بھی ہے، (پھر وہ کہاں اپنے دعویٰ میں سچے رہے)۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾[آل عمران: 132] اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبر داری کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

نیز فرمایا: ﴿وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾[النور:54] ہدایت تو تمہیں اس وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾[النساء:59] فرمانبر داری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبر داری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی۔

نیز ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾[الحشر: 7] اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ۔

قرآن میں بہت سی چیزیں مجمل ہیں جن کی تفسیر صرف سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتی ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نماز کا ذکر کرتے ہوئے اسے قائم کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن کیا قرآن نے ظہر، عصر، مغرب عشاء اور فجر کی رکعات کی تعداد کا بیان کیا ہے؟ یہ ساری

تفصیل صرف سنت میں موجود ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "صَلُّوا كما رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي"[1]۔

اوراسی طرح زکوٰۃ بھی ہے، جس کی ادائیگی کا ذکر قرآن کریم میں کئی بار آیا ہے، لیکن کیا قرآن نصابِ زکاۃ کو بیان کرتا ہے؟ اس کی تفصیل بھی سنت بیان کرتی ہے۔ سو معلوم ہوا کہ سنت قرآن کی وضاحت کرتی ہے، لہذا جو سنت پر عمل نہ کرتا ہو وہ درحقیقت قرآن پر بھی عمل کرنے والا نہیں۔

دین میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا ذکر سرے سے قرآن میں نہیں ہے، بلکہ سنت رسول میں موجود ہے، جیسے: بیوی اور اس کی خالہ یا بیوی اور اس کی پھوپھی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کی ممانعت قرآن میں مذکور نہیں، اس ممانعت کا اضافہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنت میں فرمایا۔

لہذا ہمارے اوپر سنت پر عمل کرنا ویسے ہی ضروری ہے جیسا کہ قرآن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ [الحشر:7] اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ۔

اور جو لوگ اپنے کو اہلِ قرآن کہتے ہیں، ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: "يُوشِكُ أَحَدُكُمْ أَنْ يُكَذِّبَنِي وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى أَرِيكَتِهِ يُحَدَّثُ بِحَدِيثِي، فَيَقُولُ : بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللَّهِ، فَمَا وَجَدْنَا فِيهِ مِنْ حَلَالٍ اسْتَحْلَلْنَاهُ..."[2]

عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی اپنے تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوگا، اسے

[1] صحیح البخاری: ۶۳۱، صحیح مسلم: ۶۷۴۔

[2] سنن أبی داود: ۴۶۰۴، سنن الترمذی: ۲۶۶۴، سنن ابن ماجہ: ۱۲، مسند أحمد: ۱۷۱۷۴۔

میری کوئی حدیث سنائی جائے گی تو کہے گا: میرے اور تمہارے درمیان (فیصلہ کرنے والی) صرف اللہ رب العالمین کی کتاب قرآن ہے، ہمیں اس میں جو حلال ملے گا اسے حلال مانیں گے اور جو چیز اس میں حرام ہوگی اسے حرام مانیں گے۔

پھر آپ نے اس فتنہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ”أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ“[1]۔ لوگو! جان لو مجھے قرآن اور اس جیسی ایک چیز اور دی گئی ہے (یعنی سنت)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دے کر اس فتنے سے ڈرایا ہے۔

سوال: دسواں ناقض اللہ کے دین سے اعراض ہے، تو کیا رافضہ پر یہ ناقض فٹ ہوتا ہے؟

جواب: یہ ناقض ہر اس شخص پر فٹ ہوتا ہے جو دین سے کلی طور پر اعراض کرے؛ اسے سیکھے نہ ہی اس پر عمل کرے، اب خواہ وہ رافضہ ہوں، یا صوفیہ، یا قبوریہ وغیرہ۔

سوال: کیا اس شخص کو مکرہ اور مجبور سمجھا جائے گا جسے غیر اللہ کے لئے ذبیحہ پیش کرنے یا بت کا سجدہ کرنے پر مجبور کیا گیا ہو؟

جواب: حالتِ اکراہ (مجبوری) میں صرف کفریہ کلمات کہنا جائز ہے، نہ کہ کفریہ عمل۔ چنانچہ اگر اسے کفریہ کلمہ کہنے پر مجبور کیا جائے تو اس صورت میں کہہ سکتا ہے، قرآن میں اسی کی اجازت ہے (یعنی حالتِ اکراہ میں صرف کفریہ کلمہ کہنے کی اجازت ہے)۔

سوال: میں تین مہینے پہلے اسلام لایا ہوں، میرے ماں باپ کافر ہیں، میں ان دونوں کے ساتھ کیسا معاملہ کروں؟ کیا مجھ پر ان سے مطلق بغض رکھنا واجب ہے؟

جواب: ان کے ساتھ ویسا ہی تعامل کریں جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ نے ہدایت کی ہے، اللہ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ﴾[المجادلۃ:22] اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے

[1] مسند أحمد: ۱۷۱۷۴۔

والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے گو وہ ان کے باپ ہی کیوں نہ ہوں۔

یہاں اللہ نے ان سے شرعاً بغض رکھنے کو کہا ہے لہذا آپ ان سے دینی امور میں بغض رکھیں۔

اور جہاں تک ان کے ساتھ حسنِ تعامل کی بات ہے تو آپ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰٓ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾[لقمان:15] اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا۔

یہ احسان کا بدلہ بہتر طور پر دینے کے باب سے ہے۔ اور اولاد پر والدین کا یہ حق ہے کہ وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ لیکن جہاں تک بات دلی محبت کی ہے تو کسی کافر سے کبھی بھی دلی محبت جائز نہیں، لہذا آپ اپنے کافر والدین سے قلبی محبت نہیں کریں۔ ابراہیم علیہ السلام کو دیکھئے کہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے اس سے براءت کا اظہار کیا۔

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين

ہماری اہم مطبوعات

A1 Grafix Studio : +91-9819189965
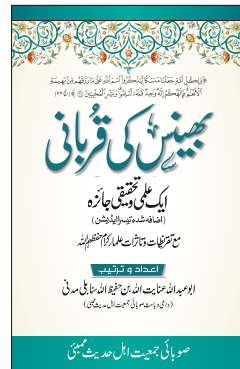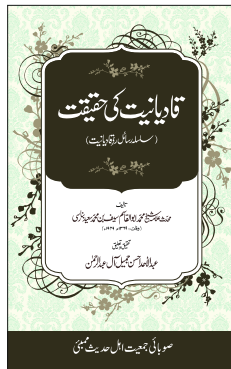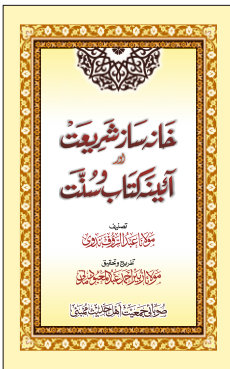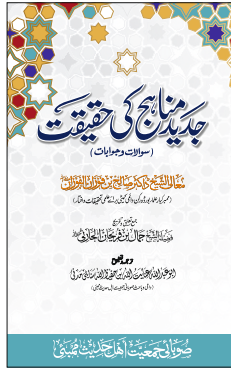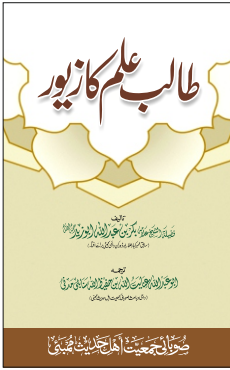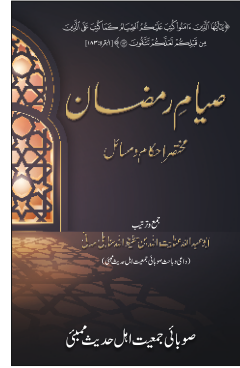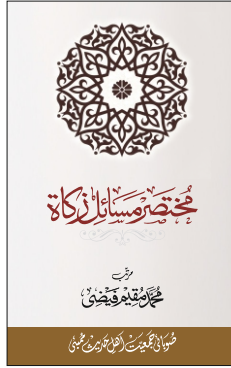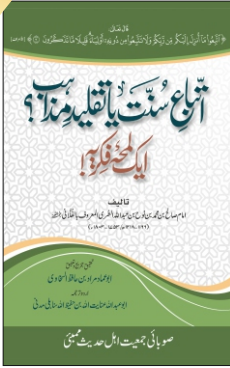
SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 400 070

Phone : 022-26520077 ahlehadeesmumbai@gmail.com

@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai

www.ahlehadeesmumbai.org